علمی، دینی، اصلاحی اور معلوماتی

دار العلوم لطیفیہ مکانِ حضرت قطب ویلور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سالنامہ اللطیف ویلور

۳۶ واں شمارہ

بیادگار

شیخ المشائخ اعلیحضرت مولانا مولوی ابو النصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر قادری

رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین خانقاہ حضرت قطب ویلور

و

مولانا مولوی ابو صالح عماد الدین سید شاہ محمد ناصر قادری المعروف بہ میراں پاشاہ

رحمۃ اللہ علیہ

مدیر موسس

حضرت اقدس مولانا ابو الحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر قادری رحمۃ اللہ علیہ

★

تاریخ اجراء

بتاریخ ۱۰ر شعبان المعظم ۱۴۱۸ھ م ۱۱ر دسمبر ۱۹۹۷ء روز جمعرات

● زیرِ نگرانی

مولانا مولوی ابو محمّد سید شاہ محمّد عثمان قادری ایم اے، بی کام؛ (عثمانیہ)

ادیب فاضل (مدراس) ناظمِ دار العلوم لطیفیہ ویلور

مولانا سیّد شاہ ہلال احمد قادری۔ ادیبِ فاضل (مدراس)

نائب ناظم دار العلوم لطیفیہ۔ ویلور

★

● زیرِ ادارت:

مولانا مولوی پی محمّد ابو بکر ملیباری لطیفی قادری۔ مدرس دار العلوم لطیفیہ ویلور

مولانا مولوی حافظ ابو النعمان بشیر الحق قریشی قادری لطیفی مدرس دار العلوم لطیفیہ ویلور

★

● نمائندگان طلباء:

۱۔ مولوی کے۔ سی۔ شاہ جہاں	وڑی کڈو (کیرلا)
۲۔ سید تنویر احمد	چیّار (ٹمل ناڈو)
۳۔ عبد السبحان	وگرود (آندھرا)
۴۔ سید امجد قادری	تاڑپتری (آندھرا)
۵۔ سید قادر باشاہ	گنڈے پلّی (کرناٹکا)
۶۔ شیخ محبوب باشاہ	ملباگل (کرناٹکا)
۷۔ محمد محبوب	ہٹی (کرناٹکا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین سالنامہ اللطیف ویلور سنہ ۱۴۱۸ھ ۱۹۹۷ء

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ نمبر
۱	مناجات	حضرت قربی ویلوری رحمۃ اللہ علیہ	5
۲	رباعیات	حضرت امجد حیدرآبادی	6
۳	افتتاحیہ	ادارہ	7
۴	روئدادِ دارالعلوم لطیفیہ۔ویلور	ادارہ	16
۵	جواہر القرآن	مولوی حافظ ابوالنعمان بشیرالحق قریشی قادری	19
۶	جواہر الحدیث	" " " " " "	29
۷	فتویٰ	ادارہ	77
۸	غزل	حضرت قربی ویلوری	80
۹	مکتوبات	حضرت قطب ویلور علیہ الرحمہ	81
۱۰	دارالعلوم لطیفیہ	علیم صبا نویدی	94
۱۱	جواہر السلوک	مترجم ڈاکٹر سید وحید اشرف کچھوچھوی	95
۱۲	غزل	علیم صبا نویدی	101
۱۳	جواہر الحقائق	مترجم حکیم سید اقسر باشاہ افسر	102
۱۴	نقوش طاہر	ادارہ	113
۱۵	غزل	نثار بھارتی	118
۱۶	مہمان نوازی سنّت ہے	ابو محمد سید شاہ محمد عثمان قادری	119
۱۷	مسلمان تنگ نظر نہیں	مولانا مولوی ابوبکر ملیباری لطیفی	121
۱۸	آں چہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری	مولانا محمد رمضان القادری	129

نمبر	عنوان	مصنف	صفحہ
۱۹	خطیب قادر بادشاہ	پروفیسر جلال عرفان	140
۲۰	تفسیر آمری	سید شاہ محمد عمر آمر کلیمی	147
۲۱	ارمغانِ نعت	,, ,, ,,	153
۲۲	رسمِ بسم اللہ خوانی کی شرعی حیثیت	ادارہ	154
۲۳	تعارف روحانی علاج ہومیوپیتھی	ڈاکٹر زکریا۔ ویلور	162
۲۴	زندگی	سید سراج الدین منیر حیدرآبادی	168
۲۵	نعتِ شریف	منیر القادری لطیفی	169
۲۶	اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم	سید تنویر الزّماں ۔ متعلم دارالعلوم	170
۲۷	جنّت اور دوزخ کی حقیقت	سید قادر بادشاہ ,, ,,	175
۲۸	حمد باری تعالےٰ و نعتِ احمدؐ	پیشکش سید جمال اللہ شاہ قادری استاذ ,,	181
۲۹	خصائل وعادات۔ بال اور ناخن	جمیل احمد شریف متعلم دارالعلوم	182
۳۰	حضرت امیر معاویہؓ کا مقام و مرتبہ	سید امجد قادری ,, ,,	188
۳۱	نعتِ شریف بزنگِ غزل	حکیم سید افسر پاشاہ افسر	193
۳۲	اہل السنّت والجماعت (عربی)	کے۔ سی۔ شاہ جہاں	194
۳۳	سلام بر رسول انامؐ	نثار بھارتی	197
۳۴	الشبیبۃ الدّھریۃ (عربی)	او۔ کے محمد علی	198
۳۵	حج ۱۹۹۷ء	حکیم سید افسر پاشا افسر	201
۳۶	نعتِ شریف	,, ,, ,,	215

مناجاتِ قربیؔ

قدوۃ السالکین حضرت مولانا رکن الدین سید شاہ ابوالحسن قربیؔ قادری ویلوری رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بھکاری ہوں تجھ دار کا — گھر آیا ترے در پو لے بار کا

محمدؐ کا صدقہ مجے کر عطا — نہ محروم کر مجھ کرم سوں اتا

کریما منگے بن دلاتے ہیں بھیک — طلب سوں زیادہ لجاتے ہیں بھیک

ہیں تیرے کرم اُپر دھر نظر — محمدؐ کا صدقہ منگیا عرض کر

کرم پر تیرے بھیک لازم کیا — میری بھیک توں بیک بی کر دیا

نبی کی محبّت سوں تن ہیں رکھیا — میں صدقہ تیرے پاس اس کا منگیا

منگیا ہوں ہیں صدقہ ترے دوست کا — یو منگنے پو میرے ہوا ہے سب کا

یہاں میرے اوپر مقرر ہوا — کہ تیرا عطا مجھ میسّر ہوا

محبّت کی شمشیر دے دھات ہیں — سپر معرفت کا دے اس سات ہیں

بھی سنّت کی جمدھر کمر میں لگا

کہ اس دشمناں کو کروں میں فنا

● پیش کش: مولانا سید شاہ ہلال احمد صاحب قادری المعروف بہ ہلال باشاہ صاحب

نائب ناظم دار العلوم لطیفیہ: حضرت مکان قطب ویلور قدس اللہ سرہٗ

رُباعیاتِ امجد

مردانِ خدا

حیّ القیّوم کا جو دم بھرتے ہیں
وہ مر کر بھی کبھی نہیں مرتے ہیں
دُنیا میں ہر ایک موت سے ڈرتا ہے
یہ لوگ وہ ہیں جو موت پر مرتے ہیں

زادِ عقبیٰ

طاعات و عبادات کا تحفہ لاؤں
یا صوم و صلوٰۃ کے ہدایا لاؤں
اے ربِّ کریم! کیا حماقت ہو گی
مَیں اور ترے پاس زادِ عقبیٰ لاؤں

نا امیدی میں امید

مَیں چھوڑ کے تیرا در کہاں جاؤں گا
اپنا مقصود پھر کہاں پاؤں گا
اے میری نہ سُننے والے اتنا سُن رکھ
محروم گیا آج — تو کل آؤں گا

طلبِ رحمت

میدانِ قیامت میں تماشا نہ بنا
یا رب مجھے مضحکہ ہر اک کا نہ بنا
رحمت کا تری بیان کیا ہے سب سے
کل سامنے سب کے مجھ کو جھوٹا نہ بنا

از: حضرت امجد حیدرآبادی

اِفتتاحیہ

ادارہ

۱۹۹۷ء کا سال ہندوستان کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا جس میں باشندگانِ ہند کو برطانوی تسلّط سے آزادی حاصل کئے ہوئے پچاس سال مکمل ہو چکے۔ جس کی مناسبت سے ہندوستانی پارلیمان، صوبائی اسمبلیاں اور اہلِ ہند نے وسیع پیمانہ پر مسرتوں اور شادمانیوں کا اظہار کیا۔ ملک کے گوشہ گوشہ میں خوشیوں کے چراغ جل اٹھے۔ ہندوستان کے تمام طبقوں، سیاسی جماعتوں، مذہبی اداروں، علمی دانش گاہوں اور سماجی انجمنوں کی جانب سے گولڈن جوبلی کی شاندار تقریبات کا سلسلہ چل پڑا۔ اس مسرت آگیں موقعہ پر حکومت نے مختلف و متعدد تعمیری اور فلاحی اسکیموں اور منصوبوں کا اعلان کیا۔ جو جدید ہندوستان کی تشکیل و تعمیر میں ایک اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔

ہندوستان کی وسیع و عریض، سرسبز و شاداب، معدنیات سے بھرپور اور قدرتی خزانوں سے لبریز زرخیز زمین "کرشمۂ دامنِ دل می کشد کہ ایں جا است" کی منہ بولتی تصویر ہے۔ اس کا یہی فطری اور قدرتی حسن و جمال تھا جس نے انگریزوں کے دل و دماغ کو متاثر کر دیا اور وہ اپنی حکمت و فراست، چالاکی و ہشیاری اور دھوکہ دہی و غداری سے یہاں کے بعض راجاؤں اور نوابوں کو ہم نوا بنا لیا اور بعض کی حکومتیں پر بالواسطہ یا بلاواسطہ قبضہ کرتے چلے گئے اور ان کے غلبہ و تسلط اور اقتدار کو دیکھ کر ہندوستانیوں کے دل میں اپنی غلامی اور محکومی کا احساس جاگنے لگا۔ یہاں کے تمام باشندوں کا وطن ایک ہی تھا۔

ہندوستان کی وطنیت کے مسئلہ میں انکے درمیان کوئی تفریق و اختلاف نہ تھا گو کہ ان کے مذاہب الگ الگ تھے۔ یہی وجہ تھی کہ یہاں کے باشندے برٹش اقتدار کے خلاف متحدہ طور پر اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے مشترک وطن کی سرزمین سے انگریزوں کے قبضہ کو ختم کرانے کی مہم شروع کر دی۔

انگریزوں نے انیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں جنوبی ہند کی ریاستوں میسور، آرکاٹ، پالیہ کار، پانجالن کرچی، سواگنگی سمیٹی وغیرہ کو ختم کر دیا۔ 1782ء میں نواب حیدر علی والیٔ میسور راہیٔ ملک بقا ہو گئے تو ان

کے بہادر فرزند سلطان ٹیپو انگریزوں سے مقابلہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ 1799ء میں شہید ہوگئے۔ سلطان کی شہادت کے بعد انگریزوں نے ان کی بیوی بچّوں اور خاندان کے افراد کو ویلور کے قلعہ میں محصور رکھا۔ جنوبی ہند کے حکم رانوں اور نوابوں کی ریاستیں ختم ہوجانے کے باعث ان کے فوجیوں نے انگریزی کمپنی کی ملازمت اختیار کرلی تھی۔ جن میں سے بیشتر افراد پولیس اور فوج کے صیغوں میں شامل ہوگئے تھے۔ لیکن انگریزوں کے تشدّد آمیز سلوک اور ذلّت آمیز قوانین کے نفاذ اور مذہبی پابندی کی وجہ سے ان کے دلوں میں انگریزوں کے اقتدار کو ختم کرنے کے جذبات بیدار ہونے لگے۔ ٹیپو کے محصور و مقیّد اشخاص کے دلوں میں بھی محصورانہ اور محکومانہ زندگی سے آزادی حاصل کرنے کی امنگیں جاگ اٹھیں۔ سپاہیوں اور سلطان ٹیپو کے رشتہ داروں کی خواہش کو پہچان کر ویلور کے عوام بھی ان کے ہم نوا اور ہم خیال بن گئے۔ اس طرح انگریزوں کے خلاف ایک عوامی تحریک وجود میں آگئی۔ ۱۴ر نومبر 1805ء کو ایک انگریزی فوجی افسر نے مدراس سے ایک ایسا حکم (مسلمانوں کو داڑھی رکھنے اور ہندوؤں کو پیشانی پر ٹیکہ لگانے پر پابندی اور صلیب کا استعمال کرنے کی تاکید) جاری کیا۔ جس سے مسلمانوں اور ہندوؤں کے مذہب اور ان کے شعائر پر ضربِ کاری لگ رہی تھی۔ اس لیے فوج اور پولیس اور عوام میں غم و غصہ اور اضطراب پیدا ہوگیا۔ ویلور کا مضبوط و مستحکم قلعہ انگریزی حکومت کی کمین گاہ اور برٹش فوج کا مرکز تھا۔ اور اسی میں ٹیپو سلطان کے خاندان کے افراد محصور تھے۔ ۹ر جولائی 1806ء کو ٹیپو سلطان کی دختر کا نکاح مقرر تھا۔ قلعہ کے اندر لوگوں کی آمد و رفت کافی تھی۔ سپاہیوں نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھایا۔ ٹیپو خواتین کی پالکیوں میں اسلحہ رکھ کر اندر پہنچانا شروع کیا اور باہر کے سپاہیوں کو برقعہ پوش عورتوں کی شکل میں اور شادی کے مہمانوں کے روپ میں قلعہ کے اندر پہنچا دیا۔

۱۵ر جولائی 1806ء کو قلعہ کے اندر فوجی دن منایا جانے والا تھا جس کی وجہ سے ۹ر جولائی کی رات کو انگریز فوج کے بڑے بڑے افسر جمع ہوگئے تھے۔ قلعہ کے اندر جمعدار شیخ قاسم جو ایک اہم عہدے پر فائز تھے۔ حفاظتی دستے کی تشکیل و تعین ان کے ذمّہ تھی۔ یہ بھی باغی سپاہیوں سے ملے ہوئے تھے۔ انھوں نے بھی حتی الامکان حفاظتی دستے میں باغی سپاہیوں کو شامل کردیا۔ اس رات قلعہ کے اندر حالات پر نظر اور قابو رکھنے کی ذمہ داری جس انگریز افسر کی تھی وہ اپنی ذاتی کام سے گھر جانا چاہتا تھا۔ جب یہ اطلاع شیخ قاسم کو ہوئی تو وہ اس کی خدمت میں پہنچ کر کہا: آپ جائیے میں آپ کی ذمّہ داری

بحسن وخوبی سنبھال لوں گا۔ اس افسر کی غیر حاضری نے بھی باغی سپاہیوں کے لیے ایک بہترین موقعہ فراہم کر دیا۔ اور انھوں نے انگریز فوج اور انگریز افسروں پر زوردار حملہ کر دیا۔ اور وہ اس غیر متوقع اور اچانک حملہ کی تاب نہ لا سکے۔ سپاہیوں نے قلعہ پر قبضہ کر لیا اور یونین جاک اتار کر سلطان ٹیپو کے فرزند کا دیا ہوا ہندوستانی جھنڈا لہرا دیا پر لہرا دیا۔

ادھر میجر کوٹس نے آرکاٹ کے انگریز سپہ سالار کلّین بک کو بغاوت کی خبر کر دی اور اس کو دور کرنے کے لیے جلد اقدامات کرنے کے لیے کہا تو وہ خود ہی ایک بہت بڑا فوجی دستہ لیے ہوئے ویلور آ پہنچا۔ لیکن یہ دستہ قلعہ کو دوبارہ حاصل کرنے میں ناکام رہا تو کلّین بک نے آرکاٹ سے توپیں منگوائیں اور آگ برسانے والی توپوں سے قلعہ پر حملہ آور ہوا۔ ہندوستانی سپاہی مدافعت نہ کر سکے اور انگریزی فوج قلعہ پر قابض ہو گئی اس لڑائی میں ایک سو سترہ (117) برطانوی افسر اور رجمنٹ سے تعلق رکھنے والے تقریباً ستر (70) فوجی ہلاک ہوئے۔ اور 800 ہندوستانی سپاہی شہید ہوئے۔

تحریک آزادیٔ ہند کی یہ اوّلین لڑائی اور پہلی جنگ بعض نامساعد و ناموافق حالات اور اسباب و وسائل کے فقدان کے باعث ناکام ہو گئی۔ لیکن اس کے بعد برٹش اقتدار کے خلاف عوامی تحریک اٹھ کھڑی ہوئی اور ۱۱ مئی 1857ء کو وسیع پیمانہ پر انگریزوں کے خلاف ایک اور مسلح بغاوت ہوئی لیکن انگریزوں نے اسے بھی ناکام بنا دیا۔

شمالی ہند میں حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی اور حضرت مولانا عبدالعلی لکھنوی نے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ دے دیا جس کی وجہ سے انگریزوں کے خلاف جہاد کا سلسلہ شروع ہو گیا اور مسلح لڑائیوں کا آغاز ہو گیا اور انگریز ان لڑائیوں کو اپنی قوت کے ذریعہ دباتے چلے گئے اور گرفتاریاں، قید و بند اور سزاؤں کا سلسلہ شروع کیا۔ انگریز دشمنی میں مسلمانوں نے انتہا پسندانہ موقف اختیار کر لیا۔ ان کی زبان اور ان کے علوم اور ان کی صنعت وحرفت سے بھی بے زاری ونفرت کا اظہار کرنے لگے۔

1884ء میں انڈین نیشنل کانگریس کا قیام عمل میں آیا جس نے آزادی کی تحریک میں کلیدی رول ادا کیا۔ 1905ء میں برلن میں ہندوستانیوں نے "انجمن انقلاب ہند" کے نام سے ایک تنظیم قائم کی۔ مسٹر لالہ ہر دیال نے "غدر" نامی پارٹی تشکیل دی اور ان کے دست راست مولوی برکت اللہ بھوپالی نے 1913ء میں "غدر" نامی اخبار جاری کیا۔ جس کے ذریعہ عوام کو بیدار کرنے اور حصول آزادی کی لیے جدوجہد کی ترغیب وتحریص دلائی جانے لگی۔

مئی 1914ء میں قسطنطنیہ سے اخبار "جہانِ اسلام"
جاری کیا گیا اور 2 رنومبر 1914ء کی اشاعت میں
یہ اعلان کیا گیا۔

"اے ہندوؤ! اے مسلمانو! تم آپس میں
بھائی بھائی ہو۔ نیچ اور کمینے انگریز تمہارے دشمن
ہیں۔ تم جہاد کا اعلان کرکے غازی بن جاؤ اور اپنے
بھائیوں کے ساتھ مل کر انگریزوں کو قتل کردو اور
ہندوستان کو نجات دلاؤ۔"

۱۹۱۷ء میں شیخ الہند حضرت مولانا
محمود الحسن کی "ریشمی رومال" تحریک وجود میں آئی
اور 1919ء میں مسلمانوں نے خلافت کمیٹی قائم
کی جس سے تحریک آزادی میں ایک نئی قوت
اور توانائی پیدا ہوگئی اور اس کے سرگرم قائد مولانا
محمد علی نے انگریزوں کے پایہ تخت لندن میں کہا:

"میں غلام ہندوستان میں واپس نہیں
جاؤں گا۔ میں یہاں سے اس وقت لوٹوں گا جب
میرے ہاتھ میں ہندوستان کی آزادی کا پروانہ ہوگا۔"

9 رجون 1920ء کو خلافت کمیٹی نے
ترکِ موالات نان کوآپریشن NON COOPRATION
کا ریزولیشن منظور کیا۔ سبھاش چندر بوس نے آزاد
ہند فوج قائم کی جس میں ہندوستان کے تمام طبقات
شامل تھے۔

ان تمام تحریکوں، انجمنوں اور اخباروں
کے ذریعہ آزادی کی مانگ جاری تھی اور تحریکِ
آزادی تشدد کی راہ پہ گام زن تھی اور اس کو
انگریز بے انتہا ظلم و تشدد اور قوت و طاقت کے
ذریعہ کچل دیتے تھے۔ مہاتما گاندھی نے عدم تشدد
اور ستیہ گرہ کے ذریعہ ایک نئی راہ نکالی کی جو حصولِ
آزادی کے لیے ایک مفید اقدام تھا۔ تحریک آزادی
جوں جوں زور پکڑتی چلی گئی تو انگریز خوف زدہ اور
حیران و پریشان ہوگئے۔ طاقت و تشدد اور
ظلم و ستم اور جبر کا طریقہ بھی بے سود ثابت ہوا
تو انھوں نے ہندوستان کے مختلف طبقوں اور
ریاستوں کے درمیان تفرقہ و اختلاف اور نزاع
کی فضا پیدا کر دی تاکہ ان کی اجتماعی قوت کا
شیرازہ بکھر جائے۔ اب تک مسلمان اور ہندو
سیسہ پلائی دیوار کی طرح انگریزوں کے مقابل کھڑے
ہوئے تھے لیکن فرنگیوں کی سیاسی حکمت عملی سے یہ
نظریہ وجود پذیر ہوا کہ ہندو اور مسلم دو الگ الگ
قومیں ہیں۔ اس فکر و خیال کی اشاعت سے دونوں
کے درمیان بُعد و دُوری اور باہمی عدم اعتماد کا
ماحول پیدا ہوگیا اور دیکھتے ہی دیکھتے باہمی ٹکراؤ اور
تصادم کی فضا پھیلنے لگی اور جو قوت انگریزوں کو ختم
کرنے میں صرف ہو رہی تھی وہ ہندوستانیوں کی
باہمی لڑائی میں ضائع ہونے لگی اور ان حالات سے
مسلمانوں کے لیے ایک علاحدہ خطۂ زمین کے حصول
کا خیال ابھرا اور 1940ء میں پاکستان کی تجویز
منظور ہوی اور یہ تجویز انتہائی قلیل عرصہ میں
ایک تحریک کا روپ دھار گئی اور حساس مسلمانوں
نے اس تجویز و تحریک کو ناپسند کیا کہ ایک چھوٹے

خطۂ زمین میں پھیلے ہوئے مسلمانوں کو چین وسکون اور امن وعافیت فراہم کیا جائے اور دوسرے خطوں میں پھیلے ہوئے مسلمانوں کو غیر محفوظ اور غیر مامون زندگی گزارنے کے لیے چھوڑ دیا جائے۔

ابھی یہاں کے حالات میں اصلاح و درستگی ہونے نہیں پائی تھی کہ وہاں برطانیہ میں حالات نے دوسرا رخ اختیار کیا۔ لیبر پارٹی نے چرچل کی کنزرویٹیو پارٹی کو شکست دے دی اور برطانوی پارلیمنٹ پر اپنا قبضہ جمالیا۔

لارڈ ویول وائسرے ہند لیبر پارٹی کی گورنمنٹ سے صلاح ومشورہ کے لیے آگسٹ 1945ء میں لندن گئے۔ ملک معظم نے جدید پارلیمنٹ کا افتتاح کرتے ہوئے ہندوستان کو حکومت خود اختیاری دینے کا ذکر کیا۔ لارڈ ویول وائسرے ہند 16 ستمبر 1945ء کو وہاں سے واپس لوٹے اور آل انڈیا ریڈیو سے اعلان کیا کہ ہندوستان میں جلد از جلد مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کرائے جائیں گے۔

وزیر اعظم برطانیہ مسٹر اٹیلی نے بھی لندن میں صاف صاف کہہ دیا کہ:

"اب ہندوستان میں آزادی کا جذبہ عام ہو چکا ہے اور ہر شخص اور ہر جماعت آزادی کا مطالبہ کر رہی ہے اب وقت آگیا ہے کہ ہم سنجیدگی کے ساتھ ہندوستان کے مسئلہ پر غور وفکر کریں اور اس کا صحیح حل تلاش کریں۔

اس کے بعد انھوں نے ہندوستانی رہنماؤں سے ملاقات اور بات چیت کا سلسلہ شروع کیا۔ اس کے بعد 2 ستمبر 1946ء کو انٹریم گورنمنٹ (عبوری حکومت) قائم ہو گئی۔ 16 مئی 1946ء کو وزارتی مشن نے سفارشات شائع کیں۔ جس میں نظریۂ پاکستان کو ضرر رساں قرار دیا گیا۔

14 اکتوبر 1946ء کو عبوری حکومت میں مسلم لیگ شامل ہو گئی۔

ہندوستان میں ہندوستانیوں کی عارضی حکومت قائم ہو گئی۔ صدر کانگریس پنڈت جواہر لال نہرو ملک کے وزیر اعظم اور سردار پٹیل وزیر داخلہ اور نواب زادہ لیاقت علی خان وزیر مالیات بنائے گئے۔ 9 دسمبر 1946ء کو مجلس دستور ساز ہند کی رسم افتتاح کی گئی۔ اس افتتاحی اجلاس میں مسلمانوں میں مولانا ابوالکلام آزاد، خان عبدالغفار خان، مسٹر آصف علی، بیرسٹر دہلی اور رفیع احمد قدوائی شریک رہے۔ اور دسمبر 1946ء کو ڈاکٹر راجندر پرشاد کو متفقہ طور پر دستور ساز اسمبلی کا صدر منتخب کیا گیا۔ اور تمام صوبوں میں منتخب شدہ نمائندوں پر مشتمل حکومتیں قائم ہو گئیں۔ اور لارڈ مونٹ بیٹن وائسرے ھند بن کر دہلی آئے۔

لارڈ مونٹ بیٹن نے آل انڈیا ریڈیو سے یہ بیان نشر کیا:

" یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ اتنے بڑے رقیبوں کو جن میں اکثریت ایک فرقہ کی ہے ان کی مرضی کے خلاف ایسی حکومت کے تحت رہنے پر مجبور کیا جائے جس میں دوسرے فرقے کو اقلیت حاصل ہے۔ جبر کا تنہا بدل تقسیم ہے" اور صرف تقسیم ملک!"

پھر اس کے کچھ ہی دن بعد 3 رجون 1947ء کو لارڈ مونٹ بیٹن وائسرے ہند نے ہندوستان کی تقسیم کا اعلان کر دیا اور اس کو تسلیم کر لیا۔ اس کی تائید مسٹر محمد علی جناح، پنڈت جواہر لال نہرو اور سردار بلدیو سنگھ نے کی۔

14رجون 1947ء کو کانسٹی ٹیوشن ہاؤس دہلی میں کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ہوا۔ جس میں مسٹر ولبھ پنت وزیر اعلیٰ اتر پردیش نے تقسیم ہند کی تجویز پیش کی جس کو اتفاقِ رائے کے ساتھ منظور کر لیا گیا۔ صرف مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاری نے اس تجویز کی مخالفت میں یہ بیان دیا۔

" حالات کے جس دباؤ اور جنون کے باعث آج ہندوستان کی تقسیم کو منظور کر لینے کا مشورہ دیا جا رہا ہے۔ میں اپنے لیڈروں سے پورے احترام کے ساتھ کہوں گا کہ ہندوستان کی تقسیم کا نتیجہ اس سے کہیں زیادہ خطرناک ثابت ہوگا۔ اور آج کانگریس کے اسٹیج پر تقسیم ہند کی اسکیم منظور کر لی گئی تو اس کے معنی یہ ہوں گے ہم آج اپنی پوری تاریخ اور ہمیشہ کے لیے اپنے یقین واذعان پر خود اپنے ہاتھ سے خطِ تنسیخ کھینچ کر اٹھیں گے اور دو قومی نظریہ کے سامنے سرنڈر ہو جائیں گے۔

۱۵رجولائی 1947ء کو وزیرِ اعظم برطانیہ مسٹر اٹیلی نے اعلان کیا۔

" ہندوستان کے گورنر جنرل لارڈ مونٹ بیٹن ہوں گے اور پاکستان کے گورنر جنرل محمد علی جناح ہوں گے"

18رجولائی 1947ء کو لندن سے باشندگان ہند اور ساکنانِ پاکستان کو یہ خوش خبری ملی کہ آج برطانیہ کے حساب سے ٹھیک دس بج کر چالیس منٹ پر برطانوی دار الامراء کے رائل کمیشن نے ہندو پاک کی آزادی پر شاہی منظوری کا اعلان کیا۔ 15ر اگست کی 14... اور ...15 کی درمیانی شب کے بارہ بجے آل انڈیا ریڈیو سے ہندوستان کی آزادی کا اعلان ہو گیا۔

ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد تقریباً ڈیڑھ سو سال جاری رہی اور اس طویل عرصہ میں مسلمانوں نے بے پناہ جانی اور مالی قربانیاں پیش کیں اور یہ حقیقت ہے کہ ان کے نظریۂ جہاد، جذبۂ سرفروشی اور شوقِ شہادت اور اس کی سرگرم دعوت و تبلیغ کے باعث تحریکِ آزادی پھلی اور پھولی اور کامیابی و کامرانی کی منزل سے قریب ہوئی مسلمانوں کے علاوہ دیگر ہندوستانیوں کے پاس جہاد جیسا

عظمت و تقدس اور جذباتیت سے بھرپور نظریہ موجود نہیں تھا۔ سب سے پہلے ان ہی کے اثر سے عام ہندوستانیوں کے اندر حریت و آزادی حاصل کرنے کے جذبات جاگ اٹھے اور وہ بھی مسلمانوں کے دوش بدوش وطن کی آزادی کی خاطر پورے جوش و جذبہ کے ساتھ جان و مال کا نذرانہ پیش کرنے لگے۔ بے شک تحریک آزادی کے پروان چڑھانے میں مسلمانوں نے بنیادی رول ادا کیا اور بیسویں صدی کے دو دہوں تک قائدانہ کردار پیش کیا۔ جس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

حصول آزادی کی سرگرمیوں اور کوششوں کے زمانہ میں مسلمانوں سے صدور پذیر اعمال کا تجزیہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ ان کے دو اقدامات ملت اسلامیۂ ہند کی نئی نسل کے لیے چنداں مفید ثابت نہ ہو سکے۔

ایک یہ کہ انھوں نے انگریزوں کی مخالفت و عداوت میں اس قدر جذباتیت اور انتہا پسندی کا مظاہرہ کیا کہ انگریزوں کی زبان اور ان کے علوم و فنون اور ان کی صنعتوں اور حرفتوں اور ان کی مصنوعات سے بھی نفرت و بےزارگی اور بُعد و دوری کا اظہار کیا۔ جس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ آج مسلمان جدید تعلیم اور صنعت و حرفت میں پیچھے رہ گئے اور ان کی یہ پس ماندگی معاشیات و اقتصادیات کے میدان میں بھی انھیں پیچھے ڈھکیل دی

اس نازک مرحلہ پر اسوۂ نبی ﷺ پیش نظر رکھا جاتا اور دشمن کی مفید اور کارآمد چیزوں سے استفادہ کیا جاتا تو ایک خوش آئند اور تعمیری اقدام ہوتا۔ جیسا کہ جنگ بدر کے موقعہ پر آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینۂ منورہ پر جارحانہ حملہ کرنے والے کافروں کو فدیہ لے کر آزاد کرنے کا فیصلہ کیا تو صاحب علم و فن قیدیوں کو اس شرط پر رہائی دی کہ وہ مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھائیں گے۔ اس موقعہ پر نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے دشمنوں کی عداوت اور ان کے کفر کو درمیان میں لا کر مسلمانوں پر اکتساب علم و فن کا دروازہ بند نہیں فرمایا۔

دوسرا اقدام یہ کہ جب انگریزوں نے اپنی سلطنت کی بقاء کے لیے مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان تصادم و ٹکراؤ اور شکوک و شبہات اور باہمی عدم اعتماد کا ماحول پیدا کر دیا اور ہندوستانیوں کی قوت و طاقت کمزور کرنے کے لیے ملک کی تقسیم کا منصوبہ بنایا اور اس کی تائید میں اکثریتی فرقہ بھی پیش پیش رہا اور ملک میں خونیں فسادات کا سلسلہ شروع ہوا تو ان کے انسداد اور روک تھام کے لیے جو حل سامنے آیا ملک کی تقسیم تھا اور مسلمانوں نے اسے قبول کر لیا اور چھوٹا سا خطہ حاصل کر کے وہاں آباد مسلمانوں اور دوسرے صوبوں سے ہجرت کر کے اس میں داخل ہونے والے قلیل ترین مسلمانوں کو چین و سکون اور امن و امان کی زندگی تو دے دی لیکن ہندوستان

ہی میں رہ جانے والے کروڑوں مسلمانوں کی زندگی اور ان کا ملّی تشخص اور ان کے مذہبی آثار کو غیر مامون اور غیر محفوظ بنا دیا۔ اس باب میں جنوبی ہند کے مسلمانوں کا کردار شمالی ہندوستان کے مسلمانوں کے کردار سے کسی قدر مختلف اور جداگانہ رہا۔ یہاں بھی ویلور اور کالی کٹ وغیرہ کے علاقوں میں آزادی کی جدوجہد پوری سرگرمی کے ساتھ جاری وساری رہی لیکن جدید تعلیم اور صنعت وحرفت کو شجر ممنوعہ نہیں قرار دیا گیا یہی وجہ ہے کہ یہاں کے مسلمان تعلیم اور اقتصادیات کے مسئلہ میں ضعف وانحطاط اور پس ماندگی کا شکار نہیں ہوئے اور تقسیم ملک کی سیاست میں نہ الجھنے کے باعث اسکے نتائج واثرات سے بھی محفوظ اور مامون رہ گئے۔

جنوبی ہند کے اندر تحریک آزادی کے سلسلہ میں انگریزوں نے جن مسلمانوں کو گرفتار اور قید کیا ان میں حضرت مکان، ویلور کی مایہ ناز شخصیت مجدّدِ جنوب حضرت قطبِ ویلور بھی شامل تھے۔ جن کو چیتور کی جیل میں دو ماہ قید رکھا گیا اور عدالت میں مقدمہ چلایا گیا۔ کہ مسلمانوں کو انگریزوں کے خلاف جہاد کی ترغیب وتحریص دلانے میں آپ کا بھی حصہ ہے لیکن کوئی ٹھوس ثبوت اور شہادت نہ ملنے کے باعث آپ کو رہا کر دیا گیا۔

جنوب میں حضرت قطب ویلور کا جو طریقۂ کار رہا وہ آپ کے معاصر حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے طریقۂ کار سے علاحدہ اور جداگانہ تھا۔ آپ نے جنوب میں مسلّح جہاد کی بجائے قلمی جہاد کا آغاز کیا۔ اور ہندوستان کے غیر مسلم باشندوں کو اسلام کی جانب مائل کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ چناں چہ ایجاد نگر، صبح کونگرد، کالیسترونیکٹ، ترونذرم، کوچین کے راجاؤں کو دعوتِ اسلام دی۔

ایک مکتوب میں رقم طراز ہیں:

"دو قطعہ دعوت نامہ یکے براجایان دوئم بسائر مشرکان ملفوف اند کتابت کنانیدہ بکمال نرمی وآشتی وعزت واحترام در بلاد آصفیہ بواسطہ مردانِ لائق دعوت نامہا روانہ فرمایند کار ایں است غیر ایں ہمہ ہیچ۔"

دعوتِ اسلام کے رقعے دو قسم کے بھیج رہا ہوں۔ ایک راجاؤں کے نام، دوسرا تمام مشرکوں کے نام کتابت کروا کے انتہائی نرمی اور آشتی اور عزت واحترام کے ساتھ بلاد آصفیہ میں کسی لائق اور قابل شخص کے ذریعہ روانہ کرو۔ دعوت ہی اصل کام ہے۔ اس کے علاوہ باقی سب فضول ہے۔

ایک دوسرے مکتوب میں مولانا میر ابراھیم رضوی کو حکم دیتے ہیں کہ ہندوستان کے مختلف صوبوں کے غیر مسلم باشندوں کو ان کی مادری زبان میں اسلام کا پیغام پہنچانے کا انتظام کرو اور دین کی دعوت کو عام کرو۔ دو قطعہ دعوت نامہ

در زبانِ انگریزی، تلنگی، اردو، مرہٹی، راجپوتی وغیرہ دراخبار نامجات مشتہر سازد۔

حضرت قطب ویلور نے ہندوستان کے راجاؤں اور عوام کو اسلام کی دعوت دینے کے علاوہ ملکۂ انگلستان اور اس کے وزراء اور عیسائیوں کو بھی اسلام کی دعوت پیش کی۔ چناں چہ مولانا حکیم سید عبدالحیؒ، سابق ناظم، ندوۃ العلماء لکھنؤ، اپنی عربی تصنیف "نزہۃ الخواطر" میں لکھتے ہیں:

وھو تلقی اللغۃ الانکلزیۃ فی کبر سنہ وبعث رسالۃ فی تلک اللغۃ الی ملکۃ انکلزا یدعوھا الی الاسلام۔

حضرت قطب ویلور نے انگریزی زبان سیکھی اور اسی میں کوئین وکٹوریہ کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔

حضرت قطب ویلور کا کوئین وکٹوریہ کو دعوتِ اسلام پیش کرنے میں جہاں ایک طرف اپنی داعیانہ ذمہ داری کی تکمیل اور اخروی زندگی کی سلامتی اور نجات کا خیال مضمر تھا تو دوسری طرف ہندوستان میں امن وسلامتی کی راہ ہموار کرنا مقصود تھا۔ اور اگر دعوت کی یہ سعی وکوشش کامیابی سے ہم کنار ہوجاتی تو ہند کے صنم خانوں سے کعبہ کو پاسبان مل جاتے۔

غرض آزادی کی تحریک اور آزادی کے حصول سے شمال وجنوب کے مسلمانوں نے کیا کھویا اور کیا پایا، آج یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح سامنے آچکی ہے۔

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

•

ماخذات

(۱) تحریکِ آزادی میں شمالی آرکاٹ کا حصہ (ٹمل)

(2) VELLORE MUTINY سنہ 1806ء (انگریزی)

(3) تحریکِ آزادی اور مسلمان (اردو)

روئدادِ دارالعلوم لطیفیہ

ادارہ

علم نورِ الٰہی ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کے نیک اور صالح بندوں کو عطا کیا جاتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت وکیع رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے شاگرد عزیز نے حافظ کی کمزوری کی شکایت کی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ لغزشوں اور گناہوں سے پرہیز کرو کیوں کہ علم نورِ الٰہی ہے جو عاصیوں اور گنہ گاروں کو نہیں دیا جاتا۔

دنیا میں سب سے بڑی نعمت علم کی لازوال دولت ہے۔ علم سے محرومی بڑی بدنصیبی ہے۔ صاحبِ علم پر ہمیشہ اللہ رب العزت کی رحمتیں اور برکتیں ہوتی رہتی ہیں۔ جن کی بدولت وہ دین و دنیا میں کامیاب و کامران ہوتا ہے۔

اسی نورِ الٰہی کو مسلمان بچّوں کے دلوں میں جاگزیں کرنے کی خاطر دارالعلوم لطیفیہ صدیوں سے کوشاں ہے۔

اللہ تعالیٰ بھی اس کا ثمرہ طلباء دارالعلوم کو عطا فرما رہا ہے۔

آغازِ سالِ نو

بحمد اللہ! دارالعلوم لطیفیہ کا تعلیمی سالِ نو کا آغاز مورخہ ۱۲؍شوال المکرم ۱۴۱۷ھ مطابق 20؍فروری 1996ء بروز شنبہ ہوا ہر سال کی طرح اس سال بھی ہندوستان کے مختلف علاقوں سے تشنگانِ علوم آئے اور سیراب ہوئے۔

دورۂ حدیث

مورخہ ۲۴؍شوال المکرم ۱۴۱۷ھ مطابق ۳؍ماہ فروری 1996ء روز دوشنبہ صحیح بخاری شریف اور صحیح مسلم شریف کا دورۂ حدیث کا آغاز دارالعلوم کے عریض ہال میں تقدس مآب مولانا ابو محمد سید شاہ عثمان قادری صاحب ایم، اے، ناظم دارالعلوم لطیفیہ، حضرت مکان ویلور کی دعاؤں سے ہوا۔

نیز مورخہ ۳۰؍رجب المرجب ۱۴۱۸ھ مطابق ۲۷؍ماہ نومبر 1997ء بروز پنجشنبہ ناظم موصوف کی دعاؤں سے پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

ادبی افتتاحی اجلاس

حسب سابق اس سال مورخہ ۵ رذی قعدہ سنہ ۱۴۱۷ھ مطابق ۱۵ رمارچ سنہ ۱۹۹۷ء روز شنبہ، دارالعلوم لطیفیہ کے وسیع وعریض ہال میں تحریر وتقریر کو فروغ دینے کی غرض سے ایک خصوصی ادبی افتتاحی اجلاس منعقد ہوا۔ جس کی صدارت حضرت مولانا سید شاہ ابو محمد عثمان پاشاہ قادری ایم اے، ناظم دارالعلوم لطیفیہ ویلور نے فرمائی۔ جلسہ کا آغاز تلاوت قرآن مجید اور نعت نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے ہوا۔ جس میں مہمان خصوصی ڈاکٹر سید جلال الدین عرفان صاحب پروفیسر اردو اسلامیہ کالج وانم باڑی نے اپنے مخصوص لب ولہجہ میں نہایت ہی سنجیدگی اور متانت کے ساتھ طلبا سے خطاب فرمایا۔ موصوف نے اردو زبان کی ترقی اور دنیا میں آج اس کا مقام پر سیر حاصل بحث فرمائی اور طلبا کو تحریر وتقریر کے لیے خوب محنت کرنے کی جانب ترغیب وتحریص دلائی۔

جلسہ کے آخر میں متعلم دارالعلوم سید عبدالقادر پاشاہ نے مہمان خصوصی وحاضرین جلسہ کا شکریہ ادا کیا۔ صدر جلسہ ناظم موصوف کی دعا پر جلسہ اختتام پذیر ہوا۔

اسبابِ صحت

طلبا کی صحت وتندرستی کے خاطر دارالعلوم کے میدان میں بعد نماز عصر مختلف گیمس کا انتظام ہوتا ہے۔ مغرب تک طلباء گیمس سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

نویدِ مسرت

الحمدللہ دارالعلوم ہذا سے جو طلباء یونی ورسٹی کے امتحانات میں شریک ہوئے تھے انھیں نمایاں کامیابی نصیب ہوی۔

امتحاناتِ دارالعلوم

مورخہ ۲۹ ر ربیع الثانی سنہ ۱۴۱۸ھ مطابق ۴ رماہ آگست سنہ ۱۹۹۷ء بروز دوشنبہ ششماہی امتحانات اساتذۂ کرام کی نگرانی میں ہوی۔ مسلسل ایک ہفتہ یہ سلسلہ جاری رہا۔

نیز ۲۲ ررجب المرجب سنہ ۱۴۱۸ھ مطابق ۲۴ رنومبر سنہ ۱۹۹۷ء روز دوشنبہ دارالعلوم کے سالانہ امتحانات ہوے اور مسلسل ایک ہفتہ تک جاری رہے۔

عباپوشی واعطاے اسناد

مورخہ ۱۰ ر شعبان المعظم سنہ ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۱ رماہ دسمبر سنہ ۱۹۹۷ء روز پنجشنبہ دارالعلوم کے وسیع وعریض ہال میں صبح کے دس بجے سالانہ جلسہ بزیر صدارت مولانا ابو محمد سید شاہ عثمان پاشاہ قادری ایم اے ناظم دارالعلوم لطیفیہ، مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ العزیز اعلیٰ پیمانے پر مقرر ہوا جس میں مقامی وبیرونی علمائے کرام ومقتدر حضرات

مدعو تھے۔ ناظم موصوف نے اپنے دستِ فیض سے فارغین کو عباء و اسناد عطا فرمایا۔

تقسیمِ انعامات

اسی دن شام میں درسیات و مقابلہ تحریر و تقریر اور گیمس و اسپورٹس میں اول و دوم آنے والے طلبا اور عہدیداروں کو جو سال بھر تندہی کے ساتھ خدمات پیش کئے تھے انھیں قیمتی انعامات سے نوازا گیا۔

ھدیۂ تشکر

ادارہ ان تمام حکیموں اور ڈاکٹروں کا مشکور ہے جو ہمارے طلباء کی صحت کا ہمیشہ سے خیال رکھا کرتے ہیں۔ نیز مدیرانِ اخبار کا بھی مشکور ہے جو وقتاً فوقتاً دارالعلوم کی کاردوائیوں کو اپنے اخبارات میں شائع کرتے رہتے ہیں۔ بالخصوص ادارہ جناب محمد شریف برکاتی آمبور اور جناب علیم صبا نویدی، مدراس کا مشکور ہے، جو ہمیشہ اس رسالے کی کتابت اور طباعت کا کام انجام دیتے ہیں۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ اپنے حبیب پاک صلے اللہ علیہ وسلم کے صدقہ دارالعلوم سے عقیدت و محبت رکھنے والوں کو دین اور دنیا میں سرخ روئی و کامیابی عطا فرمائے۔

آمین ثم آمین ••

نویدِ مسرت

یہ خبر انتہائی مسرت اور افتخار کا باعث ہے کہ مولانا مولوی شاہ محمد انوار اللہ سر قاضی لطیفی قادری ایم، اے، استاذ دارالعلوم لطیفیہ ویلور، امسال مدراس یونیورسٹی کے سنڈیکٹ ممبر منتخب کئے گئے ہیں۔ جناب موصوف کی خدمت میں دارالعلوم لطیفیہ کے سرپرست حضرات، اساتذۂ کرام اور طلباء عزیز کی جانب سے ھدیۂ تبریک پیش خدمت ہے۔ ••

جواہر القرآن

مولوی حافظ ابوالنعمان بشیر الحق قریشی قادری ایم اے، استاذ دار العلوم لطیفیہ

یاایها الذین اٰمنوا لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم ولاتقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیماہ

(نساء)

اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں سے مت کھاؤ لیکن تجارت کے ذریعہ کھاتے ہیں کوئی مضائقہ نہیں جو باہمی رضامندی کے ذریعہ واقع ہو اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔ بے شک اللہ تعالےٰ تمہارے اوپر رحیم اور مہربان ہے۔

اسلام نے مسلمانوں کو ایک صالح اور پاک و صاف اقتصادی اور معاشی نظام کے تحت روزگار اور معاش حاصل کرنے کی ترغیب و تحریص دلائی ہے۔ اور ان تمام طریقوں اور ذرائع سے مال و دولت اور سازو سامان حاصل کرنے سے منع کیا ہے جو غیر اخلاقی ہیں اور سماج و معاشرہ کے لیے نقصان دہ ہیں اور آخرت میں عذاب و عقاب کا باعث ہیں۔ اس سلسلہ میں مذکورہ آیتِ کریمہ بڑی جامع ہے جس میں ناجائز طریقوں سے مال حاصل کرنے کی ممانعت ہے اور تجارت اور باہمی رضا و خوشی سے مال کھانے کی اجازت ہے۔

آیت میں باطل سے مراد سود، جوّا قمار، چوری، خیانت، جھوٹی گواہی، جھوٹی قسم، دھوکہ، فریب، تلبیس، ناجائز خرید و فروخت، ناجائز ملازمت و مزدوری و کرایہ وغیرہ اور دیگر وہ تمام ذرائع اور طریقے ہیں جو اخلاقاً ناجائز اور مفادِ عامّہ کے لیے نقصان دہ ہیں۔

قرآن کریم اور احادیثِ نبویؐ میں حلال اور جائز طریقے سے روزی حاصل کرنے کی ہدایت اور باطل و ناجائز طریقے سے روزی حاصل نہ کرنے کی تنبیہہ مختلف اسالیب میں دی گئی ہے

اللہ نے اپنے برگزیدہ اور معصوم بندوں ہی کو حکم دیا ہے کہ وہ پاک وصاف اور طیب و طاہر چیزیں کھائیں: یاایھا الرسل کلوا من طیبٰت

اس حکم سے یہ نتیجہ مستفاد ہوتا ہے کہ ان انبیاء اور رسولوں کی امتوں اور قوموں کو بدرجۂ اولیٰ پابندی کرنی چاہیے۔

اس موضوع پر نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات ملاحظہ ہوں:

- طلب الحلال فریضۃ بعد فریضۃ

فرائض کی ادائیگی کے بعد اولین اور اہم ترین فرض حلال روزی کی طلب اور تحصیل ہے۔

- طلب الحلال فریضۃ علی کل مسلم لا یدخل الجنّۃ جسد غذی بالحرام۔

حلال روزی کی طلب اور حصول ہر مسلمان پر فرض ہے۔ جس بدن کی پرورش حرام مال سے ہوی ہو وہ جنّت میں داخل نہیں ہوگا۔

- امام طبرانی کی روایت ہے:

اس شخص کے لیے خوش خبری اور بشارت ہے جس کی روزی طیب وطاہر اور عمدہ ہو اور اس کا باطن پاک وصاف ہو۔ اور اس کا ظاہر عمدہ وخوب اور باعزّت ہو اور لوگ اس کے شر سے محفوظ ہوں۔ اس شخص کے لیے خوش خبری ہے جس نے علم کے ساتھ عمل کیا ہو اور اللہ کی راہ میں مال ودولت خرچ کیا ہو اور لایعنی اور غیر ضروری باتوں سے اجتناب کیا ہو۔

- امام ترمذی کی روایت ہے: قیامت کے روز کوئی شخص اپنی جگہ سے اس وقت تک نہیں ہٹے گا جب تک کہ اس سے ان چار چیزوں کے بارے میں سوال نہ کیا جائے گا:

عن عمرہ فیما افناہ وعن شبابہ فیما ابلاہ وعن مالہ من این اکتسبہ وفیما انفقہ وعن علمہ ماذا عمل بہ

پہلی چیز اس نے عمر کیسے گزاری، دوسری چیز جوانی کو کن کاموں میں صرف کیا، تیسری چیز مال کہاں سے اور کیسے حاصل کیا؟ اور کہاں کہاں خرچ کیا؟ چوتھی چیز اپنے علم پر کہاں تک عمل کیا؟

- امام بیہقی کی روایت ہے:

جس شخص نے چوری کا مال خریدا اور دراں حالیکہ وہ جانتا تھا کہ یہ مال چوری کا ہے تو اس کے لیے دو چیزیں ہیں: ایک ذلّت و رسوائی اور دوسری چیز گناہ میں شرکت۔

- عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ تاکید اور نصیحت فرمائی جب تک تمہارے اندر یہ باتیں موجود ہوں اور پھر دنیا میں تمہیں کچھ نہ ملے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ یہی چیزیں تمہاری فلاح و بہبودی کے لیے کافی ہیں۔

ایک امانت کی حفاظت، دوسری چیز سچ بات کہنا۔ تیسری چیز اخلاقِ حسنہ اور چوتھی

چیز کھانے پینے میں حلال کی فکر اور اہتمام۔

• عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ: نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کا قلب اور زبان مومن نہ ہو جائیں۔ اور جب تک کہ اس کے پڑوسی اس کی ایذا و تکلیف سے محفوظ نہ ہو جائیں اور جب کوئی شخص باطل طریقہ سے مال کھاتا ہے پھر اس کو صدقہ کرتا ہے تو وہ مقبول نہیں ہوتا اور اس حرام مال سے خرچ کرتا ہے تو اس کے اندر خیر و برکت نہیں ہوتی اور اگر وہ یہ مال اپنے وارثوں کے لیے چھوڑ جاتا ہے تو اس کو دوزخ کی طرف لے جانا والا سامان ہوتا ہے۔ بے شک اللہ تعالے بُری چیز سے بُرے عمل کو نہیں دھوتے ہیں بلکہ اچھی چیز سے بُرے عمل کو دھوتے ہیں۔

• ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ پاک اور طیب ہے۔ لہٰذا وہ پاک اور طیب چیزوں کو قبول فرماتا ہے۔ اس نے اہلِ ایمان کو وہی حکم دیا ہے جو اپنے پیغمبروں کو دیا ہے۔ چنانچہ فرمانِ الٰہی ہے:

یاایہا الرسل کلوا من الطیبٰت وعملوا صالحا: اے رسولو! طیب و پاک چیزیں کھاؤ اور اچھے عمل کرو۔ اور دوسری آیت میں ارشادِ ربّانی ہے:

یاایہا الذین اٰمنوا کلوا من طیبٰت ما رزقنٰکم: اے مومنو! طیب و طاہر چیزیں کھاؤ۔

اس کے بعد نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کا تذکرہ کیا جو طویل سفر کے بعد بکھرے بال اور غبار آلود چہرہ کے ساتھ آتا ہے اور آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے پکارتا ہے: اے اللہ! اے اللہ! اس کی یہ پکار اور فریاد کیسے قبول ہوسکتی ہے جب کہ اس کا کھانا حرام، پینا حرام، لباس حرام بلکہ سب کچھ حرام ہوتا ہے۔

میمون بن مہران رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کوئی شخص اس کے بغیر متقی اور پرہیز گار نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ ہر روز اپنے نفس سے ایسا حساب نہ لے جیسا کہ کاروبار میں اپنے شریکِ تجارت سے لیتا ہے۔ وہ یہ کہ تیرا کھانا کہاں سے ہے اور یہ پینا کہاں سے ہے اور یہ لباس کہاں سے آیا؟ یہ ساری چیزیں حلال طریقہ سے ملی ہیں یا حرام طریقہ سے!

• سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپؐ میرے لیے دعا فرمائیے کہ میں مستجاب الدعوات ہو جاؤں۔ آپؐ نے فرمایا: اے سعد! تم حلال روزی کھاؤ، جو بھی دعا کرو گے قبول ہوگی۔ قسم ہے اس ذاتِ پاک کی جس کے

قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے! جب کوئی بندہ اپنے پیٹ میں حرام لقمہ ڈالتا ہے تو چالیس روز تک اس کا کوئی عمل قبول نہیں ہوتا۔

• امام ترمذی کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان چیزوں کے بارے میں پوچھا گیا جن کی وجہ سے لوگ جہنم میں داخل کئے جائیں گے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

منہ اور شرم گاہ۔

اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان چیزوں کے بارے میں پوچھا گیا، جن کی وجہ سے لوگ جنّت میں داخل کئے جائیں گے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ کا خوف اور خشیّت اور حسنِ اخلاق۔

• امام ترمذی نے روایت کی ہے:

جس نے حلال اور پاک چیز کھائی اور سنّت کے مطابق عمل کیا اور لوگ اس کے شر سے محفوظ رہے تو وہ جنّت میں داخل ہوگا۔

صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا:

یارسولؐ اللہ! یہ باتیں تو آپؐ کی امّت میں بکثرت اور عام طور پر پائی جارہی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: میرے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد کچھ وقت ایسا ہی آئے گا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے وقت اور ایسے ماحول کے پیدا ہونے کی فکر اور احساس اس قدر شدید تھا کہ آپؐ نے اپنی زندگی کے آخری خطبہ میں بھی لوگوں کو اس بات کی طرف توجّہ مبذول کرائی۔ تم آپس میں ایک دوسرے کے اموال باطل طریقہ سے نہ کھاؤ۔ چناں چہ یہ شاہ کار خطبۂ وداع جو اسلام کا مغز اور دین کا لب لباب ہے۔ اس کا آغاز ہی ان کلمات سے ہورہا ہے:

ان دماءکم واموالکم واعراضکم حرام علیکم کحرمة یومکم هذا فی بلدکم هذا فی شهرکم هذا: تمہارے خون، تمہارے اموال اور تمہاری عزّتیں ایک دوسرے پر ایسے ہی حرام ہیں جیسا کہ تم آج کے دن کی، اس شہر کی اور اس مہینے کی حرمت کرتے ہو۔

شریعتِ مطہرہ میں باطل طریقوں سے اموال کھانے کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اس سے آدمی کا قلب مردہ ہوجاتا ہے۔ اور ایمان کی روشنی مدھم پڑجاتی ہے۔ اور وہ اعمالِ صالح انجام دینے کی طرف مائل اور راغب نہیں ہوتا۔ اور باطل طریقوں سے حاصل شدہ مال بھی باطل راستوں ہی میں خرچ ہوجاتا ہے۔ اور اس کے اندر کوئی خیر اور برکت نہیں ہوتی۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

مال کے مصرف کو دیکھ کر کہ وہ کہاں صرف ہورہا ہے، اسی سے پتہ لگالو کہ وہ کہاں سے آیا ہے۔ جب برے راستے پر جارہا ہے تو میں

سمجھ لیتا ہوں کہ روپیہ کمانے میں ضرور کوئی ناجائز صورت پیدا ہوئی ہے جس کی وجہ سے حرام مصرف میں جارہا ہے۔ اگر یہ پیسہ خالص حلال کمائی سے حاصل ہوا ہو تو برے مصرف میں خرچ نہیں ہوتا۔

اہل اللہ اور صالحین اپنی کمائی کو باطل کی آمیزش اور اشتباہ سے بھی پاک وصاف رکھنے کی سعئ بلیغ فرماتے تھے۔ اور جب کبھی ایسی صورت سامنے آجاتی تو اس مال کو ہاتھ نہیں لگاتے تھے۔ چناں چہ اس سلسلہ میں امام اعظم ابوحنیفۃ النعمان علیہ الرحمہ کا کردار لائق تمثیل اور قابل ذکر ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کپڑے کی مل کے مالک تھے۔ آپ کے کارخانے میں خز نامی ایک خاص قسم کا کپڑا تیار ہوتا تھا۔ اور یہ دور دراز ملکوں میں بھیجا جاتا تھا۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ تیار شدہ مال میں کچھ نقص اور عیب پیدا ہوگیا تو آپ نے اپنے نوکر کو حکم دیا کہ خریداروں کو کپڑے کا نقص دکھا کر کم قیمت میں فروخت کردیں۔ آپ کا خادم یہ تاکید بھول گیا اور مال فروخت کرکے رقم لیے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اس سے دریافت کیا۔ خادم نے عرض کیا۔ مال فروخت کرتے وقت یہ بات کہنا بھول گیا اور قیمت بھی کم نہیں کیا ہوں۔ اس پہ آپ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا اور وہ ساری رقم غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم کردی۔

امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے تذکرہ نویس حضرات نے یہ واقعہ بھی تحریر کیا ہے:

ایک مرتبہ آپ نے اپنی مل کا کپڑا ایک شخص کو فروخت کرنے کے لیے روانہ کیا اس نے یہ مال دوماہ تک روک رکھا۔ جب لوگوں کی ضرورت بڑھ گئی اور قیمت میں اضافہ ہوگیا تو اس نے یہ مال باہر نکالا اور بازار میں فروخت کیا اور یہ رقم لیے ہوئے بڑی خوشی کے ساتھ امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا، اور رقم پیش کیا۔ آپ نے فرمایا: ان کپڑوں کی رقم تو ایک لاکھ ہونی چاہیے، یہ دو لاکھ کس طرح ہوگئے۔ اس نے عرض کیا: میں نے دو ماہ تک ان کپڑوں کو فروخت نہیں کیا۔ یہاں تک کہ بازار میں مال کم ہوگیا اور قیمت بڑھنے لگی۔ اس موقعہ پر میں نے یہ مال فروخت کیا۔ جس کی وجہ سے ایک لاکھ کے دو لاکھ ہوگئے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا: معاذاللہ! لوگوں کی ضرورت اور مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھایا جائے۔ اسی کو احتکار کہتے ہیں۔ اس آدمی سے رقم حاصل کرلی۔ اس کے بعد آپ نے یہ ساری رقم فقراء ومساکین پر صدقہ کردی۔

حضرت یونس ابن عبید ایک مشہور تابعی بزرگ تھے۔ آپ ایک اچھے تاجر بھی تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے ایک آدمی سے تیس ہزار درہم

کا ریشم خریدا۔ اچانک بازار میں ریشم کی قیمت اس قدر بڑھ گئی کہ پانچ کے پچاس بن رہے تھے۔ بازار کا یہ ماحول دیکھ کر آپ سیدھے اس شخص کے پاس تشریف لے گئے، جس سے ریشم خریدا تھا۔ پوچھا: کیا تمہیں ریشم کی قیمت میں غیر معمولی اضافہ ہونے کی اطلاع تھی۔ اس نے جواب دیا: اگر یہ اطلاع ہوتی تو میں آپ کو اس قیمت میں کیوں فروخت کرتا۔ یہ سُن کر آپ نے کہا: تم سچ کہتے ہو؟ اپنا ریشم لے جاؤ۔ میں تمہاری لاعلمی اور بے خبری سے نفع کمانا نہیں چاہتا۔ یہ بھی باطل طریقہ سے مال کھانا ہوا۔ لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل۔

اہل اللہ کی زندگیاں عجیب وغریب طریقے سے اپنے اندر دوسروں کے لیے سامانِ ہدایت لیے رہتی ہیں۔ جب ان کی سیرت و سوانح پر نظر ڈالی جاے تو حیرت ہوتی ہے۔ آج جن باتوں کو معمولی تصوّر کیا جا رہا ہے وہ ان اکابرین کی نظروں میں کس قدر اہم تھیں۔

سید ابوصالح موسیٰ جنگی دوست کے تذکرہ میں یہ بات مرقوم ہے کہ آپ کے زمانۂ شباب میں ایک مرتبہ بھوک کی شدّت کے باعث حالتِ اضطراب میں دریا سے بہتے ہوے سیب کو نکال کر انہوں نے کھالیا تو آپ کے ضمیر نے ملامت کی کہ باطل طریقہ سے لوگوں کے مال کو استعمال کیا گیا۔ اور یہ احساس اس قدر شدّت اختیار کر گیا آپ نے کھاے ہوے سیب کو معاف کرانے کے خیال سے مالکِ سیب کی تلاش وجستجو میں نکل پڑے۔ بالآخر اس باغ کا پتہ لگالیا اور اس کے مالک سے عرضِ حال بیان کرتے ہوے معافی کے طلب گار ہوے باغ کے مالک حضرت عبداللہ صومعی ایک صاحبِ دل اور روشن ضمیر بزرگ تھے۔ انہوں نے محسوس کرلیا کہ اس نوجوان کے قلب میں خوف اور خشیّتِ الٰہی اور احتسابِ آخرت کا خوف اس درجہ جاگزیں ہے تو یقیناً یہ ایک جوھرِ قابل ہے اس کو اپنے ہی پاس رکھ لینا چاہیے۔ اس خیال کے تحت انہوں نے معافی کے لیے سخت شرط رکھی کہ آپ کو ایک مدّت تک باغ کی باغبانی اور رکھوالی کرنی ہوگی۔

حضرت ابوصالح نے یہ بات قبول کرلی جب یہ مدّتِ مقررہ مکمل ہوی تو حضرت عبداللہ صومعی نے کہا: آپ کو رہائی اسی وقت مل سکتی ہے جب کہ آپ میری دختر سے نکاح کرلیں۔ چنانچہ آپ نے یہ مشروط پیش کش کو بھی بسروچشم قبول کرلیا

اس مقام پر اس جوان صالح حضرت سید ابوصالح کی صلب سے پیدا ہونے والی عظیم ترین ہستی اور برگزیدہ شخصیت حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کی ایک تقریر کا مختصر اقتباس بے محل نہ ہوگا۔ جس میں آپ نے باطل

طریقے سے غذا کھانے کے نقصانات اور اثرات پر روشنی ڈالی ہے جو بالواسطہ : لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل کی تشریحات ہے۔

"سُن لو اور ذہن نشین کر لو جس نے حرام اور ناجائز غذا میں سے قدرے قلیل بھی کھالیا تھوڑا سا بھی اس کے پیٹ میں چلا گیا تو یہ اس کے قلب کو سیاہ کر دے گا اور جلد نور ایمان کی روشنی اس کے قلب سے گُل ہو کر رہ جائے گی۔ حرام غذا نورِ ایمان کو ڈھانپ لیتی ہے۔ نفس و نفسانی خواہشات کو قوی کرتی ہے اور عبادات و طاعات میں لذت نہیں ملتی، سستی و غفلت بڑھتی ہے اور نیکیوں کی طرف میلان برابر کم ہوتا چلا جاتا ہے۔ جس طرح شراب عقل کا چراغ گل کر دیتی ہے ٹھیک اسی طرح حرام غذا ایمان کی روشنی کو بجھا کر رکھ دیتی ہے۔ جب دل ہی دل میں ظلمت اور تاریکی پیدا ہو گئی تو ایمان کی روشنی ہی قائم نہ رہی تو پھر نہ عبادت ہے، نہ طاعت، نہ نماز، نہ روزہ، نہ اخلاص اور نہ ایثار۔ اسی لیے حلال جانوروں میں ایک نور ہوتا ہے اور حرام جانوروں میں ایک ظلمت ہے۔ حرام کے اندر کوئی بھی بھلائی اور نیکی نہیں ۔

ہمیشہ حلال کمائی، حلال روپیہ اور حلال غذا میں ساعی رہنا چاہیے۔ ناجائز ذرائع سے پیدا کیا ہوا ایک پیسہ بھی زہر ہلاہل سے کم نہیں۔ جھوٹ سے، فریب سے ایک پائی بھی حاصل کرنے کی سعی نہ کرو۔ خیانت، رشوت اور دھوکہ و فریب سے حاصل کیے ہوئے روپے کی غذا حرام اور قطعی حرام ہے۔ اکلِ حلال کے حصول میں انتہائی سعی سے کام لو اور اکلِ حرام سے ڈرتے کانپتے اور خوف کھاتے رہو۔

ایک اور بات کہتا ہوں، ایک اور نکتہ بتاتا ہوں کہ اکلِ حلال میں سے بھی تھوڑا کھاؤ۔ اگر اکلِ حرام غفلت پیدا کرتا ہے تو اکلِ حلال کا بھی زیادہ کھانا نیند لاتا ہے اور اس میں کوئی خیر اور بھلائی نہیں۔ کھانے میں نیت کا خیال رہے اگر محض لذتِ نفس اور خواہشِ نفس کے لیے کھاؤ گے تو اس سے غفلت پیدا ہوگی، نیند بہت آئے گی، بیدار نہ ہو سکو گے۔ اگر اس لیے کھاؤ گے کہ اس سے جسم میں طاقت پیدا ہو تو عبادت میں بھی ذوق ملے گا، طاقت بھی آئے گی اور کم بھی کھاؤ گے۔

پھر کہتا ہوں اکلِ حرام سے بچو اور کم کھاؤ اور کم سوؤ۔"

معاش و روزگار اور روزی کے ذرائع میں سب سے بہترین و عمدہ اور فائق ذریعہ تجارت ہے اور یہ نبئ کریم صلے اللہ تعالے علیہ وسلم کی سنّت طیّبہ بھی ہے۔ آپؐ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مال سے تجارت کی اور اس کے بارے میں ارشاد فرمایا: تسعة اعشار الرزق فی التجارۃ رزق کا نو فی صد حصّہ تجارت میں موجود ہے حضرات

صحابہؓ و تابعینؒ کی اکثریت نے تجارت ہی کو ذریعۂ معاش و روزگار کا ذریعہ بنایا اور وسیع پیمانہ پر تجارتوں میں داخل اور شامل ہوگئے اور ہر طرف پھیل گئے۔ چناں چہ ان حضرات کے بارے میں کہا گیا ہے: ان الصحابۃ کانوا یتجرون فی البر والبحر۔

اس قدر وسیع تجارتوں کے باوجود ان حضرات کی دین داری، زہد و تقویٰ اور احکام شرع کی پابندی کا یہ عالم تھا کہ قرآن کریم نے یہ شہادت دی کہ ان لوگوں کو تجارت، بیع و شرا اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتی۔

رجال لاتلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکراللہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ یخافون یوما تتقلب فیہ القلوب و الابصار۔

یہ وہ لوگ ہیں جنہیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتے، وقت پہ نماز ادا کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں الٹ جائیں گے یعنی اس قدر طاعت و نیکی کے باوجود خوف زدہ رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حق ادا ہوسکا ہے یا نہیں۔

تجارت و کاروبار اور لین دین میں مصروف اور منہمک رہنے کے باوجود ایک طرف اللہ کے حقوق و فرائض کی ادائیگی کا یہ عالم تھا تو دوسری طرف بندوں کے حقوق کی ادائیگی کا یہ عالم تھا کہ تجارت میں کسی قسم کی خیانت اور دھوکہ دہی کا دور دور تک نام و نشان نہیں۔ چناں چہ سلطنت روم کا نمائندہ مدینۂ منورہ آیا اور صحابۂ کرامؓ کے اخلاق و عادات اور معاملات کو معلوم کرنے کے لیے کسی سے استفسار کرنے کی بجائے سیدھے بازار چلا گیا۔ اور مارکٹ میں خرید و فروخت کے معاملات کا بچشم خود مشاہدہ کیا اور اپنے وطن واپس جاکر ارکانِ سلطنت اور اعیانِ حکومت کے سامنے یہ بیان دیا:

لا یَخدع ولا یُخدع

یہ وہ قوم ہے نہ دھوکہ دیتی ہے اور نہ خود دھوکہ کھاتی ہے۔

رومی سفیر کے بیان سے واضح ہے کہ صحابۂ کرامؓ کی تجارت میں جہاں صفائی اور درستگی موجود ہے وہاں ہوشیاری اور تدبر بھی ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے کاروبار میں دوسروں کے مکر و فریب اور دھوکہ و نقصان سے بھی محفوظ ہیں۔

امام مالک کی وسیع علمی و دینی خدمات کے علاوہ ایک اور ملّی اور قومی خدمت یہ بھی رہی ہے کہ آپ حکومت کے سربراہوں سے ملاقات کرنے کے بعد ان سے فرماتے کہ شہر کے تمام تاجروں کا اجلاس بلوائیے۔ جب سارے تاجر جمع ہوجاتے تو آپ ان لوگوں سے اوزان و پیمانوں کے بارے میں، منافع کی شرح کے بارے

کے بارے میں، احتکار یعنی ذخیرہ اندوزی کے بارے میں، عیب دار مال فروخت کرنے کے بارے میں، مال مہنگا فروخت کرنے کے بارے میں، اور کاروبار میں حلال و حرام کے بارے میں احکام دریافت فرماتے اور اگر کوئی تاجر جواب نہیں دیتا تو فرماتے اسے بازار سے اٹھا دیا جائے۔ یہ اس لائق نہیں ہے کہ تجارت کر سکے۔

امام مالک اپنے خطبات اور تقاریر میں ہمیشہ تاجروں کو ہدایت کرتے رہتے تھے کہ لوگوں کو چاہیے کہ پہلے تجارت کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے احکام جان لیں پھر بازار میں بیٹھیں۔

موجودہ زمانہ میں ملکوں کی جدید سیاسی اقتصادی، زراعتی اور فوجی ضرورتوں اور حاجتوں نے دنیا پر یہ حقیقت کھول دی ہے، کہ تجارت میں نو فی صد رزق موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تجارت کی نت نئی شکلیں اور صورتیں سامنے آرہی ہیں۔ ان حالات میں ضروری ہے کہ قرآن وحدیث اور ائمہ مجتہدین کے اجتہادات اور استنباطات کی روشنی میں تجارت کے اصول سے واقفیت اور جانکاری حاصل کر لیں۔ تاکہ باطل طریقے سے اموال کھانے سے محفوظ رہ سکیں۔ تجارت ایک ایسی راہ ہے جس پر چل کر آدمی اپنی آخرت سنوار لیتا ہے یا بگاڑ لیتا ہے۔ چناں چہ ایک حدیث میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: التجار یحشرون یوم القیامۃ فجاراً من اتقی وبر وصدق۔

تاجر اشخاص قیامت کے روز فاسق و فاجر اور گنہ گار بنا کر اٹھائے جائیں گے سوائے ان لوگوں کے جو تقوی، نیکی اور سچائی اختیار کریں۔

ایک دوسری حدیث میں فرمایا: التاجر الصدوق الامین مع النبیین والصدیقین والشہداء

وہ تاجر اشخاص جن کی تجارت میں سچائی اور امانت موجود ہے تو ان کا حشر انبیاء صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔

بعض مفسرین نے لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل کے جملہ سے یہ معنی اور مفہوم بھی اخذ کیا ہے کہ آدمی خود اپنے مال کو بھی گناہ و معصیت اور اسراف و تبذیر میں خرچ کرے تو یہ بھی مال کو باطل طریقہ اور ناحق طور پر کھانے کے مترادف ہے۔

اس تفسیر سے واضح ہے کہ آدمی اپنا مال بھی ناجائز کاموں میں خرچ اور صرف کرے گا تو عند اللہ ماخوذ ہوگا۔

الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم کے اس جملہ سے تجارت، زراعت، صنعت و حرفت، اجارہ یعنی ملازمت، مزدوری مکانات، دکانات اور اشیاء کے کرایہ، ہبہ، صدقہ

ہدیہ اور ترکہ کے ذریعہ مال کھانا ناجائز اور حرام نہیں ہے۔

لا تقتلوا انفسکم یہ اپنی ذات سے ایک مستقل جملہ ہے اور سیاق کے جملے کا تتمہ اور تکملہ بھی ہے۔ اس سے ایک مفہوم یہ نکلتا ہے کہ اپنی جانوں کو قتل مت کرو۔ جانی حقوق کی حفاظت کا ایک مستقل حکم ہے۔ دوسرا مفہوم یہ نکلتا ہے کہ لوگوں کے مال باطل طریقہ سے کھا کر اپنی جانوں کو ہلاک نہ کرو۔

لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل کے ذریعہ مالی حقوق کی حفاظت کا ایک مستقل حکم ہے۔ اس تفسیر کی تائید اور توثیق نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے جس میں آپ نے فرمایا:

ان دمائکم واموالکم واعراضکم حرام علیکم : تمہارے خون، تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر حرام ہیں۔

ان اللہ کان بکم رحیما۔ اللہ تعالےٰ تمہارے اوپر مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔

آیت کے آخر میں خدا کی شانِ رحیمیت کے اظہار سے یہ بات نمایاں ہو رہی ہے کہ اللہ تعالےٰ یہ احکام نازل فرما کر بندوں پر رحم و کرم فرما رہا ہے۔ چنانچہ لوگ اگر دوسروں کے مال اور جان کی حفاظت کریں گے تو دنیا میں حد و سزا اور تعزیر سے محفوظ رہیں گے اور آخرت میں عقاب و عذاب سے نجات پائیں گے۔ جو یقیناً بندوں ہی کے حق میں رحم و کرم ہے۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

بقیہ ص 139 کا ملاحظہ ہو:

چاند سے تشبیہ دینا یہ بھی کیا انصاف ہے
چاند میں تو داغ ہے ان کا چہرہ صاف ہے

اور کوئی روئے مبارک کو دیکھتے ہی دولت ایمان سے مشرف ہو گیا، کسی نے اس طرح سے اظہار حقیقت کیا ہے: ؎ یا صاحب الجمال یا سید البشر من وجھک المنیر لقد نور القمر

کسی نے ایسا کہا کہ: ؏ واجمل منک لم ترقط عینی

اور کسی نے اپنی عقیدت و محبت کا ثبوت اس طرح سے پیش کیا: خلقت مبرّءً من کل عیب

تقابل کی یہ چند مثالیں قلمبند کی گئیں ہیں ورنہ اس عنوان کے تحت لکھا جائے تو ایک لائبریری تیار ہو سکتا ہے ؎

انداز بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات
یہ قصہ لطیف ابھی ناتمام ہے
جو کچھ ہوا بیاں وہ آغازِ بات ہے۔

جواھر الحدیث

الارواح جنود مجندہ

★ مولوی حافظ ابوالنعمان بشیر الحق قریشی ۔ ایم اے، استاذ دارالعلوم لطیفیہ ویلور

کائنات کے ثابت شدہ حقائق

حیرت انگیز دقائق اور اہم ترین مسائل میں ایک دقیق وغامض اور اہم مسئلہ روح کی حقیقت ماہیت اور کیفیت ہے۔ ظہورِ اسلام سے قبل بھی روح موضوع بحث بنی رہی اور آج بھی اس کے تعلق سے نت نئی تحقیقات، عجیب و غریب انکشافات اور محیر العقول اطلاعات کا سلسلہ جاری ہے۔ اس مسئلہ میں حکماء و فلاسفر اور سائنس دانوں کی مختلف تصریحات اور متعدد تصریحات سے آدمی کا قلب و ذہن شکوک و شبہات، حیرانی و پریشانی اور تجسس و تشنگی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس باب میں نبیٔ آخر الزماں سیدنا محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کی تفسیرات اور اولیاء اور اصفیاء کی تشریحات ہی سے آدمی کے دل و دماغ کو تسلی و تشفی اور طمانیت و سکینت حاصل ہو سکتی ہے۔ کیوں کہ یہ توضیحات وحی، کشف اور الہام سے وابستہ ہیں۔ اور وحی و الہام کا تعلق براہ راست خلاقِ عالم سے ہے۔ جس نے ہزاروں عالم اور ان گنت بے شمار مخلوقات کو پیدا فرمایا ان میں سے ایک عالم وہ ہے جس میں سارے انسانوں کی روحیں ہیں جس کو عالمِ ارواح کہا جاتا ہے۔

عالمِ ارواح بعض اہلِ علم کے نزدیک عالمِ غیب میں شامل ہے اور بعض کے نزدیک عالمِ مثال میں شامل ہے اور بعض کے نزدیک یہ خود ایک مستقل عالم ہے۔

عالمِ مثال وہ عالم ہے جس میں ہر چیز مناسب شکل وصورت اور ہیئت میں موجود ہے خواہ وہ اجسام ہوں یا اعراض ہوں یا رنگ ہو یا بو۔

اور **عالمِ شہادۃ** وہ عالم ہے جس میں ہم زندگی گزار رہے ہیں۔ اس کے اندر اجسام اور جسمانیات ہیں اور عالمِ شہادت عالمِ مثال کا مظہر اور عکس ہے یعنی عالمِ شہادت میں جو چیزیں وجود

ہیں آچکی ہیں یا آنے والی ہیں یہ تمام عالمِ مثال کے اندر موجود ہیں۔

عالمِ غیب وہ عالم ہے جس میں تمام غیبی چیزیں موجود ہیں اور انسانی عقل اس کی فہم و ادراک سے قاصر ہے۔ اس عالم تک اسی انسان کی رسائی ممکن ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے بطورِ عطیہ علم حاصل ہوا ہو۔

اور عالمِ مثال کا تعلق عالمِ شہادت کے ساتھ گہرا ہے اور ان کے درمیان قرب و نزدیکی پائی جاتی ہے۔ اور روح کا تعلق ایک ایسے عالم سے ہے جو ہماری نظروں سے اوجھل اور ہماری فہم و عقل سے بالاتر اور ہمارے ادراک و احساس سے بعید ہے۔ اسی لیے وحیِ محمدیؐ نے صرف اتنی صراحت کی:

قل الروح من امر ربی: اے نبیٔ محترم! فرما دیجیے کہ روح عالمِ امر کی چیز ہے۔ اور وہ خالق کے حکم سے جسم کے اندر داخل ہوتی ہے جس سے وہ زندہ رہتا ہے۔

امر کا ایک معنی حکم ہے اور وہ حکم ہی ہے جیسے "کُن" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون: یعنی حضرت آدم علیہ السلام کے قالب اور جسم کو مٹی سے بنایا پھر اُن کے جسم کو حکم دیا کہ جان دار ہو جا۔ پس وہ جان دار ہو گئے۔

• روح کا معنی اور مفہوم

لغت میں روح کے معنی کئی ہیں۔

ایک معنی مشرق و مغرب کے درمیان چلنے والی ہوا ہے جسے ریح اور روح سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس کی جمع ریاح اور ارواح آتی ہے۔ الروح اسم للریح الذی بین الخافقین یقال لہ ریح و روح دھو لغتان وکذلک فی الجمع ریاح وارواح

دوسرا معنی: جسمِ حیوانی کا قیام جس پہ ہو اور عام طور پہ روح کا معنی یہی معروف ہے یعنی وہ چیز جس کی وجہ سے آدمی کے جسم میں زندگی ہے۔ الروح اسم للنفس المقومۃ للجسم الحیوانی صاحب جلالین فرماتے ہیں الذی یحیی بہ البدن روح وہ ہے جس سے بدن زندہ رہتا ہے قرآن میں روح کا لفظ متعدد مقامات پہ آیا ہوا ہے اور وہ مختلف معنوں میں مستعمل ہے چنانچہ روح کا لفظ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے لیے استعمال کیا گیا ہے: تنزل الملٰئکۃ والروح فیھا باذن ربھم من کل امر سلام یعنی شب قدر میں فرشتے اور جبرئیلؑ اپنے رب کے حکم سے ہر کام کے لیے اترتے ہیں۔ روح کا لفظ قرآنِ کریم کے لیے بھی استعمال کیا گیا ہے۔ کذلک اوحینا الیک روحا من امرنا۔ اور روح کا لفظ حضرت مسیح ابنِ مریمؑ کے لیے بھی استعمال کیا گیا ہے اور بتلایا گیا ہے کہ اللہ نے اپنی روح ان

کے اندر پھونک دی۔ عیسیٰ علیہ السلام کے اندر روح پھونکنے کا مطلب اور مفہوم یہ ہے کہ اللہ نے ایک روح پیدا کیا اور ان کے اندر پھونک دی۔ یہ بات سارے انسانوں کی ارواح پر بھی صادق آتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ارواح ہیں لیکن مسیح ابنِ مریمؑ کے لیے یہ لفظ خاص طور پر استعمال کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اضافت الی اللہ کی ذریعہ عیسیٰ علیہ السلام کی عظمت، فضیلت اور علو مرتبت کو ظاہر کیا جاے۔ تخصیص، مخصص کے مقام و مرتبہ کو ظاہر کرنے کے لیے ہے۔

قرآن میں روح کا ذکر

انسان کے جسم میں موجود روح کی حقیقت سے متعلق سوال و جواب کے پیرایہ میں سورۂ بنی اسرائیل کے اندر روح کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔ یسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا :

لوگ آپؐ سے روح کے متعلق پوچھتے ہیں، آپؐ فرما دیجیے وہ ایک چیز ہے جو میرے رب کے حکم سے بنی ہے اور تم کو اس کی مفصل حقیقت اور ماہیت اور کیفیت کا علم تھوڑا سا دیا گیا ہے۔

اس آیتِ کریمہ کے نزول کے بارے میں بخاری و مسلم، ترمذی اور مسندِ احمد کی روایتیں تھوڑے بہت فرق کے ساتھ پائی جاتی ہیں، یہاں امام بغوی کے حوالہ سے مفسرِ قرآن حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہٗ کی روایت نقل کی جارہی ہے :

یہ آیتِ طیبہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوی۔ جب کہ قریش کے سردار جمع ہوکر مشورہ کیا کہ محمدؐ ہمارے درمیان پیدا ہوے، جوان ہوے اور ان کی بے داغ زندگی ہماری نظروں کے سامنے ہے اور ان کے صادق اور سچے ہونے میں کسی شخص کو شک و شبہ نہیں ہے۔ لیکن اب وہ نبوت کا دعویٰ کر رہے ہیں جو ہماری سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔ لہٰذا ایسا کیا جاے کہ مدینۂ منورہ کے علماے یہود کے پاس ایک وفد بھیج دیا جاے تاکہ محمدؐ کے نبی ہونے کے بارے میں دریافت کیا جاے۔ چناں چہ ایک وفد مدینۂ منورہ میں علماے یہود کے پاس جا پہنچا اور حقیقتِ حال ظاہر کیا تو انہوں نے کہا : تم لوگ محمدؐ سے تین سوال کرو گے اگر وہ تینوں سوالات کے جوابات دے دیں تو نبی نہیں ہیں۔ اور اگر نہ دیں تو بھی نبی نہیں ہیں اور اگر دو کے جواب دیں اور ایک کا جواب نہ دیں تو سمجھ لو کہ وہ اللہ کے نبی ہیں۔

پہلا سوال : محمدؐ سے ان لوگوں کے احوال دریافت کرو جو قدیم زمانہ میں کفر و شرک سے بچنے کے لیے غار میں چھپ گئے تھے۔

دوسرا سوال : اس شخص کے حالات

پوچھو جس نے زمین کے مشرقی حصہ سے مغربی حصّہ تک کی سیر و سیاحت کی تھی۔

تیسرا سوال: روح کے بارے میں پوچھو کہ اس کی حقیقت کیا ہے؟

یہ وفد بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوا اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے اپنے سوالات پیش کیا۔ آپؐ نے فرمایا: میں تمہیں کل جواب دوں گا۔ اس موقعہ پہ ذاتِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اِن شاءَ اللہ کے جملے ادا نہیں ہوئے۔ جس کے باعث کئی روز تک وحی کے نزول کا سلسلہ منقطع رہا۔ اس صورتِ حال سے کفّار کی چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں اور کہنے لگے کہ محمدؐ نے کہا تھا کل جواب دیں گے لیکن اتنے دن گزرنے کے بعد بھی ان کی جانب سے کوئی جواب نہیں ملا۔ کفار کے طعن و تشنیع اور استہزاء کی وجہ سے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی صدمہ اور پریشانی اور فکر لاحق ہوگئی۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ تلقین اور ہدایت دی کہ آپؐ آیندہ کسی کام کو کرنے کا ارادہ کریں تو اِن شاءَ اللہ کہا کریں۔ ولا تقولن لشایءٍ انی فاعل ذلک غدا۔

اس واقعہ کے بعد روح سے متعلق آیت نازل ہوی۔ قل الروح من امر ربی

اور باقی دو سوالوں کے جواب: غار میں چھپنے والے اہل ایمان یعنی اصحابِ کہف کے حالات بیان کئے گئے اور مشرق سے مغرب تک سیر و سیاحت کرنے والے بادشاہ سکندر ذوالقرنین کے حالات بیان کئے گئے اور روح کا معاملہ مبہم اور غیر واضح رکھا گیا۔ جس کی وجہ سے کفّارِ قریش کے زعم و خیال کے مطابق نبی ہونے کی علامت ظاہر ہوگئی۔

روحِ حیاتی اور روحِ حسّاسی

انسان کے جسم میں دو نفس ہیں۔

ایک نفسِ حیاتی دوسرا نفسِ حسّاسی۔

نفسِ حیاتی کو روحِ حیاتی کہا جاتا ہے۔ اور یہ جب تک انسان کے جسم میں موجود رہے گی انسان زندہ رہے گا اور جب یہ جسم سے نکل گئی تو انسان مرجائے گا۔ نفسِ حساسی کو روحِ حساسی کہا جاتا ہے اور یہ سارے جسم میں پھیلتی رہتی ہے اسی کی وجہ سے انسان رنج والم اور درد و تکلیف کو محسوس کرتا ہے آواز سنتا ہے اور جب یہ جسم سے نکل گئی تو حواس (سننے، دیکھنے، سونگھنے، چکھنے، محسوس کرنے کی قوت و صلاحیت) معطّل ہو جاتے ہیں۔ اسی کیفیت کا نام نیند ہے۔

نیند کی حالت میں روح حساسی کا تعلق جسم کے ساتھ قائم رہتا ہے اور کبھی اس تعلق کے اندر غیر معمولی کمی بھی واقع ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ

ہے کہ جب ہم کسی سوئے ہوئے شخص کو جگاتے ہیں تو بہت دیر کے بعد بیدار ہوتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود حواس پوری طرح سے قابو میں نہیں آتے۔ روحِ حسّاسی جسم سے نکل جانے کے بعد یا اس کو جسم کے کسی عضو اور حصّہ سے معطّل کرنے کے بعد آدمی زندہ رہتا ہے جیسے نیند کی حالت ہے یا جسم کے کسی حصّے کا آپریشن مقصود ہو تو صرف اس حصّہ تک حِس کی قوت کو معطّل کر دیا جاتا ہے اور آدمی اپنے جسم کو چیرتے اور کاٹتے ہوئے دیکھتا ہے لیکن کوئی درد اور تکلیف اس وقت تک محسوس نہیں کر پاتا جب تک کہ انجکشن یا دوا کا اثر ختم نہیں ہو جاتا۔

انسان کے جسم میں روح حیاتی اصل اور اہم ہے اور روحِ حسّاسی فرع اور اس کے تابع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ روح حیاتی جسم سے نکل جانے کے بعد روح حسّاسی کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم میں ایک مقام پر یہ حقیقت ان لفظوں میں بیان کی گئی ہے۔

اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا فیمسک التی قضٰی علیھا الموت ویرسل الاخرٰی الیٰ اجل مسمّٰی ان فی ذٰلک لاٰیٰت لقوم یتفکرون: (زمر) وہ اللہ ہی ہے جو موت کے وقت انسان کے جسم سے روح قبض کرتا ہے اور جو ابھی نہیں مرا ہے اس کی روح نیند میں قبض کر لیتا ہے پھر جس انسان پر وہ موت کا فیصلہ نافذ کرتا ہے تو اس کی روح کو جسم کی طرف لوٹنے نہیں دیتا، روک لیتا ہے۔ اور دوسروں کی روحوں کو ایک وقت مقررہ تک کے لیے جسم کی طرف واپس لوٹا دیتا ہے۔ (یعنی جو نیند کی وجہ سے معطّل ہو گئی تھیں اور جن پر ابھی ان کی موت کا وقت نہیں آیا۔)

بے شک موت اور نیند کی حالت میں اللہ تعالےٰ کی قدرت کی بڑی نشانیاں ہیں۔ ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرنے والے ہیں۔

● موت اور نیند کی حقیقت

مفسّرِ قرآن حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں:

قبضِ روح کے معنی اس کا تعلق انسان کے جسم سے قطع کرنے کے ہیں اور یہ تعلق کبھی ظاہراً منقطع کر دیا جاتا ہے لیکن باطناً جسم سے باقی رہتا ہے۔ یہی نیند ہے۔ نیند کی حالت میں آدمی کے اندر احساس و شعور، فہم و ادراک اور اختیار و ارادہ کی قوتیں معطّل ہو جاتی ہیں لیکن روح کا تعلق جسم کے ساتھ باطناً قائم رہتا ہے جس کی وجہ سے وہ سانس لیتا ہے اور زندہ رہتا ہے اور روح حساسی کو عالمِ مثال کی طرف متوجّہ کر کے عالمِ شہادت یعنی دنیا سے غافل کر دیا جاتا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہٗ فرماتے ہیں:۔

نیند کی حالت میں جسم سے روح نکل

جاتی ہے مگر روح کی ایک کرن بدن میں رہتی ہے۔ جس سے وہ زندہ رہتا ہے اور بیداری کے وقت پلک جھپکنے کی مقدار سے بھی کم وقت میں جسم کے اندر پھر داخل ہو جاتی ہے۔

• حقیقتِ روح

اس مقام پر روح کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے علامہ شاہ دین علیہ الرحمہ کی علمی منطقی اور عمدہ و نفیس گفتگو نقل کرنا افادیت سے خالی نہیں۔ جو انھوں نے "حقیقتِ روحِ انسانی" کے حاشیہ میں کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:-

روح کے لفظ کا اطلاق کئی معنوں پر ہوتا ہے۔ روحِ انسانی یعنی نفسِ ناطقہ، روحِ حیوانی روحِ نفسانی، روحِ نباتی، قرآن شریف وحی، فرشتہ عظیم الخلقت، حضرت عیسیٰ، حضرت جبرئیل وغیرہ۔

جمہورِ متکلمین کا مذہب یہ ہے کہ روحِ انسانی جسمِ لطیف ہے جو بدن میں سرایت کئے ہوئے ہے۔ جیسا کہ گلاب کا پانی گلاب میں۔ اور اس کی جسمیت پر بہت سے دلائل پیش کرتے ہیں۔

اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا فیمسک التی قضی علیھا الموت ویرسل الاخریٰ الیٰ اجل مسمّی ان فی ذلک لاٰیٰت لقوم یتفکرون۔ (الزمر)

اللہ تعالیٰ ہی موت کے وقت روحیں قبض کرتا ہے اور جس کی موت کا وقت نہیں آیا ہے اس کی روح نیند میں قبض کر لیتا ہے پھر جس کی موت کا فیصلہ نافذ کرتا ہے اُسے روک لیتا ہے اور دوسروں کی روحوں کو ایک مقررہ وقت کے لیے جسموں کی طرف لوٹا دیتا ہے۔ اس میں بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔

ولو تریٰ اذ الظّٰلمون فی غمرات الموت والملٰئکۃ باسطوا ایدیھم اخرجوا انفسکم: (الانعام)

اے پیغمبر تم تعجب کروگے اگر ظالموں کو اس حالت میں دیکھو جب وہ جان کنی کی بے ہوشیوں میں بے دم ہو کر پڑے ہوں گے اور ان کی جان نکالنے کے لیے فرشتے ہاتھ بڑھائے ہوئے ہوں گے کہ اپنی جانیں اپنی جسم سے خارج کرو۔

یاایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الیٰ ربک راضیۃ مرضیہ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی: (الفجر)

اے اطمینان والی جان! اپنے رب کی طرف واپس ہو یوں کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔ پھر میرے خاص بندوں میں داخل ہو اور میری جنت میں آ۔

ان آیات میں نفس کی وفات اور اس کے بند رکھنے اور اخراج اور رجوع کرنے کی خبر ہے۔ جو اوصاف سے ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ روح جسم ہے یا یوں کہیے کہ روح ان اوصاف سے موصوف ہے اور جو ان اوصاف سے متصف ہو وہ جسم ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ روح بھی جسم ہے۔

متکلمین نے جو دلائل روح کی جسمیت سے متعلق پیش کیا ہے۔ (یعنی وفات، امساک، اخراج اور رجوع) ان اوصاف میں سے کوئی بھی صفت روح کی جسمیت کی مقتضی نہیں۔ کیوں کہ وفات روح کا بدن سے رفع تعلق کا نام ہے نہ کہ روح کا معدوم ہونا۔ اس لیے کہ روحِ انسانی (یعنی نفس ناطقہ) کا معدوم ہونا باطل ہے۔ اور ایسا ہی امساک سے مراد، روح کا تعلق بدن سے نہ ہونے دینا ہے۔

اور ارسال سے مراد بعد امساک کے اس کا تعلق کردینا ہے اور رجوع الی اللہ سے مراد روح کا بدن میں تصرّف سے باز رہنا اور خدا کی جانب متوجہ ہونا ہے۔ اور اخراج سے مراد نفسِ ناطقہ کا تعلق بدن سے موقوف کرنا ہے۔

پس قرآن کریم میں روح کے یہ اوصاف بیان ہونے کی وجہ سے روح کی جسمیت کا ثابت کرنا پایۂ اعتبار سے ساقط ہے۔

علاوہ ازیں ہم یہ توجیہہ بھی بیان کرسکتے ہیں کہ موت کے وقت روح حیوانی بدن سے نکالی جاتی ہے۔ جس کے نکلنے کی وجہ سے نفس ناطقہ یعنی روح حیوانی کا تعلق بدن سے منقطع ہوجاتا ہے۔ کیوں کہ بدن میں نفسِ ناطقہ کا تصرّف روح حیوانی کے واسطہ سے ہے۔ جو ایک بخارِ لطیف، حرارتِ قلب جسمانی سے نضج پاکر شریانوں کے ذریعہ سے بدن کے تمام اعضاء میں پھیلتا ہے اور تمام اعضاء کو زندگی دیتا ہے۔ اس بخارِ لطیف (یعنی روحِ حیوانی) کا باطن میں حرکت کرنا اور بدن میں ساری اور پھیل جانا ایسا ہی ہے جیسے ایک چراغ گھر کے اطراف میں پھیرا جائے اور اس سے گھر کے چار طرف روشنی پھیل جائے۔ گویا یہ بخارِ لطیف بمنزلۂ چراغ کے ہے اور حیات بمنزلۂ روشنی کے ہے۔ اس بخارِ لطیف کے ذریعہ نفسِ ناطقہ کا تعلق بدن کے ساتھ تدبیر اور تصرّف کا جو تھا، وہ موت کے وقت جاتا رہا اور اس کے اخراج، ارسال اور امساک سے روحِ انسانی کے تعلق کا ہونا، یا نہ ہونا، وجود میں آیا۔

پس مجازاً ان اوصاف کو جو درحقیقت روحِ حیوانی کے اوصاف ہیں روحِ انسانی کی صفت ڈال دیا گیا۔ جیسا کہ کسی بادشاہ کا کسی

ملک پر تصرّف ہو اور اس بادشاہ کا نائب و لشکر اس ملک میں رہتا ہو۔ کوئی غنیم، بادشاہ کے نائب و لشکر کو قتل کر ڈالے یا وہاں سے نکال دے تو اس موقعہ پر ہم یوں کہا کرتے ہیں کہ فلاں بادشاہ مارا گیا۔ یا فلاں ملک سے نکالا گیا یا فلاں ملک اس سے چھین لیا گیا۔ جس سے ہماری مراد ہوتی ہے کہ اس ملک میں اس کو تدبیر اور تصرّف کا اختیار نہ رہا۔

علاوہ ازیں خدائے تعالےٰ کا قول الروح من امر ربی بلفظ من ارشاد کرنا صاف اس امر پر دال ہے کہ روح عالم امر میں سے ہے۔ یعنی اس عالم میں سے ہے جس کا اندازہ اور مقدار نہیں۔ غرض یہ کہ روحِ انسانی جس کو امورِ اخروی اور حقائق علمی کا ادراک ہوتا ہے اور جو مخاطب اور معاتب ہے۔ جس کو عقل و قلب بمعنی لطیفۂ ربّانی اور نفسِ ناطقہ اور حقیقتِ انسانی بھی کہتے ہیں۔ جس کا تزکیہ فلاح کا موجب ہے جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:

ونفس وما سوّٰھا۔ فالھمھا فجورھا وتقوٰھا، قد افلح من زکّٰھا وقد خاب من دسّٰھا: (الشمس)

اور جان کی اور اس کی قسم جس نے اُسے ٹھیک بنایا، نطق، سماعت، بصارت فکر، خیال، علم، فہم عطا فرمایا۔ پھر اس کے بعد اس کی بدکاری اور اس کی پرہیزگاری دل میں ڈالی۔ خیر و شر اور طاعت و معصیت سے اُسے باخبر کر دیا۔ بے شک جس نے نفس کو پاک و صاف اور ستھرا کیا وہ مراد کو پہنچا اور جس نے نفس کو معصیت سے آلودہ کیا وہ نامراد ہوا

نہ تو وہ روحِ حیوانی ہے۔ کیوں کہ روحِ حیوانی کو امور اخروی اور حقائقِ علمی کا ادراک حاصل نہیں ورنہ تمام حیوانوں کو امور اخروی اور حقائقِ علمی کا ادراک حاصل ہوتا لازم آئے گا۔ جو صراحتًا باطل ہے۔ اور نہ وہ قوتِ نفسانی یا نباتی یا کسی اور عرض کا نام ہے کیوں کہ عرض مدرک نہیں ہوتی اور روحِ انسانی مدرک ہے۔

اور نہ جز لایتجزیٰ یا اجزاء سے مرکب کوئی چیز ہے۔ بلکہ وہ جوہر غیر منقسم بواسطہ روحِ حیوانی، مدبر اور حافظ ترکیب بدن ہے مکان اور جہت سے پاک، نہ بدن میں داخل نہ خارج، نہ متصل نہ منفصل

حکماء مشائین اور اشراقین کا یہی عقیدہ ہے اور اہلِ تحقیق مثلًا ابو زید دبوسی، امام راغب اصفہانی اور امام غزالی وغیرہ اہلِ سنت وجماعت کا یہی قول ہے۔

اور محققین صوفیاء کا یہی عقیدہ ہے اور کامل افراد صوفیاء کا مشاہدہ بھی اسی طرف منتہی ہوتا ہے۔

• روح کے ذریعہ سے اللہ کی وحدانیت اور ربوبیت پر استدلال

مجدّد جنوب حضرت قطب ویلور علیہ الرحمہ نے بھی اپنی تصنیفات میں روح سے متعلق بحث کی ہے اور آپ کی گفتگو کا مطمحِ نظر اور نقطۂ نگاہ یہ ہے کہ روح کے ذریعہ سے انسان کے ساتھ اللہ کے قرب و نزدیکی کے معنی و مفہوم کو سمجھایا جائے۔ وفی انفسکم افلا تبصرون: اللہ تمہارے نفوس میں ہے اور تم نہیں دیکھتے: ونحن اقرب الیہ من حبل الورید: میں شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہوں۔

اور روح کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور ربوبیت پر استدلال پیش کیا جائے۔ حضرت قطبِ ویلور علیہ الرحمہ کی مشہور فارسی تصنیف "جواہر السلوک" سے روح کا ایک مختصر مطالعہ اور جائزہ یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔ چناں چہ فرماتے ہیں:

"روح نہ قالب کے اندر ہے اور نہ قالب کے باہر اور نہ قالب سے متصل ہے اور نہ قالب سے منفصل ہے بلکہ روح اور ہی عالم سے ہے۔ داخل ہونا خارج ہونا متصل ہونا اور منفصل ہونا وغیرہ۔ یہ تمام اجسام کے لوازم ہیں۔ ان سے روح کوئی نسبت نہیں رکھتی ان تمام کے باوجود ذرّاتِ قالب میں کوئی ذرّہ ایسا نہیں ہے جس کے ساتھ روح، ذات کی حقیقت کے لحاظ سے نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کی معیت اور قرب بھی اسی طرح ہے اور من عرف نفسہ فقد عرف ربہ اسی سرّ اور اس راز کی طرف اشارہ ہے۔

سلطان العلماء عزالدین عبدالسلام مقدسی "حل رموز" میں فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ جس آدمی کی آنکھوں کو کھول دیتا ہے اور اپنے پوشیدہ اسرار کو اس پر ظاہر کرتا ہے وہ یہ جاننے لگتا ہے کہ کونین میں اپنی ذرّات کی ضروریات میں سے کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اپنی ذات و صفات کے اندر مندمج[1] اور مندرج[2] نہ ہو۔ یہی من عرف ربہ فقد عرف ربہ کا راز ہے۔

اس کلام سے اس کی توضیح اور تشریح ضروری و مستحسن ثابت ہوتی ہے وہ یہ اللہ تعالیٰ نے اس روح کو جبۂ جسمانی میں رکھا۔ وہ ایک لطیفۂ لاہوتی[3] ہے جو کثیف ناسوتی جسم میں ودیعت کیا گیا ہے

---

[1] کسی چیز کی ماہیت میں یا کسی چیز میں محو ہونا اور ایک ہونے کو اندماج کہتے ہیں۔

[2] ایک چیز کا دوسری چیز میں بغیر حلول واتحاد کے داخل ہونے کو اندراج کہتے ہیں۔

[3] لطیفۂ لاہوتی اصطلاحِ صوفیا میں گنجِ مخفی، مقامِ محویت اور عالم ذاتِ الٰہی کا نام ہے۔

اور یہ اس کی وحدانیت اور ربانیت پر دلالت کرتی ہے۔ اس پر دس وجوہ سے استدلال کیا جاسکتا ہے۔

۱ پہلی وجہ یہ ہے کہ ہیکل انسانی ایک مدبر اور متحرک کا محتاج ہے اور یہ روح اس کی مدبر اور محرک ہے۔ اس سے ہم یہ جان سکتے ہیں کہ اس عالم کے لیے ایک مدبر اور محرک کی ضرورت ہے۔

۲ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس جسدِ انسانی کا مدبر ایک ہی ہے اور وہ روح ہے اس سے ہمیں معلوم ہوا کہ اس عالم کا مدبر ایک ہی ہے۔ اس کے ملک میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **لو کان فیہما اٰلہۃ الا اللہ لفسدتا**: اگر آسمان و زمین میں اللہ کے سوا کئی معبود ہوتے تو دونوں درہم برہم ہو جاتے۔

۳ تیسری وجہ یہ ہے کہ جسم روح کے ارادے اور اس کی تحریک سے حرکت کرتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات کے بنانے میں اللہ کا ارادہ کارفرما ہے اور خیر و شر میں ہر متحرک کی حرکت اسی کی تقدیر، ارادے اور قضا سے ہوتی ہے۔

۴ چوتھی وجہ یہ ہے کہ جسم میں جس شئی کی بھی حرکت ہوتی ہے اس کا علم و شعور روح کو ہوتا ہے اور جسم کے حرکات و سکنات میں سے کوئی حرکت بھی روح سے پوشیدہ نہیں اس سے ہم یہ جانتے ہیں کہ زمین و آسمان میں ایک ذرہ بھی اللہ سے پوشیدہ نہیں: **لا یعزب عنہ مثقال ذرۃ فی الارض ولا فی السماء۔**

۵ پانچویں وجہ یہ ہے کہ جسم میں کوئی شئے روح سے زیادہ قریب نہیں بلکہ روح ہی جسم میں ہر شئے سے قریب تر ہے۔ اس سے ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر شئے سے قریب ہے اور کوئی شئے بھی اس سے زیادہ قریب نہیں۔ یہاں قریب مسافت کا معنی نہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ہے۔

۶ چھٹی وجہ یہ ہے کہ روح جسم سے پہلے موجود تھی اور جسم کے فنا ہونے کے بعد بھی موجود رہے گی۔ اس سے ہم یہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کی پیدائش سے پہلے موجود تھا اور مخلوق کے ختم ہو جانے کے بعد بھی موجود رہے گا۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ زوال و فنا سے پاک اور منزہ ہے۔

۷ ساتویں وجہ یہ ہے کہ جسم میں روح کی کیفیت پہچانی نہیں جاتی۔ اس سے ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کیفیت سے منزہ اور پاک ہے۔

۸ آٹھویں وجہ یہ ہے کہ جسم میں روح کی اینیت (یعنی مکانیت) جانی نہیں جاتی اس سے ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اینیت، مکانیت اور کیفیت سے منزہ ہے۔ لہٰذا ہم اس

کو اَینُ وکَیفُ سے متصف نہیں کرسکتے بلکہ روح سارے جسم میں موجود ہے۔ جسم کا کوئی جز اور کوئی حصّہ اس سے خالی نہیں۔ اس طرح اللہ ہر جگہ میں موجود ہے اور کوئی جگہ اس سے خالی نہیں۔ اس کے باوجود وہ مکان و زماں سے اور جگہ سے اور وقت سے منزہ ہے۔

۹۔ نویں وجہ یہ ہے کہ جسم میں روح کو نہ محسوس کرسکتے ہیں اور نہ چھو سکتے ہیں اور نہ تلاش کرسکتے ہیں۔ اس سے ہم جانتے ہیں کہ اللہ کو نہ محسوس کرسکتے ہیں اور نہ جمع کرسکتے ہیں اور نہ چھو سکتے ہیں اور نہ تلاش کرسکتے ہیں یعنی وہ حِس، مَس اور تجسّس سے پاک ہے۔

۱۰ دسویں وجہ یہ ہے کہ جسم میں روح کو نہ آنکھ سے ادراک کیا جا سکتا ہے اور نہ وہ کسی صورت میں متمثل ہوتی ہے اس سے ہم یہ جانتے ہیں کہ ابصار آنکھیں اللہ کے ادراک سے قاصر ہیں۔ اللہ تعالےٰ صور اور آثار سے متمثل ہوتا ہے اور نہ چاند و سورج کے مانند ہے۔ اس کے مثل کوئی چیز نہیں ہے، وہ سننے اور دیکھنے والا ہے: لیس کمثلہ شیٔ وھوالسمیع البصیر: یہی من عرف نفسہ فقد عرف ربہ کا معنی ہے۔" (جواہر السلوک۔ مترجم)

مذکورہ تفصیلات کی روشنی میں جو حقائق اور معلومات سامنے آرہے ہیں وہ یہ ہے کہ روح عالمِ امر کی چیز ہے اور غیر مادی مخلوق ہے اور اس کے اندر احساس و شعور، علم و آگہی اور حرکت و ارادہ کی صفات موجود ہیں، اور وہ جسم کے سارے اجزاء میں منتشر اور پھیلی ہوی ہے اور اس کی کیفیت، اینیت اور مکانیت جانی نہیں جاتی اور اس کو چھو نہیں سکتے اور نہ محسوس کر سکتے ہیں۔ اور ایک جسم میں ایک ہی روح سما سکتی ہے اور وہ اللہ تعالےٰ کے حکم سے جسم میں داخل ہوتی ہے اور اسی کے حکم سے نکل جاتی ہے۔ اس کی موجودگی زندگی کی علامت ہے اور اس کا خروج موت ہے۔

اس تفصیل کے بعد اب یہ پہلو ہمارے پیشِ نظر ہے کہ روح انسان کے جسم میں داخل ہونے سے پہلے بھی موجود تھی اور جسم سے خارج ہونے کے بعد بھی موجود رہے گی؟

● روح کی پہلی منزل عالمِ مثال

روح کی پہلی منزل عالمِ مثال یا عالمِ ارواح ہے جس میں قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کی روحیں ہیں۔ عالمِ مثال کے تعلق سے احادیث میں مذکور ہے کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ پھر اُن کی پشت پر اپنا داہنا ہاتھ پھیرا

توان انسانوں کی روحیں نکل آئیں جو جنّت میں داخل ہونے والی اور قیامت تک دنیا میں آنے والی تھیں ۔ تو پھر اللہ تعالیٰ ان کی پشت پر اپنا بایاں ہاتھ پھیرا توان انسانوں کی روحیں نکل آئیں جو دوزخ میں جانے والی تھیں ۔ یہاں اللہ کے ہاتھ سے مراد اس کی طاقت و قدرت ہی ہے کیوں کہ وہ جسم سے منزہ ہے ۔

غرض حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کی روحیں نکل آئیں ۔ اللہ نے انھیں ایک مقام میں جمع فرمایا اور اپنے جمال کا نظارہ کروایا اور ان سے پوچھا الست بربکم ؟ کیا میں تمہارا ربّ نہیں ہوں ؟ اس سوال پر تمام روحیں ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں ۔ اتنے میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی روحِ مقدّس نے جواب دیا : بلیٰ بے شک آپ ہی ہمارے رب ہیں ۔ آپ کا فرمانا ہی تھا کہ تمام نبیوں اور رسولوں کی روحوں نے فرمایا بلیٰ : ہاں : ان حضرات کا کہنا ہی تھا سارے انسانوں کی روحوں نے کہا : ہاں ! بے شک آپ ہمارے ربّ ہیں ۔

سورۂ اعراف میں اس اقرارِ ربوبیت اور اعترافِ الوہیت کا ذکر ان الفاظ میں موجود ہے : واذ اخذ ربک من بنی اٰدم من ظهورهم ذریتهم واشهدهم علی انفسهم الست بربکم قالوا بلیٰ شهدنا ان تقولوا یوم القیٰمة انا کنا عن هٰذا غٰفلین : اے نبیٔ محترم ! لوگوں کو وہ ساعت اور وقت یاد دلائیے جب کہ آپ کے رب نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے خود ان کی اولاد اور اولادِ آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا تھا ۔ اور انھیں خود اُن کے اوپر گواہ بناتے ہوئے پوچھا تھا : کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں ؟ سب نے کہا : آپ ہی ہمارے رب ہیں ۔ اللہ نے ملائکہ کو گواہ بناتے ہوئے سب کی طرف سے فرمایا ہم سب اس کے گواہ ہیں ۔ یہ ہم نے اس لیے کیا کہ کہیں قیامت کے روز تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہم تو اس بات سے غافل تھے ۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت اُبی ابنِ کعب فرماتے ہیں :

اللہ نے سارے انسانوں کی روحوں کو جمع کیا جن کو قیامت تک پیدا کرنے کا ارادہ رکھتا تھا ۔ انہیں شکل وصورت ، نطق وگویائی اور عقل وشعور کی قوت عطا کی ۔ پھر ان سے عہد لیا ۔ کیا میں تمہارا ربّ نہیں ہوں ؟ سب نے جواب دیا : ضرور آپ ہمارے رب ہیں ۔ اللہ نے فرمایا : میں تم پر زمین وآسمان اور خود تمہارے باپ آدم کو گواہ ٹھہراتا ہوں تاکہ تم قیامت میں یہ نہ کہہ سکو کہ ہم کو تو اس کا علم نہ تھا ۔ اچھی طرح جان لو ، میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور میرے سوا کوئی ربّ

نہیں اور میں دنیا میں تمہارے پاس اپنے پیغمبر
بھیجتا رہوں گا۔ جو تم کو یہ عہد یاد دلاتے رہیں
گے اور تم پر اپنی کتابیں بھیجتا رہوں گا۔

اس پر سب انسانوں نے کہا: ہم
گواہ ہیں۔ آپ ہی ہمارے رب اور معبود ہیں

مذکورۃ الصدر واقعہ میں اللہ کی ربوبیت
کا سب سے پہلے روحِ محمدیؐ کا اقرار کرنا، یہ
اس حقیقت کی جانب اشارہ ہے کہ جس طرح
عالمِ ارواح میں حضور پُر نور نبی الاولین والآخرین
سیدنا محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و
ہدایت سے سارے انبیاء کرام اور ان کی امتیں
مستفیض ہوئیں اس طرح دنیا میں جانے کے بعد بھی آپ کے
نورِ نبوت کی شعاعوں سے مستفیض ہوں گے۔ چنانچہ
اللہ نے جس طرح سارے انسانوں کی ارواح کو جمع کیا اور
ان سے اپنی ربوبیت کا اقرار لیا اسی طرح نبیوں
کی ارواح کو جمع کیا اور ان سے اقرار لیا کہ وہ
محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں گے اِس عہد
اور میثاق کا ذکر سورۂ آلِ عمران میں ہے۔

واذ اخذ اللہ میثاق النبیین
لما اٰتیتکم من کتٰب وحکمۃ ثم جاء
کم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن
بہ ولتنصرنہ قال ء اقررتم واخذتم
علیٰ ذلکم اصری۔ قالوا اقررنا قال
فاشھدوا انا معکم من الشّٰھدین

اور یاد کیجیے جب اللہ نے پیغمبروں سے
عہد لیا، میں تم کو کتاب اور حکمت دوں۔ پھر
تمہارے پاس وہ رسول تشریف لائے جو تمہاری
کتابوں کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور اس پر ایمان
لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا۔ کیا تم نے اقرار کیا
اور اس پر میرا بھاری ذمّہ لیا۔ سب نے عرض کیا
کہ ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا تو ایک دوسرے پر گواہ
ہو جاؤ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں
ہوں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے
ہیں کہ اللہ نے حضرت آدمؑ اور ان کے بعد جس
کسی کو نبوت عطا کی ان سے حضور اکرم صلے اللہ علیہ
وسلم کی نسبت عہد لیا اور ان نبیوں نے اپنی
اُمتوں سے عہد لیا کہ اگر ان کی زندگی میں حضور
صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں تو اُن پر ایمان
لائیں اور آپؐ کی نصرت وحمایت کریں۔

ارواحِ انبیاء سے لیے جانے والے اس
عہد و میثاق سے یہ حقیقت نمایاں ہو رہی ہے
کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا دائرہ
حضرت آدمؑ سے لے کر صبحِ قیامت تک کے لیے
پھیلا ہوا ہے۔ اس موقف کی تائید اور تقویت
بھی ان ارشاداتِ نبوی سے ہوتی ہے۔

میں خلقت میں سارے نبیوں سے
اول ہوں اور مبعوث ہونے میں آخر ہوں۔ میں
اس وقت بھی نبی تھا، جب کہ آدمؑ روح اور
جسم کے درمیان جلوہ گر تھے۔ کنت نبیاً وآدم

بین الروح والجسد

میں سارے انسانوں کی جانب نبی
بناکر بھیجا گیا ہوں : بعثت الی الناس کافۃ
اگر آج موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو
ان کو بھی میری اتباع اور اطاعت کرنی ہوتی۔
اور مسیح ابن مریمؑ آسمانوں سے اتریں
گے تو وہ بھی تمہارے نبیؐ کی اتباع کریں گے۔
عالم ارواح میں اولادِ آدم سے لیے
جانے والے عہد الست سے متعلق نبی کریم صلے
اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

الناس معادن کمعادن الفضۃ
والذھب خیارھم فی الجاھلیۃ خیارھم
فی الاسلام اذا فقھوا والارواح جنود
مجندہ فما تعارف منھا ائتلف وما
تناکر منھا اختلف۔

لوگ کانیں ہیں، جس طرح سونے اور
چاندی کی کانیں ہیں۔ ان میں جو افراد زمانۂ جاہلیت
میں اچھے اور بہترین تھے وہ اسلام کے زمانہ
میں بھی اچھے اور بہترین افراد ہیں۔ جب کہ ان کے
اندر دین کی فہم اور سمجھ حاصل ہو۔ اور ارواح
مجتمع جماعتیں ہیں جن کے درمیان عالم ارواح میں باہم تعارف
ہوا دنیا میں ان کے درمیان محبت والفت قائم ہوئی اور جن کے
درمیان باہم اجنبیت رہی دنیا میں آنے کے بعد
اُن کے درمیان اختلاف رونما ہوا۔
الارواح جنود مجندہ یعنی روحیں
لشکروں کی طرح جمع کی گئی تھیں۔ اس اجتماع
میں ایک شخص کا چہرہ دوسرے شخص کے چہرہ کے
مقابل تھا تو ایک شخص کی پیٹھ دوسرے شخص
کی پیٹھ سے لگی ہوئی تھی اور کسی ایک کا چہرہ کسی شخص
کی پیٹھ کے مقابل تھا۔ اس صورتِ حال کا دنیا
میں یہ نتیجہ نکلا کہ یہاں اُن لوگوں کے درمیان
محبت والفت پیدا ہوئی جن کے چہرے آمنے سامنے
تھے اور اُن لوگوں کے درمیان دشمنی وعداوت،
پیدا ہوئی جن کی پشتیں ملی ہوئی تھیں اور جن
لوگوں کے چہرے دوسروں کی پشت کی طرف تھے
اُن کے درمیان ایک کے دل میں محبت پیدا
ہوئی لیکن دوسرے کے دل میں عداوت پیدا ہوئی
چناں چہ اس کا نظارہ اور مشاہدہ اس دنیا کے
اندر عام ہے۔ ایک ماں کے پیٹ سے پیدا
ہونے والے دو بچوں میں دشمنی وعداوت دیکھنے
میں آتی ہے تو دو اجنبی آدمیوں کے درمیان بے
پایاں محبت والفت دیکھنے میں آتی ہے۔ ایک
کسی پر اپنی جان نچھاور کرتا ہے لیکن محبوب کے
دل میں چاہنے والے شخص کے لیے کوئی جذبۂ
الفت نہیں ابھرتا۔

بعض اہلِ قلم نے اس واقعہ کو تمثیل
کے روپ اور رنگ میں دیکھا ہے جو درست نہیں
ہے۔ کیوں کہ قرآن وحدیث کی تصریحات اور
بعض اہلِ کشف اور ارباب بصیرت کے بیانات
سے صاف ظاہر ہوتا ہے یہ واقعہ درحقیقت

ازل میں پیش آیا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ایسا ایک واقعہ فی الواقع ظہور پذیر ہو جائے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ اور اس کو تمثیل پر محمول کی کیا ضرورت ہے۔

حضرت نظام الدین اولیاء کا یہ قول بعض صوفیاء نے نقل کیا ہے۔ جب روح کو جسم میں داخل ہونے کا حکم ہوا تو اس وقت اللہ تعالیٰ کا کلام میری روح نے سنا اور وہ فلاں لہجے میں تھا جو مجھ کو یاد ہے: ؎

الست از ازل ہم چناں شان بگوش
بفریاد قالوا بلیٰ در خروش

روح کی دوسری منزل عالمِ شہادت

روح کی دوسری منزل عالم شہادت یعنی موجودہ دنیا ہے جس میں ہم زندگی گزار رہے ہیں اگر روح عہد الست کے مطابق یہاں ایمان اور عمل صالح سے آراستہ ہوی تو اس دنیا کے بعد آنے والی منزلوں میں عافیت و سلامتی اور نجات و ثواب سے بہرہ ور ہو گی اور اگر اپنے کئے ہوئے عہد و میثاق سے روگردانی کرتے ہوئے کفر و شرک سے داغ دار ہوی تو آنے والی منزلوں میں عذاب و عقاب سے دوچار رہے گی۔ کیوں کہ اعمال کی اصل ذمہ داری روح ہی پر ہے۔

جسم کے اعمال و افعال کا صدور اسی کے حرکت و ارادہ کا نتیجہ ہے۔ اس لیے ثواب اور عقاب کی مستحق اصلاً روح ہے اور تبعاً جسم ہے۔

موجودہ دنیا میں اللہ تعالیٰ روح کا تعلق انسان کے جسم کے ساتھ اس وقت قائم کرتا ہے جب کہ بچہ شکم مادر میں جنین کی حالت میں ہوتا ہے۔ جسم کے ساتھ روح کا یہ پہلا تعلق ہے۔ پھر دوسرا تعلق ماں کے پیٹ سے باہر آنے کے بعد قائم ہوتا ہے اور اس وقت روح کے تعلق کے آثار پہلے کی بہ نسبت زیادہ نمایاں اور ظاہر ہوتے ہیں۔ پھر جسم کے ساتھ روح کے تعلق کی تیسری صورت خواب کی حالت ہے۔ جس میں بدن کے ساتھ ایک طرح سے تعلق ہوتا ہے۔ تو ایک طرح سے مفارقت و جدائی ہوتی ہے۔

خواب اور اس کی حقیقت اور اس کی اقسام

اس مقام پر حقیقتِ خواب کی تفصیل و تشریح بے موقعہ اور بے محل نہ ہو گی۔ کیوں کہ خواب کا تعلق روح کے ساتھ بہت ہی عمیق اور گہرا ہے اور خواب کی حقیقت سمجھ لینے سے روح سے متعلق بہت سارے مسائل حل ہو جاتے ہیں۔

انسان کے جسم سے روح حساسی جب نکل جاتی ہے تو وہ عالمِ مثال کی سیر کرتی ہے اور یہاں وہ تمام چیزیں مناسب شکل و ہیئت کے ساتھ موجود ہیں جو دنیا میں وجود میں

آنے والی ہیں۔ اور جو چیز بھی روح کی نظر سے گزرتی ہے وہ سب انسانوں کو نظر آنے لگتی ہے۔ اس لیے کہ روح کا تعلق بیک وقت جسم کے ساتھ بھی ہے اور عالمِ مثال کے ساتھ بھی قائم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ روح عالمِ مثال میں جہاں جہاں سے گزرتی ہے اور جس جس سے ملاقات کرتی ہے اور جو جو مناظر وحالات اور واقعات دیکھ لیتی ہے یہاں آدمی نیند کی حالت میں دیکھتا ہے۔ اسی تعلق کو خواب کہتے ہیں۔

اس تعلق کی کیفیت اور نوعیت کو سمجھنے کے لیے موجودہ زمانہ کی سائنسی اشیاء میں مرکب فضائیہ اور سائیٹ لائٹ وغیرہ کی مثال موزوں معلوم ہوتی ہے کہ ہم زمین پر بیٹھے ہوئے چاند اور سیاروں پر رونما ہونے والے واقعات وحالات اور وہاں کے مناظر کا مشاہدہ ان جدید آلات کے ذریعہ کر لیتے ہیں اور اسی دنیا میں کروڑوں میل دور پیش آنے والے واقعات کو دیکھ لیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ چاند، مریخ وغیرہ کی چیزیں جو ہمیں دکھائی دیتی ہیں وہ زمین کے آلہ کا چاند سے تعلق رہنے کا نتیجہ ہے۔

عالمِ مثال میں روح جن چیزوں کو دیکھ لیتی ہے یا جن لوگوں سے ملاقات وگفتگو کرتی ہے ان تمام چیزوں کا عکس اور گفتگو کو عقل محفوظ کر لیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نیند سے بیدار ہونے کے بعد آدمی کے ذہن میں وہ تمام مناظر وواقعات اور حالات سامنے آجاتے ہیں جو خواب میں پیش آئے تھے۔ اور کبھی عقل، روح کے تمام مشاہدات کو محفوظ نہیں کر پاتی، جس کے باعث آدمی کو نیند سے اٹھنے کے بعد خواب کی تفصیلات یاد نہیں رہتیں۔

ہر انسان کی روح دو قوتوں کے زیرِ اثر رہتی ہے۔ ایک قوت کا نام لمۃ الملک ہے جسے صفتِ رحمانی بھی کہتے ہیں اور دوسری قوت کا نام لمۃ الشیطان ہے جسے قوتِ شیطانی کہتے ہیں۔ پہلی قوت آدمی کو خیر ونیکی کی جانب مائل کرتی ہے اور دوسری قوت شر اور برائی کی جانب مائل کرتی ہے۔ چناں چہ آدمی سے جو بھی فعل صادر ہوتا ہے وہ ان ہی دو قوتوں میں سے کسی ایک قوت کے غالب ہونے کا نتیجہ ہے۔ صفتِ رحمانی غالب آگئی تو آدمی سے اعمالِ صالحہ صادر ہوتے ہیں اور صفتِ شیطانی کا غلبہ ہو گیا تو آدمی سے اعمالِ فاسدہ صادر ہوتے ہیں۔ اگر روح، صفتِ رحمانی سے متصف ہے تو خواب میں عالمِ مثال کی ان چیزوں اور ان لوگوں سے تعلق پیدا کر لیتی ہے جو اس کے ہم صفت ہوتے ہیں اور اگر روح، صفتِ شیطانی سے متصف ہو تو عالمِ مثال کی ان چیزوں

اوران لوگوں سے تعلق پیدا کرلیتی ہے جو اس کے ہم صفت ہیں۔ چنانچہ انسان کا خواب میں بھیانک چیزوں اور خوفناک شکلوں کو دیکھنے کا ایک سبب یہ ہوتا ہے کہ روح، صفتِ شیطانی سے متاثر ہو کر وہاں کی بُری چیزوں سے تعلق پیدا کرلیتی ہے۔ اسی لیے شریعتِ مطہرہ میں آدمی کو باوضو اور چند آیاتِ قرآنی مثلاً آیت الکرسی، معوذتین وغیرہ اور ماثور و مسنون وظائف اور اوراد پڑھ کر سونے کا حکم دیا گیا ہے۔ تاکہ روح صفتِ شیطانی سے مغلوب نہ رہے اور عالمِ مثال کی بُری چیزوں سے تعلق پیدا نہ کرسکے اور خوف ناک خواب دیکھنے سے محفوظ رہ سکے۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی آپ سونے سے قبل آیت الکرسی، سورۃ البقرہ کی آخری دو آیتیں اور معوذتین وغیرہ پڑھ کر اپنے دونوں ہاتھوں پر پھونک لیتے تھے اور سارے بدن پر جہاں تک ہاتھ پہنچ سکتا تھا پھیر لیتے اور قبلہ کی سمت کروٹ لیٹ جاتے۔

جابر رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی شخص خوف ناک خواب دیکھے تو اس کو چاہیے کہ تین بار بائیں جانب تھتکار دے اور اپنی اس کروٹ کو بدل دے جس پہ اس نے خواب دیکھا تھا۔ اور اللہ تعالےٰ سے تین مرتبہ شیطان اور اس کے اثر سے پناہ طلب کرے۔ اور اگر کوئی خوش کن خواب دیکھے تو اللہ کا شکر ادا کرے اور اپنے خیر خواہ کے علاوہ کسی دوسرے شخص کے سامنے بیان نہ کرے۔

یہ اس لیے ہے کہ دوست سنے گا تو اچھی تعبیر دے گا اور دشمن سنے گا تو ایسی تعبیر دے گا جس سے رنج و غم پہنچے گا اور خواب کی تعبیر اکثر و بیشتر اوقات میں وہی ظاہر ہوتی ہے جو پہلا شخص اپنی زبان سے کہتا ہے۔

● خواب کی تین قسم ہیں

ایک رویاء من اللہ آدمی کو یہ خواب صفتِ رحمانی سے متاثر اور متصف رہنے کی وجہ سے دکھائی دیتا ہے۔ یہ منجانب اللہ ہوا کرتا ہے۔

دوسرا رویاء من الشیطان آدمی کو یہ خواب صفتِ شیطانی سے متصف اور متاثر ہونے کی وجہ سے دکھائی دیتا ہے اور یہ من جانب الشیطان ہوا کرتا ہے۔

تیسرا رویاء حدیث النفس آدمی کو یہ خواب خواہشات نفسانی سے متاثر ہونے کی وجہ سے دکھائی دیتا ہے۔

● خواب کی تعبیر اور آیندہ واقعات کے معلوم کرنے کا ذریعہ خواب ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: رویائے صادقہ یعنی سچا خواب نبوت کا چالیسواں حصّہ ہے۔

یہی وہ خواب ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ بعض بندوں کو آئندہ آنے والے حالات اور واقعات سے مطلع فرماتا ہے۔ چنانچہ نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں یہ حقیقت بیان فرمائی ہے:

لم یبق من النبوة الا المبشرات

نبوت کے آثار و علامات میں سے اب مبشرات کے سوا کچھ باقی نہیں رہا۔ صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا: مبشرات کیا ہیں؟ آپؐ نے جواب دیا: خوش خبری دینے والے اچھے خواب۔ جن کو ایک مسلمان شخص اپنے لیے دیکھے یا اس کے لیے کوئی اور شخص دیکھے۔

خواب کی تعبیر بیان کرنا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں کیوں کہ یہ ایک مستقل علم اور فن ہے۔ جس کے اصول وضوابط سے واقف رہنا نہایت ضروری ہے اور اس کا تعلق عالمِ مثال اور عالمِ غیب سے ہے اور وہ اپنے دامن میں ایسے رموز اور ایسے اشارات لیے ہوئے رہتا ہے جن کا تعلق خود خواب دیکھنے والے کی زندگی سے رہتا ہے یا دوسروں کی زندگی سے ہوتا ہے۔ اس لیے خواب ان ہی حضرات کے سامنے بیان کرنا چاہیے جن کے اندر تعبیر خواب کی استعداد و صلاحیت موجود ہو۔ اور معبر اول کی زبان سے جو بات نکلتی ہے وہی خواب کی تعبیر بنتی ہے۔ اسی لیے حدیث میں دشمن اور نااہل کے روبرو خواب بیان کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

اس مقام پہ دو۲، تین۳ خواب نقل کیے جارہے ہیں:۔

علامہ واقدی نے "فتوح الشام" کے واقعہ یرموک میں لکھا ہے کہ

جب اس مقام کی فتح میں تاخیر ہوی اور وحشت ناک خبریں حضرت فاروق اعظمؓ کو پہنچیں تو وہ نہایت متفکر ہوئے۔ اسی اثناء میں حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپؐ ایک باغ میں جلوہ افروز ہیں اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہٗ ہمراہ ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہٗ نے سلام عرض کرنے کے بعد عرض کیا: یارسول اللہ! میرا دل مسلمانوں کے لیے بے چین اور مضطرب ہے۔ خدا جانے ان کی کیا حالت ہے مجھے اطلاع ملی ہے کہ دس لاکھ ساٹھ ہزار دشمن کی فوج مسلمانوں کے مقابلہ پہ آئی ہے۔ حضرت رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم نے اس پہ ارشاد فرمایا: کہ اے عمرؓ خوش ہوجاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی اور ان کے دشمن کو شکست ہوی اور کفار بکثرت مارے گئے پھر آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

تلک الدار الآخرۃ نجعلھا
للذین لا یریدون علوا فی الارض و
لا فسادا والعاقبۃ للمتقین۔
(ہم نے آخرت کا گھران لوگوں کے لیے
مقرر کیا ہے جو زمین پہ نہ برائی چاہتے ہیں اور
نہ فتنہ و فساد ۔ عاقبت تو متقیوں کے لیے
ہے۔)

صبح بعد نماز فجر حضرت عمر فاروق رضی
اللہ عنہ نے مسلمانوں کو یہ خواب اور بشارت
سنائی ۔ سب نہایت خوش ہوے اور اس
خواب کی تعبیر اور تاریخ لکھلی چند دن بعد حضرت
حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فتح کی خوش خبری
کا خط لے مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس
کا مضمون حضرت نبی پاک شہ لولاک ؐ کے
ارشادِ گرامی کے عین مطابق تھا۔

اسی روز فتح ہوی تھی جس روز نبی
کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فتح کی بشارت
دی تھی۔

سید محمد ملا واقدی نے ”فتح دمشق“
کے حالات میں لکھا ہے کہ:

اہلِ اسلام نے اس جنگ میں بہت
تکالیف اٹھائیں اور جب وہ اس امتحان میں
کامیاب ہوگئے تو اس وقت حضرت نبی اکرم صلے
اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ
کے خواب میں تشریف لاکر فرمایا: تفتح المدینۃ
ان شاء اللہ فی ھذہ اللیلۃ (ان شاء
اللہ اسی رات یہ شہر فتح ہو جاے گا۔)
یہ فرما کر آپ ؐ تشریف لے جانے کا ارادہ
ظاہر فرمایا: حضرت ابو عبیدہ ؓ نے عرض کیا
یا رسول ؐ اللہ آپ ؐ بہت جلد تشریف لے جا رہے
ہیں: آپ ؐ نے فرمایا: ابوبکر ؓ کے جنازہ میں جانا
ہے۔

چناں چہ ایسا ہی ہوا۔ اسی شب
فتح ہوی اور دریافت کرنے پہ معلوم ہوا کہ اسی
شب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالے عنہ کا
انتقال ہوا۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جب
مصر تشریف لے گئے تو وہاں آپ سے نبی کریم
صلے اللہ علیہ وسلم نے خواب میں فرمایا کہ: احمد
بن حنبل کو بشارت دو کہ اللہ تعالے قرآنِ مجید
کے بارے میں ان کی آزمائش کرے گا۔ ربیع بن
سلیمان فرماتے ہیں کہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے
ایک خط لکھ کر میرے حوالے کیا کہ میں فوراً اس
خط کو امام احمد بن حنبل ؒ کو پہنچا دوں۔ میں خط
لے کر عراق پہنچا ۔ مسجد میں فجر کے وقت امام
حنبل ؒ سے شرفِ ملاقات حاصل کیا ۔ سلام کرنے
کے بعد خط پیش کیا ۔ مہر توڑی اور پڑھنا شروع
کیا اور آب دیدہ ہو کر فرمایا:

میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالے امام شافعی ؒ
کے قول کو سچ کر دکھائے گا۔ ربیع نے پوچھا خط میں

کیا لکھا ہے۔ تو فرمایا: امام شافعیؒ نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں یہ فرماتے دیکھا کہ اس نوجوان ابو عبد اللہ احمد بن حنبل کو بشارت دو کہ اللہ تعالیٰ دین کے بارے میں اس کو آزمائش میں ڈالا جائے گا اور اس کو مجبور کیا جائے گا کہ قرآن کو مخلوق تسلیم کرے۔ مگر اس کو چاہیئے کہ ایسا نہ کرے۔ جس پر اُسے تازیانے لگائے جائیں گے۔ آخر اللہ تعالیٰ اس کا علم ایسا بلند کرے گا جو قیامت تک نہ لپیٹا جائے گا۔

مذکورہ خوابوں سے جو باتیں معلوم ہو رہی ہیں وہ یہ ہیں:

فتح کی خوش خبری، دشمن کی شکست پیش آنے والے واقعات کی اطلاع، مصائب پر ثابت قدم رہنے کی ہدایت، باطل اور غلط بات کہنے سے پرہیز کرنے کی تلقین اور نبیؐ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا واقعاتِ عالم کا مشاہدہ کرنا۔

خواب کے اندر زماں و مکاں اور موسم و ماحول کی بھی اہمیت ہوا کرتی ہے۔ صبح صادق کے وقت دکھائی دینے والے خواب عموماً سچے ثابت ہوتے ہیں۔ کیوں کہ اس وقت میں روح، عالمِ شہادت کی باتوں سے بالکل آزاد رہتی ہے اور جس قدر وہ عالمِ شہادت کے احساس سے بلند ہو گی اسی قدر خواب ٹھیک ہو گا اور جس وقت وہ عالمِ مثال سے اپنا اتصال و ربط پیدا کر رہی ہے اگر وہ وقت اچھا ہے تو خواب بھی سچا ہو گا۔

بعض خواب ایک ہی ہوتے ہیں۔ لیکن وقت کے فرق کی وجہ سے تعبیر الگ الگ نکل آتی ہے۔ چنانچہ امام سیرینؒ کے پاس ایک شخص آیا اور کہا: امام صاحب! میں نے خواب دیکھا کہ میری چارپائی کے نیچے آگ جل رہی ہے اس کی تعبیر کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا: تمہارا گھر منہدم ہونے والا ہے۔ لہٰذا جلد از جلد اس میں سے بیوی بچوں کو نکال لو۔ چنانچہ یہ شخص گیا اور گھر پہنچ کر ضروری اور اہم ساز و سامان اور اپنی بیوی بچوں کو وہاں سے نکال لیا۔ کچھ دیر گزرنے بعد مکان گر پڑا۔

اس واقعہ کے چند ماہ بعد ایک اور شخص امام ابنِ سیرین علیہ الرحمہ کے پاس آیا اور کہا: امام صاحب! میں نے خواب دیکھا ہے کہ میری چارپائی کے نیچے آگ جل رہی ہے، اس کی تعبیر کیا ہو سکتی ہے؟ آپ نے جواب دیا: تمہارے گھر میں چارپائی کے مقام پر خزانہ موجود ہے۔ اگر کھدوائی کرو گے تو حاصل ہو جائے گا۔ چنانچہ یہ شخص اپنے گھر گیا اور چارپائی کے مقام پر کھدوائی شروع کیا تو وہاں سے ایک بیش قیمت خزانہ برآمد ہوا۔

دونوں شخص نے ایک ہی خواب دیکھا لیکن تعبیریں مختلف اور متضاد نکل آئیں۔ لوگوں نے امام صاحب سے وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا: پہلا شخص جب خواب دیکھا تھا

تو وہ گرمی کا موسم تھا۔ موسم گرما میں چارپائی کے نیچے آگ نظر آنا عمارت منہدم ہونے کی علامت ہے۔ اور دوسرے شخص نے جب یہی خواب دیکھا تھا تو وہ سرما کا زمانہ تھا۔ موسم سرما میں چارپائی کے نیچے آگ ہونا نعمت و راحت کی علامت ہے۔

ایک ہی خواب کی مختلف تعبیروں کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ اگر کوئی شخص رات میں یہ خواب دیکھے کہ وہ سڑک پر بیٹھا ہوا ہے تو اس کی تعبیر نفع و فائدہ اور ترقی ہے۔ اگر یہی خواب دن میں دیکھے تو اس کی تعبیر بیوی کو طلاق دینا ہے۔ چناں چہ امام ابن سیرینؒ خوابوں کی تعبیرات سے متعلق مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں جو اس موضوع پر کافی معلومات فراہم کرتی ہیں۔

بیداری کی حالت میں آیندہ پیش آنے والے واقعات کا مشاہدہ کرنا

اس مقام پر یہ عظیم حقیقت بھی واضح ہو جائے تو مناسب ہے۔ عالمِ مثال سے روح کے تعلق و اتصال اور ربط کا انحصار خواب ہی پر نہیں ہے بلکہ بعض انسانوں کی ارواح بیداری کی حالت میں بھی عالمِ مثال سے ربط اور اتصال پیدا کر لیتی ہیں اور وہاں کے حالات و واقعات اور اشیاء کا مشاہدہ کر لیتی ہیں۔ یہ مقامِ بلند ان حضرات کا ہے جو اپنی جسمانی کثافتوں اور ظلمتوں سے پاک و صاف ہو جاتے ہیں اور ان کی ارواح اس طرح پاکیزگی و لطافت اور نظافت میں اس قدر ترقی کر جاتی ہیں کہ وہ فرشتوں کی جماعت سے مل جاتی ہیں۔ جس کے بعد ان کے لیے کوئی پردہ باقی نہیں رہتا اور وہ تمام چیزوں کو خود بخود یا فرشتے الہام سے موجود شئی اور محسوس چیز کی طرح دیکھ لیتے ہیں۔ جیسا کہ "مرقات" جلد دوم: باب الصلوات علی النبی وفضلھا کے تحت یہ تفصیل درج ہے۔

النفوس الزاکیۃ القدسیہ اذا تجردت عن العلائق البدنیہ واتصلت بالملاء الاعلی ولم یبق لھا حجاب فتری الکل کالمشاھدۃ او باخبار الملک لھا۔

اس طریقہ (بیداری کی حالت میں) سے کوئی صاحبِ بصیرت آدمی عالمِ مثال کی چیزوں اور واقعات کا مشاہدہ کر لے تو اس کو کشفِ رحمانی کہا جاتا ہے۔ انبیاءِ کرام کے معجزات اور اولیاءِ عظام کی کرامات اسی قبیل سے تعلق رکھتی ہیں اور حضرت خضر علیہ السلام نے جس لڑکے کو قتل کر دیا تھا، جس کو دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام پکار اٹھے: [اقتلت نفس زکیہ بغیر حق: آپ نے تو بے گناہ لڑکے کو ناحق قتل کر دیا۔

حضرت خضر علیہ السلام کے ہاتھوں

صادر ہونے والا یہ فعل کشفِ رحمانی کا نتیجہ ہے اور آپ پر یہ حقیقت جو آیندہ ظہور پذیر ہونے والی تھی کھل گئی تھی کہ یہ لڑکا اپنے والدین کو گمراہ کر دے گا۔ چنانچہ اس کی تفصیل سورۂ کہف میں مذکور ہے۔

صحابۂ کرامؓ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ کا یہ ارشاد بھی اسی نوع کی بہترین مثال ہے کہ کس طرح اربابِ بصیرت اور اہلِ کشف پر حقائق اور واقعات کا انکشاف ہو جاتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے اپنی وفات کے وقت اپنی صاحبزادی ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا: میری جائداد کے وارث تمہارے علاوہ تمہارے دو بھائی اور دو بہنیں ہیں۔ اس وقت حضرت عائشہؓ کی ایک ہی بہن حضرت اسماءؓ تھیں۔ مگر حضرت ابوبکرؓ کی اہلیہ (حضرت خارجہ) حاملہ تھیں۔ ان کے بطن سے لڑکی تولد ہوی۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکرؓ کو کشف کے ذریعہ یہ اطلاع ہو گئی تھی کہ انھیں لڑکی تولد ہونے والی ہے۔

حضرت ابوالحسن محوی علیہ الرحمہ ویلوری ایک صاحبِ جذب و استغراق بزرگ تھے اور آپ والئی میسور حضرت ٹیپو سلطان کے معاصر تھے۔ سلطان نے ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں خطیر رقم کا نذرانہ روانہ کیا اور قاصد کے ذریعہ میسور آنے کی دعوت دی۔ آپ نے رقم شکریہ کے ساتھ لوٹا دی اور قاصد سے کہا کہ سلطان سے کہنا: سلطنتِ خداداد کو چھ ماہ بعد زوال آنے والا ہے۔ اگر میں اس وقت آتا ہوں تو سقوطِ سلطنت کے وقت مخلوق کہے گی کہ ابوالحسن کی نحوست سے سلطنت کو زوال آگیا۔ لہٰذا میں آنے سے قاصر ہوں۔ قاصد یہ جواب پاکر واپس ہو گیا اور حضرت محوی کی پیش گوئی کے مطابق ٹھیک چھ مہینوں بعد حضرت ٹیپو سلطان کی میدانِ جنگ میں شہادت واقع ہوی اور میسور پر برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی کا قبضہ ہو گیا۔

اس واقعہ سے صاف ظاہر ہے کہ عالمِ شہادت میں چھ ماہ بعد پیش آنے والے واقعہ کو آج ہی حضرت محوی نے مشاہدہ کر لیا تھا جس کے باعث پورے جزم و یقین کے ساتھ خبر دے دی۔

غرض انسان کے جسم سے روحِ حساسی نکل جانے کے بعد اس کا تعلق بدن کے ساتھ قائم رہتا ہے لیکن روحِ حیاتی جسم سے نکل جانے کے بعد روحِ حساسی کا تعلق بھی بدن سے ختم ہو جاتا ہے جس کے باعث کچھ عرصہ بعد جسم خراب ہونے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ معدوم ہو جاتا ہے لیکن روح معدوم نہیں ہوتی بلکہ وہ ایک اور دنیا میں پہنچ جاتی ہے جس کو عالم

برزخ کہا جاتا ہے۔ جہاں اسے مثالی جسم
میسر آجاتا ہے۔ لیکن وہ یہاں دنیاوی
زندگی کی طرح اس جسم کے حصار میں مقید
نہیں رہتی بلکہ اس کا موجودہ جسم اس کے
حصار میں مقید رہتا ہے۔ دنیاوی زندگی میں
وہ پوشیدہ تھی اور جسم نمایاں تھا لیکن برزخی
زندگی میں روح نمایاں اور جسم پوشیدہ۔ دنیا
میں روح اس کے تابع اور برزخ میں روح اصل اور
جسم اس کے تابع۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی زندگی میں
روح کو ہر راحت و تکلیف جسم کے واسطے سے پہنچا کرتی تھی
لیکن اب ہر لذت و تکلیف پہلے روح کو پہنچے گی
پھر جسم متاثر ہوگا۔

روح کی تیسری منزل عالمِ برزخ

روح کی تیسری منزل یہی عالم برزخ
ہے۔ جس کے متعلق سے قرآنِ کریم میں یہ
آیت موجود ہے۔

یثبت اللہ الذین آمنوا بالقول
الثابت فی الحیوۃ الدنیا و فی الآخرہ

جو لوگ ایمان سے مشرف ہوئے اللہ تعالٰے
ان کو زندگی میں اور آخرت میں قول ثابت (کلمۂ
توحید) پر قائم اور مضبوط رکھے گا

یہاں آیت میں آخرت سے مراد عالمِ
برزخ ہے اور برزخ یعنی قبر آخرت کی منزلوں
میں پہلی منزل ہے۔ زبانِ نبوت نے ارشاد
فرمایا: القبر اول منزل من منازل
الآخرۃ۔

برزخ کا لفظ قرآنِ مجید میں دو تین
مقامات پر موجود ہے۔ روح قبض کرنے کے
وقت کے بیان میں ہے: من ورائھم برزخ
الی یوم یبعثون۔ ان مرنے والوں کے پیچھے
ایک پردہ ہے اس دن تک جب کہ وہ قیامت
میں اٹھائے جائیں گے۔

اس سے مراد دو چیزوں کے درمیان کا پردہ
ہے۔ چنانچہ سورۂ رحمٰن میں یہی مفہوم
ادا کیا گیا ہے۔ بینھما برزخ لا یبغیان
ان دونوں میٹھے اور کھارے دریاؤں کے درمیان
میں ایک پردہ ہے جس سے ایک دوسرے کے
اوپر چڑھ کر نہیں جاتا ہے۔

برزخ کا یہی مفہوم یہاں بھی ہے کہ
اللہ نے عالمِ شہادت اور عالمِ آخرت کے
درمیان ایک منزل رکھا ہے اسی مقام کا نام
برزخ ہے۔ برزخ کے لیے قبر کا لفظ بھی مستعمل
ہے۔ لیکن قبر صرف چھ گز کے گڑھے کا نام نہیں
بلکہ ہر وہ مقام ہے جہاں مرنے کے بعد جسم
نے جگہ حاصل کی۔ خواہ وہ دریا، فضا، جانور
یا اور کوئی مقام ہو وہی انسان کی قبر ہے جہاں
سے وہ قیامت کے روز اٹھائے جائیں گے۔
وان اللہ یبعث من فی القبور: بیشک

اللہ ان کو جو قبروں میں ہیں، دوبارہ زندہ اٹھائے گا۔

برزخی زندگی میں روح کے لیے سماعت کلام، ادراک، احساس، ثواب اور عقاب ثابت ہے لیکن یہاں کی زندگی کو دنیاوی زندگی پر قیاس نہیں کیا جا سکتا اور یہ عقل و فہم اور ادراک کے دائرہ سے خارج ہے۔

علامہ سیوطی نے اپنی کتاب "اللمعۃ فی اجوبۃ الاسئلۃ السبعۃ" میں ایسی حدیثوں کو جمع کیا ہے جن سے برزخی زندگی میں سماعت، احساس، ادراک، احیاء کا علم اور ارواح کا باہم ملنا ثابت ہوتا ہے۔

عن ابی ھریرۃ قال اذا مر الرجل بقبر یعرفہ فیسلم علیہ رد علیہ السلام: آدمی کسی قبر سے گزرے جس کو وہ پہچانتا تھا تو صاحبِ قبر اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

عن ابن عمر قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان روحی المومنین یلتقیان:

حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو مومن کی روحیں ایک دوسرے سے ملاقات کرتی ہیں۔

بخاری شریف کی حدیث ہے:

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر سے فارغ ہونے کے بعد ایک جگہ جہاں کافروں کی لاشیں اور میتیں پڑی ہوئی تھیں مخاطب ہو کر فرمایا: ھل وجدتم ما وعد ربکم حقا: کیا تمہارے پروردگار نے تم سے جس کا وعدہ کیا تھا، وہ پورا ہوا؟ اس سوال پر حضرت عمرؓ نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اتتکلم من اجساد لیس فیھا ارواح یا رسول اللہ! آپ ایسے جسموں سے کلام کر رہے ہیں جن کے اندر روح نہیں ہے۔ اس پر نبی کریمؐ نے فرمایا: ما انتم باسمع منھم ولکنھم لا یجیبون: وہ تم سے زیادہ سن سکتے ہیں لیکن جواب نہیں دے سکتے۔

ابن عینیہ کے ماموں کے لڑکے فضل کا بیان ہے کہ

جب میرے والد کا انتقال ہو گیا تو مجھے انتہائی درجہ رنج اور غم لاحق ہوا۔ میں اُن کی قبر پر روزانہ بلا ناغہ حاضری دیتا رہا۔ پھر کچھ دن تک نہ جا سکا۔ ایک روز اُن کی قبر پر پہنچا اور اس کے پاس بیٹھ گیا۔ اتفاق سے نیند آ گئی۔ میں نے دیکھا کہ والد صاحب کی قبر شق ہو گئی وہ قبر کے اندر کفن میں لپٹے بیٹھے ہوئے ہیں۔ مجھ سے یہ منظر دیکھا نہ گیا۔ اور میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگے۔ والد نے پوچھا: میرے بیٹے! تمہیں اتنے دنوں کے بعد ادھر آنے کا خیال ہوا؟ میں نے کہا: ابا جان کیا آپ کو میرا آنا جانا معلوم ہوتا ہے: فرمایا تم جب بھی یہاں آئے، تمہاری آمد سے میں باخبر

ہوگیا۔ تمہارے آنے سے اور تمہاری دعاؤں سے نہ صرف میں بلکہ یہاں آس پاس کے لوگ بھی خوش اور مانوس ہوتے ہیں۔

اس خواب کے بعد میں نے کبھی ان کی زیارت کے لیے کوتاہی نہیں کی۔

● ارواح کا مستقر اور ٹھکانہ

عالم برزخ میں پہنچنے کے بعد ارواح کے رہنے کی جگہ کہاں ہے؟ اس مسئلہ میں اہلِ علم کی مختلف رائیں پائی جاتی ہیں۔ ان میں راجح اور جائز قول یہ ہے کہ روحوں کے رہنے کا کوئی ایک مقام اور مستقر نہیں ہے بلکہ ان ان کے مقام و مرتبہ اور فضیلت و منزلت اور عمل کے اعتبار سے مختلف مقامات میں رہتی ہیں۔

مومنین کی روحیں علیین میں رہیں گی جو ساتویں آسمان پر عرش کے زیرِ سایہ ایک مقام ہے۔ جس میں اہلِ ایمان کے اعمال نامے رکھے جاتے ہیں۔ علیین سے مراد انتہائی درجے کی رفعت و بلندی اور مقام عیش و سرور ہے کلا ان کتب الابرار لفی علیین (تطفیف)

بے شک مومن کے اعمال نامے سب سے اونچی جگہ علیین میں ہے۔

اور کافروں کی روحیں سجیین میں رہیں گی جو ساتویں زمین میں انتہائی تنگ و تاریک اور پست جگہ کا مقام ہے۔ جس میں اہلِ کفر کے اعمال نامے رکھے جاتے ہیں۔ اور اسی میں کافروں کی ارواح قید و بند اور صعوبت و تکلیف میں گرفتار رہیں گی۔ کلا ان کتب الفجار لفی سجیین (تطفیف)

بے شک کافروں کے اعمال نامے سب سے نیچی اور اسفل جگہ سجیین میں ہیں۔

براء بن عازب رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں: کہ

ایک مرتبہ ہم لوگ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ہم راہ ایک انصاری بھائی کے جنازہ میں شریک ہوئے۔ قبر کی کھدوائی اور تیاری میں کچھ دیر ہو رہی تھی تو آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور ہم سب ایک جگہ بیٹھ گئے۔ سب پر سکوت طاری تھا اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک میں ایک چھڑی تھی جس سے آپؐ زمین کرید نے لگے۔ پھر سر مبارک اٹھایا اور ہم سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے:

عذابِ قبر سے بچو اور اس سے پناہ مانگو یہ جملہ آپؐ نے دو تین مرتبہ دھرایا۔ اس کے بعد مومن اور کافر کی موت کے بارے میں ارشاد فرمایا:

جب مومن بندہ دنیا سے جدا ہوتا ہے اور آخرت کی جانب متوجہ ہوتا ہے تو اس کے پاس ایسے نورانی فرشتے آتے ہیں جن کے چہرے

آفتاب کی طرح چمکتے ہوں گے اور ان کے ساتھ جنّت کا کفن اور جنّت کی خوشبوئیں ہوتی ہیں اور عزرائیل علیہ السلام اس بندۂ مومن کی نظروں کے سامنے بیٹھ جاتے ہیں اور فرماتے ہیں: یا ایتھا النفس المطمئنة ارجعی الیٰ ربك راضیة مرضیة فادخلی فی عبادی وادخلی جنّتی۔

اے نفس مطمئنہ! اپنے رب کی جانب لوٹ جا اس حال میں کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی ہے۔ پھر میرے خاص بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنّت میں داخل ہو جا

یہ مسرت آمیز پیغام سُن کر مؤمن کی روح اس کے جسم سے خوشی خوشی آسانی کے ساتھ اس طرح نکل جاتی ہے جس طرح کہ مشکیزہ سے پانی نکل جاتا ہے۔ سب سے پہلے حضرت عزرائیل اس روح کو اپنے ہاتھوں میں لیتے ہیں پھر اس کے بعد ان کے ہاتھ سے دوسرے فرشتے لے کر کفن اور خوشبوؤں میں لپیٹ دیتے ہیں اور روح کو لے کر اوپر چڑھتے ہیں۔ راستے میں دوسرے فرشتے ملتے ہیں تو وہ پوچھتے ہیں: کیا یہی سعید روح ہے۔ اس پر فرشتے اس کا نام بتاتے ہیں، جس نام سے وہ دنیا میں پکارا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ فرشتے اس کی روح کو آسمانِ دنیا تک لے جاتے ہیں۔ پھر ایک آسمان سے دوسرا آسمان اور دوسرے سے تیسرا آسمان یہاں تک کہ ساتویں آسمان تک لے جاتے ہیں۔ اس وقت اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ میرے بندے کے اعمال نامے علیین میں محفوظ کر دو اور اس کی روح کو دنیا کی طرف لوٹا دو۔ پھر روح جسم کی طرف لوٹا دی جاتی ہے۔ اس کے بعد اس کے نزدیک دو فرشتے آتے ہیں اور اُسے بٹھا کر پوچھتے ہیں: من ربّك، من نبیك، وما دینك

تیرا رب کون ہے؟ تیرے نبی کون ہیں اور تیرا دین کیا ہے؟ وہ جواب دیتا ہے: میرا رب اللہ تعالےٰ ہے اور میرے نبی محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہیں اور میرا دین اسلام ہے۔

اس پر غیبی آواز پیدا ہوگی۔ صدق عبدی فافرشوہ من الجنّة والبسوہ من الجنّة وافتحوا له بابا من الجنّة

میرے بندے نے سچ کہا۔ اس کے لیے جنّت کے دروازے کھول دو۔ اس کے لیے جنّت کا فرش بچھا دو اور اسے جنّت کا لباس پہنا دو۔

اس کے بعد اس کی قبر وسیع کر دی جاتی ہے۔ جہاں تک نگاہ پہنچ سکتی ہے۔ اسی کے ساتھ ہی اسے جنّت کی ہوائیں، خوشبوئیں، راحتیں اور لذّتیں پہنچنی شروع ہو جاتی ہیں اور اس کے پاس ایک ایسا شخص نمودار ہوتا ہے، جو انتہائی حسین وجمیل ہوتا ہے اور اس سے خوش بو پھوٹ پڑتی ہے۔ وہ کہتا ہے اس چیز کی بشارت ہو

جو تجھے خوش کرنے والی ہے ۔ یہی وہ دن ہے جس کا
تجھ سے وعدہ کیا گیا تھا ۔ بندۂ مومن اس شخص
کی جانب متوجہ ہوتا ہے اور اس سے پوچھتا ہے تم
کون ہو؟ تمہارے چہرے سے بھلائی اور نیکی
ٹپک رہی ہے ۔ وہ جواب دیتا ہے ۔ میں تمہاری
نیکیاں اور تمہارے اعمال صالحہ ہوں گے ۔

عبادہ بن صامت رض کی روایت ہے
کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من احب لقاء اللہ احب اللہ
لقائہ ومن کرہ لقاء اللہ کرہ اللہ لقائہ

جو شخص اللہ تعالےٰ سے ملنے کو پسند کرتا
ہے اللہ تعالےٰ بھی اس سے ملنا پسند کرتا ہے
اور جو اللہ تعالےٰ سے ملنا پسند نہیں کرتا اللہ تعالےٰ
بھی ایسے شخص سے ملنا پسند نہیں کرتا ۔

یہ ارشادِ نبوی سُن کر حضرت صدیقہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ
اللہ سے ملنا تو موت ہی کے ذریعہ ہو سکتا ہے
لیکن موت تو کسی کو پسند نہیں! آپ ؐ نے
جواب دیا یہ بات نہیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ
مومن کو موت کے وقت فرشتوں کے ذریعہ اللہ
کی رضا اور جنت کی بشارت دی جاتی ہے ۔
جس کو سن کر مومن کو موت محبوب ہو جاتی ہے
اسی طرح کافر کو موت کے وقت عذاب اور سزا
سامنے کر دی جاتی ہے اس لیے اس کو اس وقت
موت سے بڑھ کر مکروہ اور بُری چیز کوئی نہیں ہوتی ۔

علامہ اقبال مرحوم نے موت کے وقت کی
مومنانہ شان کو اس شعر میں پیش کیا ہے: ؎

نشانِ مردِ مومن با تو گویم!
چو مرگ آید تبسم بر لب اوست

احادیث میں جس طرح ایک مومن
بندے کی روح کے حالات بیان کئے گئے ہیں اسی
طرح کافر کی روح کے حالات بھی بیان کئے گئے
ہیں، جو مومن کو پیش آنے والے حالات کا عکس
اور ضد ہیں ۔ چناں چہ کافر کی موت کے وقت فرشتوں
کا خوف ناک شکل میں نمودار ہونا اور اس کی روح
کو سختی کے ساتھ قبض کرنا اور اس کے لیے آسمانوں
کے دروازے نہ کھلنا اور قبر میں منکر نکیر کے سوال
کے جواب نہ دینے پر قبر کا تنگ ہونا اور جہنم کے
عذاب پہنچنے کا سلسلہ شروع ہونا اور اس
کی روح کو سجیین میں قید رکھنا وغیرہ ثابت
ہے ۔ چناں چہ بخاری شریف میں حضرت انس رض
کی روایت ہے کہ جب مردہ کو قبر میں لٹا کر اس
کے احباب چلا جاتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آواز
سنتا ہے اور اس کے بعد دو فرشتے آتے ہیں اور
آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دریافت
کرتے ہیں: ماذا تقول فی شان ھذا الرجل؟
مومن جواب دیتا ہے محمد اللہ کے بندے
اور رسول ہیں ۔ کافر اور منافق جواب دیتا ہے
لا ادری ۔ میں انھیں نہیں جانتا ۔ اس جواب پر
فرشتے عذاب دینے لگتے ہیں، جس پر وہ چیختا ہے ۔

اوراس کی آواز انسانوں اور جنّوں کے
علاوہ ساری مخلوقات سُنتی ہیں۔
امام ترمذی کی روایت ہے: کہ
مومن کا جواب سُن کر فرشتے فرماتے ہیں نم
کنومۃ العروس
اس دولھے کے مانند سو جاؤ جس کو
اس کی اہلیہ کے سوا کوئی نہیں جگاتا۔

روح عذاب یا ثواب سے دوچار رہے گی

علّامہ تقی الدّین سبکی شافعیؒ فرماتے
ہیں:
سوال کے وقت میّت کی روح جسم
کی طرف لوٹا دی جاتی ہے۔ اگر میّت نیک اور
صالح ہو تو اس وقت سے لے کر قیامت تک
انعام الٰہی سے مستفیض ہوتی رہے گی اور اگر
معاملہ برعکس رہے تو میّت قیامت تک دردناک
عذاب میں گرفتار رہے گی۔
براء بن عازب کی روایت کے مطابق
روحیں ان کی قبروں میں رہتی ہیں۔
عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ
کی روایت کے مطابق: شہداء کی روحیں سبز
پرندوں کے پوٹوں میں ہوں گی جو جنت کے
باغوں میں سیر کرتی رہیں گی۔
عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ
کی روایت کے مطابق: روحیں جنّت کے دروازے
دروازے والی نہر کے کنارے سبز گنبد میں ہوں
گی اور جنّت سے صبح اور شام ان کی روزی ان
کے پاس آتی رہے گی۔
اور جعفر ابنِ ابی طالب رضؓ کے تعلق سے
نقل کردہ روایت کے مطابق: ان کی روح جنّت
میں ہے اور اللہ سے انھیں دو ہاتھوں کے بدلے
میں دو پر دے دیے ہیں اور وہ جنّت میں
جہاں چاہیں اڑ کر پہنچ جاتے ہیں۔
نسائی کی روایت کے مطابق: مومن
کی روح ایک پرندے کی شکل میں جنّت کے
درختوں میں معلق رہے گی۔ یہاں تک کہ قیامت
کے روز پھر اپنے جسم میں لوٹ آئے گی۔
بعض روایات کے مطابق سفلی
روحیں زمین ہی میں محبوس رہتی ہیں اور گندی
روحیں گندی روحوں کے ساتھ تعلق قائم کر لیتی
ہیں اور علوی روحیں ملاءِ اعلیٰ اور عالمِ بالا سے
تعلق پیدا کر لیتی ہیں۔ مومنین کی روحیں علیین
میں رہتی ہیں اور کافروں کی روحیں سجیین میں
رہتی ہیں۔
قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں:
یہ بات بعید نہیں ہے کہ روحوں کا اصل
مستقر علیین اور سجیین رہتے ہوئے بھی ان روحوں
کا ایک خاص رابطہ قبروں کے ساتھ بھی ہو اور
اس رابطہ کی حقیقت تو اللہ ہی بہتر جان سکتا ہے
جس طرح آفتاب اور ماہتاب آسمان میں ہیں

اوران کی شعاعیں زمین پر پڑ کر اس کو روشن
کردیتی ہیں اور گرم بھی کر دیتی ہیں۔ اسی طرح
علیین اور سجیین کی ارواح کا کوئی معنوی
رابطہ قبروں کے ساتھ ہو سکتا ہے۔

علامہ ابن قیم فرماتے ہیں:

ارواح دو قسم کی ہیں۔ عذاب و عقاب
میں مبتلا روحیں اور راحت و ثواب میں رہنے
والی روحیں۔ عذاب میں گرفتار روحیں تو
ایک دوسرے سے مل نہیں سکتیں البتہ
راحت میں رہنے والی روحیں آپس میں ملتی
ہیں۔ ان پر کیا گزری، دنیا والوں پر کیا گزرتی
ہے ایک دوسرے سے بات چیت کرتی ہیں
ہر ایک شخص کی روح اپنے اس ساتھی کی روح
ساتھ ہوگی جس کا عمل اس جیسا ہوگا ہمارے
نبی محترم صلے اللہ علیہ وسلم کی روح اقدس
رفیق اعلیٰ کے ساتھ ہوگی ومن یطع اللہ
والرسول فاولئک مع الذین انعم
اللہ علیہم من النبیین والصدقین
والشھداء والصالحین

اور یہ معیت دنیا میں بھی ثابت ہے۔
اور برزخ میں بھی ثابت ہے اور آخرت میں
بھی ثابت ہے۔ المرء مع من احبہ
ہر شخص ان تینوں مقامات میں انھیں لوگوں کے
ساتھ ہوگا جن کے ساتھ اُسے محبت و
الفت ہوتی ہے۔

انبیاے کرام کی روحوں کا مستقر اور مسکن

ملاء اعلیٰ اور اعلیٰ علیین ہے اور ان کا جسم
بھی روح کی طرح لطیف اور نظیف ہے اور وہ
قبر میں گلنے اور سڑنے سے محفوظ ہے۔ اور ان حضرات
کو سارے عالم میں سیر کی قدرت بھی عطا کی گئی ہے
یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے
سفر معراج کے موقعہ پر بعض انبیاے کرامؑ سے
ملاقات کی جو اس وقت آسمانوں میں جلوہ افروز
تھے۔ جب نبیؐ کریم صلے اللہ علیہ وسلم بیت المقدس
تشریف لائے تو سارے انبیائے کرام وہاں
موجود ہوئے اور اس وقت آپؐ نے نماز ادا
کی جس کے امام آپؐ ہی رہے اور انبیائے کرام
نے آپؐ کی اقتدا و پیروی کی۔

جس سے ہمیں معلوم ہوا کہ انبیائے
کرام روح اور جسم کے ساتھ زندہ ہیں اور
معراج کے سارے واقعات بیداری کی حالت
میں پیش آئے، جس پر امّت کا اتفاق ہے۔
قبروں میں انبیائے کرام کے جسم کی حفاظت و
سالمیت اور یہاں بھی عبادت و ذکر الٰہی اور
مختلف مقامات پر تشریف لے جانے کی قوت
سے متعلق ان احادیث سے روشنی ملتی ہے۔

ان اللہ حرم علی الارض ان
تاکل اجساد الانبیاء

اللہ تعالےٰ نے زمین کو منع کردیا کہ وہ
انبیاء کرام کے جسموں کو کھائے۔

انبیاءؑ کے جسم محفوظ اور ارواح آزاد و بے قید ہیں

الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون : انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز ادا کرتے ہیں۔ مسلم شریف کی حدیث ہے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے انبیاء کی جماعت دکھلائی گئی۔ اچانک میری نظریں موسیٰ علیہ السلام پر جم گئیں۔ وہ محو نماز تھے اور ایسے لگ رہے تھے جیسے قبیلۂ شنوہ کے لوگوں میں سے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی میں نے حالت نماز میں پایا۔ وہ عروہ بن مسعود ثقفی سے مشابہت رکھتے ہیں اور حضرت ابراھیم علیہ السلام کو بھی دیکھا نے نماز پڑھتے دیکھا تھا۔ وہ تمہارے صاحب (مراد حضور صلے اللہ علیہ وسلم) کے مانند ہیں۔ اتنے میں نماز کا وقت آگیا میں نے ان حضرات کی امامت کی۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **کانی انظر الی موسیٰ یلبی :** میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام لبیک لبیک کہتے ہوئے میدان عرفات کی طرف جارہے تھے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے طواف کرتے ہوئے ایک شخص کو دیکھا جس کا سینہ وسیع و عریض قدموزوں، چہرہ سرخ اور انتہائی تروتازہ گویا ابھی حمام سے غسل کر کے نکلے ہوں کہ زلفوں سے پانی ٹپک پڑے۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے ان کے متعلق پوچھا۔ یہ صاحب کون ہیں؟ جو طواف کر رہے ہیں۔ عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ مسیح ابن مریمؑ ہیں۔

ایک اور حدیث میں آپؐ فرماتے ہیں میں نے یونس علیہ السلام کو حج کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ وہ اونٹنی پر سوار تھے اور ان کی اونٹنی کی نکیل اون اور صوف کی تھی۔

شیخ الہند شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ "اشعۃ اللمعات، شرح مشکوٰۃ شریف میں فرماتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کی حیات کا مسئلہ ایسا ہے جس پر سب کا اتفاق ہے۔ کسی کو اختلاف نہیں اور یہ حیات جسمانی ہے، جیسی کہ دنیا میں تھی ان کی زندگی کو روحانی اور معنوی نہ سمجھا جائے۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی برزخی زندگی کے بارے میں علامہ سیوطی کا یہ بیان پڑھ لیجیے جو تنویر الحوالک، شرح موطا امام مالک میں موجود ہے:

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اپنے جسم اطہر

اور روحِ اطہر کے ساتھ زندہ ہیں۔ آپؐ تصرف فرماتے ہیں اور اقطار زمین و عالمِ ملکوت میں جہاں چاہے تشریف لے جاتے ہیں۔ آپؐ بغیر کسی تبدیلی کے اسی ہیئت میں موجود ہیں جس میں وصال سے پہلے تھے۔ تمام انبیائے کرام کی بھی یہی کیفیت ہے کہ وصال کے بعد ان کی ارواح اجسام کی طرف واپس آگئی ہیں اور ان کو قبروں سے نکل کر زمین و آسمان میں تصرف کی اجازت دے دی گئی ہے۔

مسئلہ تصرف کی بات سُن کر یا پڑھ کر بعض حضرات چیں بہ جبیں ہو جاتے ہیں۔ حالاں کہ یہ مسئلہ بہت ہی سیدھا سادا اور صاف ہے جس کے اندر کسی قسم کی الجھن، پیچیدگی اور گنجلک نہیں ہے۔ تصرف کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنی قدرت اور اپنی مرضی اور اپنے حکم سے انبیاء کرام اور اولیائے کرام کے ہاتھ سے عالمِ کون میں تصرف کرا دیتا ہے۔ یہ تصرف اگرچہ کہ ان ہی کے ہاتھ سے ہوتا ہے، لیکن وہ دراصل اللہ تعالےٰ کا فعل اور اللہ تعالےٰ کا تصرف ہوتا ہے۔ ان حضرات کے ہاتھ سے ظاہر ہونے کی وجہ سے اس تصرف کی نسبت ان انبیاء اور اولیاء کی طرف کر دی جاتی ہے۔ اگر تصرف انبیائے کرام سے ظاہر ہو تو معجزات کہیں گے اور اگر اولیائے کرام سے صادر ہو تو کرامات کہیں گے۔ اور تصرف کا عقیدہ برحق ہے۔

حیات النبی صلے اللہ علیہ وسلم سے متعلق علامہ سیوطی علیہ الرحمہ کے مذکورہ موقف کی مزید تفصیل علامہ ابنِ قیم کی اس تحریر سے بھی ہوتی ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

سرورِ انس و جان صلے اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک اعلیٰ علیّین میں رفیقِ اعلیٰ میں ہے، جہاں دوسرے انبیاء علیہم السلام کی ارواحِ مقدسہ بھی ہیں۔ پس روح مبارک تو وہاں ہے اور وہیں سے اسے روضۂ منورہ میں رکھے ہوئے جسدِ اطہر کے ساتھ اتصال ہو رہا ہے۔ روح اور بدن کا ایسا قوی تعلق قائم ہو چکا ہے کہ آپ اپنی قبر شریف میں نماز پڑھتے ہیں اور ہر سلام کرنے والے کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔

روح اور بدن کے اس تعلق کی بناء پر آپؐ نے شب معراج میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے دیکھا تھا۔ یہ تو طے شدہ بات ہے کہ انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ بیداری کے عالم میں بحالتِ سفر حضرات موسیٰ اور یونس علیہما السلام کو وادی ازرق میں لبیک پڑھتے ہوئے خاص ہیئت اور لباس میں دیکھا تھا۔

آپؐ نے ایک مرتبہ یہ بھی فرمایا:
میں نے وادیٔ عسفان میں حضرت
نوح، حضرت ہود اور حضرت ابراہیم علیہم
السلام کو دیکھا۔ وہ سرخ اونٹوں پر سوار
تھے اور ان کی مہاریں کھجور کی چھال کی تھیں۔
اور یہ واقعات شب معراج کے نہیں
ہیں بلکہ دوسرے مواقع کے ہیں۔
شیخ عبداللہ بن الشیخ محمد ابن عبدالوہاب
"الھدیۃ السنیۃ" میں لکھتے ہیں:
"ہمارا عقیدہ اور ایمان یہ ہے کہ رسول
اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا درجہ اور مرتبہ تمام
مخلوقات میں سب سے افضل اور اعلیٰ ہے اور
آپؐ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپؐ کی یہ حیات
"حیاتِ برزخی" ہے اور یہ شہداء کی حیات
سے زیادہ بلند درجے کی ہے۔ کیوں کہ بلاشک و
شبہ آپؐ شہداء سے افضل ہیں۔ اور آپ
سلام عرض کرنے والوں کا سلام سنتے ہیں۔"
مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی
"شمائم امدادیہ" میں فرماتے ہیں:
اگر احتمال نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم
کی تشریف آوری کا کیا جائے تو کوئی مضائقہ
نہیں۔ کیوں کہ عالمِ خلق (دنیا) مقید بزماں اور
مکان ہے۔ لیکن عالمِ امر (روح کی دنیا) دونوں
سے پاک ہے۔ پس قدم رنجہ فرمانا ذاتِ بابرکت
کا بعید نہیں۔ (نزدیکی اور دوری کی قید عالمِ خلق
کے لیے ہے۔ عالمِ امر کے لیے نہیں۔ روح زمان و
مکان کی قید سے آزاد ہوتی ہے۔ جب عالمِ ارواح
اس قید سے مقید نہیں ہیں تو پھر حضور انور صلے
اللہ علیہ وسلم کی روح اقدس جو روح الارواح
ہے وہ کیوں کر قرب و بُعد کی قید سے مقید ہو سکتی ہے)
غرض عالمِ برزخ جو دنیا اور آخرت کے
درمیان کی منزل ہے جہاں روح پہنچنے کے بعد
دونوں عالم سے تعلق رکھتی ہے۔ چنانچہ قبر کے
تعلق سے حدیث میں کہا گیا ہے کہ وہ جنّت کے
باغات میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کی وادیوں میں
سے ایک وادی ہے۔ القبر اما روضة
من رياض الجنة او حفرة من حفر
النيران
روح قبر کے اندر جنّت کی نعمتوں
راحتوں اور لذّتوں کی معمولی سی جھلک دیکھتی
اور محسوس کرتی ہے تو یہ تمنّا اور آرزو کرنے لگتی
ہے یہاں سے نکل کر عیش و تنعم اور سرور و نشاط
سے بھرپور جنّت میں پہنچ جاؤں، جیسا کہ نبیٔ کریمؐ
کی اس حدیث میں اس کی یہ آرزو بیان کی گئی ہے
ہے: یارب اقم الساعة: اے اللہ!
تو جلد قیامت قائم فرما
ایک طرف روح کی توجّہ آخرت کی
جانب رہے گی تو دوسری طرف اس کی توجّہ دنیا کی
طرف بھی رہے گی۔ چنانچہ حدیثوں میں ہے کہ
وہ اپنے اہل و عیال اور متعلقین کے لیے دعا کرتی

ہے کہ اے اللہ میرے عزیزوں کو اس وقت تک موت نہ دے جب تک کہ وہ اپنے گناہوں سے توبہ واستغفار نہ کرلیں۔ ان لوگوں کو بھی پاک و صاف کرکے یہاں پہنچا جیسا کہ تو نے مجھے پہنچایا ہے
جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے : قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان اعمالکم تعرض علی عشائرکم و اقربائکم فی قبورھم فان کان خیرا استبشروا وان کان غیرذلک قالوا اللّٰھم الھمھم ان یعملوا بطاعتک
نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے اعمال، تمہارے اقرباء پر پیش کئے جاتے ہیں اگر وہ اعمال اچھے ہوں تو خوش ہوتے ہیں اور اگر بُرے ہوں تو دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! تو اپنی طاعت پر انہیں توفیق عطا فرما۔

ارواح کا سُننا

ایک اہم مسئلہ جو لوگوں کے درمیان بحث ونزع اور اختلاف کی صورت میں ابھرتا ہے وہ ہے سماعِ موتیٰ۔
اور اس آیت وما انت بمسمع من فی القبور بنیاد بنا کر یہ کہا جاتا ہے کہ مردے سنتے نہیں ہیں۔ جس سے سماعت کی نفی ثابت ہورہی ہے۔ اس کا جواب بعض مفسرین کے نزدیک یہ ہے کہ یہاں مردوں سے مراد کفار ہیں۔ مردے میں حقیقی مردہ، جسم ہے وہ سُن نہیں سکتا مگر اس سے روح کے سننے کی نفی لازم نہیں آتی۔ مذکورہ آیت میں سماعِ موتیٰ کی نفی ہے سماعِ ارواح کی نفی نہیں۔
اس مقام پر شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا تحریر کردہ فتویٰ نقل کردینا مناسب اور مفید معلوم ہوتا ہے جو اس مسئلہ پر محیط ہے:
چہ می فرمایند علمائے دین اندرین معنی کہ بعد موت انساں را ادراک وشعور باقی می ماند۔ چناں کہ زائرین قبور خود را شناسد وسلام و کلام شاں شنود یا نہ؟
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ موت کے بعد انسان کو ادراک اور شعور باقی رہتا ہے یا نہیں؟ اور مردے اپنے زائرین کو پہچانتے ہیں یا نہیں؟ اور ان کے سلام وکلام کو سن سکتے ہیں یا نہیں؟
شاہ صاحب نے جواب دیا:
انساں را بعد موت شعور وادراک باقی ماند وبریں معنی شرع شریف وقواعدِ فلسفی اجماع دارد۔ پس عذابِ قبر، وتنعیم قبر بتواتر ثابت است وعذاب وتنعیم بغیر ادراک وشعور نمی تواند شد ونیز در احادیث صحیح در بابِ زیارت قبور، وسلام بر موتیٰ وہم کلامی باآنہا انتم سلفنا ونحن بالاثر وانا ان شآء اللہ بکم لاحقون موجود است۔

انسان کو موت کے بعد شعور و ادراک باقی رہتا ہے اور اس پر شریعت اور قواعدِ فلسفہ کا اجماع ہے۔ شریعت کی رو سے قبر کے اندر روح کے لیے عذاب و ثواب اور راحت و تکلیف ثابت ہے۔ اور عذاب و ثواب کے لیے احساس و شعور اور ادراک کا ہونا ضروری ہے۔ جس کے بغیر عذاب اور ثواب دونوں بیکار سی بات ہوگی اور صحیح حدیثوں میں موتی پر سلام و کلام کا ذکر موجود ہے۔ جس سے اس بات کی جانب اشارہ ملتا ہے کہ روح میں ادراک و شعور اور سماعت کی قوت موجود ہے۔ ورنہ ان کو سلام کرنے کا حکم اور عذاب و ثواب کا ذکر کیا معنیٰ رکھتا ہے۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت زید بن خارجہ کا تصرف پر مبنی ایک واقعہ ملاحظہ کیجیے کہ:

انھوں نے موت کے بعد گفتگو کی جس میں فتنوں، ہنگاموں اور بئر اریس کے متعلق لوگوں کو بتلایا۔

چناں چہ وہی ظہور پذیر ہوا جس کی انھوں نے اطلاع دی تھی۔ امام بخاری وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت زید نے انتقال کے بعد کلام کیا۔ ذکر البخاری وغیرہ انہ تکلم بعد الموت

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں آپ کا انتقال ہوا اور آپ کا جنازہ تیار ہو گیا۔ اور لوگ امیر المومنین عثمان بن عفان کے آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ حضرت زید نے حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا: السلام علیکم انصتوا انصتوا؛

لوگو! خاموش ہو جاؤ اور میری بات غور سے سنو۔ اس کے بعد انھوں نے حضرت رسول اللہ کے بارے میں شہادت دی اور خلیفہ اوّل حضرت صدیق اکبرؓ اور خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ کے بارے میں ان کے صدق اور امانت کی شہادت دی۔ اس کے بعد خلیفہ ثالث حضرت عثمان ابن عفانؓ کے بارے میں فرمایا: اب تک چار سال گزر چکے ہیں اور دو سال گزر جائیں گے جس کے بعد فتنوں کا دروازہ کھل جائے گا اور بئر اریس کا حادثہ بھی پیش آئے گا۔

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی نے عالم بیداری میں شیخ سعدیؒ سے ملاقات کی جس کی تفصیل خود ان کی زبانی سنئے جیسے شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی نے نقل کیا ہے:

جب میں آگرے میں تھا ایک روز مرزا محمد زاہد کے درس سے واپس آتے ہوئے ایک لمبی گلی میں شیخ سعدی کی یہ رباعی پڑھتے ہوئے گزر رہا تھا۔

جز یاد دوست ہر چہ کنی عمر ضائع است
جز سرِّ عشق ہر چہ بخوانی بطالت است
سعدی بشوے لوحِ دل از نقشِ غیر حق
علمے کہ رہ بحق ننماید جہالت است

ذکرالٰہی کے سوا جو بھی کرو وہ عمر ضائع کرنا ہے ۔ رازِ عشق کے سوا جو بھی پڑھو وہ طوالت ہے اے سعدؔی ! لوحِ قلب سے غیراللہ کے نقش کو مٹا دو ۔ جو علم تمہیں راہِ حق نہ دکھائے وہ جہالت ہے

رباعی کا چوتھا مصرعہ میری زبان پہ نہیں آ رہا تھا ، جس کی وجہ سے بڑی بے چینی محسوس ہو رہی تھی ۔ اچانک ایک درویش وضع کا شخص میرے سیدھے جانب سے آیا اور کہا

علمے کہ بحق رہ ننماید جہالت ست ۔

میں نے کہا ۔ جزاک اللہ خیر الجزاء ۔ آپ نے میرا اضطراب ختم کر دیا ۔ میں نے ان کی خدمت میں پان پیش کیا تو انھوں نے معذرت کی اور فرمایا کہ میں پان نہیں کھاتا ۔ یہ کہہ کر بڑی تیزی کے ساتھ قدم بڑھانے لگے ۔ یہاں تک کہ پلک جھپکنے کی دیر میں گلی کے آخری حصّہ تک پہنچ گئے ۔ میں سمجھ گیا کہ یہ روحِ مجسم ہے ۔ میں نے انھیں آواز دی کہ آپ اپنا نام تو بتائیے ۔ تاکہ میں ایصالِ ثواب کر سکوں ۔

انھوں نے مڑ کر کہا : سعدی ہمیں فقیر است (سعدی اسی فقیر کو کہتے ہیں ۔) اور چشم زدن میں نظروں سے اوجھل ہو گئے ۔

حاصلِ کلام !

مذکورہ تفصیلات و بیانات سے عالم برزخ میں روح کو زندگی ، جس کے اندر سماعت کلام ، ادراک ، احساس ، شعور ، عذاب ، ثواب عبادت ، دعا ، تصرف ، سیر و ملاقات اور اس کے مستقر و مسکن وغیرہ سے متعلق سارے مسائل بخوبی حل ہو چکے ۔ اس کے بعد یہ مسئلہ ہمارے پیشِ نظر ہے کہ کیا دُنیا والوں کی جانب برزخ میں رہنے والوں کو کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے اور کیا برزخ میں رہنے والوں کی جانب سے دنیا والوں کو کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے ؟ مسئلہ کے دونوں پہلو میں اختلاف موجود ہے اور جن مسائل کے اندر اختلاف ہو ، ان میں قطعی طور پر کسی ایک موقف کو حق اور دوسرے کو باطل قرار نہیں دیا جاسکتا ۔ ایسی صورت میں محمود اور پسندیدہ طریقہ وہ ہے جس پہ گامزن رہنے کی ہدایت مجدّدِ جنوب حضرت قطب ویلور علیہ الرحمہ نے ان الفاظ میں دی ہے :

" کسی بھی اختلافی مسئلہ میں ایک ہی جانب کے حق ہونے کا یقین کرنا اور اسی کو اہمیت دینا اور اسی کو ترجیح دینا اور اس میں غلو سے کام لینا غیر مناسب ہے اور یہ طریقہ درست نہیں ہے ۔ اور اختلافی مسائل کے اندر ایک دوسرے پر طعن و تشنیع اور جرح و قدح سے پرہیز کرنا چاہیے کیوں کہ دوسرے مسلک اور موقف کو بھی کسی دلیل ہی کے تحت اختیار کیا گیا ہوگا ۔ اگرچہ کہ وہ دلیل ضعیف ہی ہو ۔ اور اختلافی مسائل کے اندر اعتدال و توازن اور توقف و احتیاط ہی پسندیدہ

موقف ہے اور افراط و تفریط اور غلو و تعصب ناپسندیدہ اور مذموم طریقہ ہے۔"

(فصل الخطاب بین الخطاء والصواب)

ایصالِ ثواب سے روحوں کا مستفیض ہونا

برزخی زندگی میں روح کے استفادہ کرنے کی تین صورتیں ہیں۔ جیسا کہ اس حدیث میں ثبوت موجود ہے۔

اذامات الانسان انقطع عمله الامن ثلث صدقة جاريه اوعلم ينتفع به اوولد صالح يدعوله

ایک صورت صدقہ جاریہ، مثلاً مسجد، مدرسہ، سرائے، ہسپتال، دانش گاہ کی تعمیر اور دیگر رفاہِ عام کے کام۔

دوسری صورت: علم دین کی اشاعت جیسے درس و تدریس، دعوت و تبلیغ، ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، لائبریری، کتابوں کی اشاعت وغیرہ

تیسری صورت: نیک اور صالح اولاد جو اپنے والدین کے حق میں دعائے مغفرت کرتی رہے۔

سعید بن مسیب کی روایت ہے:

ان ام سعد ماتت سئل النبی صلے اللہ علیہ وسلم ای صدقة افضل: قال اسق الماء۔

سعید رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: میری والدہ کے ایصالِ ثواب کے لیے کون سا صدقہ افضل ہے؟ آپ نے جواب دیا: پانی۔

اس حدیث میں پانی صدقہ کرنے کا حکم موجود ہے جو اس وقت کے حالات کے مطابق ضرورت کی چیز تھی۔

اس سے مراد یہ ہے کہ ہر انسانی ضرورت کی چیز فراہم کرنا صدقہ ہے۔ جس میں لوگوں کی فلاح و بہبودی ہے۔

فقہ کی معروف کتاب "بحر الرائق" میں مرقوم ہے:

صام اوصلى اوتصدق وجعل الثواب لغيره من الاحياء والاموات يصل ثوابه اليهم عند اهل السنّة والجماعة:

اہل سنت والجماعت کے نزدیک مالی اور بدنی عبادات کا ثواب میت کو پہنچتا ہے

مولانا شاہ اسحاق دہلوی "مسائل اربعین" میں فرماتے ہیں:

علماے حنفیہ کے نزدیک مالی اور بدنی عبادات کا ثواب اموات کو پہنچتا ہے چنانچہ "ھدایہ" میں مرقوم ہے:

اہل سنت والجاعت کے نزدیک ایک شخص اپنے عمل کا ثواب کسی دوسرے شخص کو پہنچا سکتا ہے۔ جیسے نماز، روزہ، صدقہ

خیرات، حج، اعتکاف، تلاوتِ قرآن مجید، ذکر وغیرہ۔ مالی عبادت کا ثواب میت کو پہنچنے کے مسئلہ میں سب کا اتفاق ہے۔ بدنی عبادت کے مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

علامہ تفتازانی "شرحِ عقائدِ نسفی" میں فرماتے ہیں:

احادیث میں اموات کے لیے دعا کرنے کا حکم ہے اور بالخصوص نمازِ جنازہ میں میت کے حق میں دعا کرنے کی تاکید ہے اور اس پر سلف کا عمل تواتر اختیار کر گیا ہے۔ اگر اس عمل میں اموات کے لیے کوئی نفع نہیں ہوتا تو یہ حکم اپنے اندر کیا معنی رکھتا ہے؟ زندوں کی جانب سے مردوں کو صدقہ وخیرات اور دعائے مغفرت کا نفع اور ثواب پہنچتا ہے۔

"زاد الآخرت" کے مصنف لکھتے ہیں

مومن کے لیے قبر کی آزمائش سات دن تک ہے اور گنہ گار کے لیے چالیس روز تک ہے۔ اگر میّت کے گھر والے صاحبِ استطاعت ہوں تو چالیس روز تک ایصال ثواب کی نیت سے میّت کے حق میں صدقہ وخیرات کرتے رہیں۔ اور اگر صاحبِ استطاعت نہ ہوں تو سات روز تک صدقہ کرتے رہیں۔ ورنہ کم از کم تین روز تک ضرور صدقہ وخیرات کا اہتمام کرنا چاہیے۔

ارواح سے فیض پہنچنے کا مسئلہ

مذکورہ بیانات سے واضح ہو چکا کہ برزخی زندگی میں ارواح کو فائدہ پہنچتا ہے اور اب مسئلہ کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ کیا برزخی زندگی سے ارواح دوسروں کو فائدہ پہنچا سکتی ہیں؟

مجدّدِ جنوب حضرت قطبؒ ویلور اپنے مکتوبات میں فرماتے ہیں:

"ایں امر محقق ومقرر است ومتفق علیہ صوفیاء وفقہا واتفاق ایں ہر دو فرقہ در فیضِ روحانی انبیاء است علیہم الصلوات والتسلیمات، اما فقہا در فیض روحانی غیر انبیاء اختلاف دارند۔ وایں امر محقق ومقرر است نزد اہلِ کشف وکمال از ایشاں تا آنکہ بسیارے را فیوض وفتوح از ارواح رسیدہ۔ بزرگان چہ در حالت حیات وچہ در حالت ممات وچہ در حالتِ قرب وبعد وچہ در حالتِ بیداری ونائم فیض می رسانند۔ اولیاء بر سہ قسم است (۱) نسبت ظاہری دارند ہمچو اکثر صحابۂ کرام واکثر مشائخ وصوفیاء۔ (۲) نسبتِ باطنی دارند ہمچو حضرت بایزید بسطامی وحضرت ابوالحسن خرقانی۔ (۳) جامع ہر دو نسبت ظاہری وباطنی اند ہمچو شیخ عبد القادر جیلانی وخواجہ بہاؤ الدین نقشبندی قدس اللہ ارواحہم وافاض

علینا فیوضھم بحرمت سید المرسلین محمد و آلہٖ وصحبہ اجمعین علیہ وعلیھم من الصلوٰۃ افضلہا ومن التحیات اکملھا۔ (مکتوبات لطیفی)

ارواح سے فیض پہنچنے کا مسئلہ تو تحقیق شدہ اور مسلم ہے۔ صوفیاء اور فقہاء دونوں بھی اس مسئلہ میں متفق ہیں۔ انبیائے کرام کے ارواح سے فیض پہنچنے کے مسئلہ میں سب کا اتفاق ہے البتہ صحابۂ کرام اور اولیاے کرام کی ارواح سے فیض پہنچنے کے مسئلہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے لیکن صوفیاء کے درمیان میں اختلاف نہیں ہے چناں چہ اہلِ تصوف کے نزدیک یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ اولیاء اللہ کی ارواح سے فیوض و برکات کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ کیا زندگی اور کیا موت، کیا نزدیکی اور کیا دوری۔ کیا بیداری اور کیا نیند تمام حالتوں میں اپنا فیض پہنچاتے ہیں۔ اولیاے کرام کی تین قسمیں ہیں؛

ایک نسبتِ ظاہری سے مشرف ہیں: جیسے حضرات صحابۂ کرام اور اکثر مشائخ صوفیاء۔

دوسری نسبتِ باطنی سے مشرف ہیں جیسے حضرات بایزید بسطامی اور ابوالحسن خرقانی۔

حضرت بایزید بسطامی کو حضرت امام جعفر صادق سے بیعت و ارادت کا شرف حاصل ہے۔ ان کی یہ ارادت جسمانی اور ظاہری نہیں بلکہ روحانی ہے۔ امام جعفر صادق کی وفات کے عرصہ دراز بعد حضرت بایزید بسطامی پیدا ہوئے لیکن انہوں نے روحانی تعلیم و تربیت امام جعفر صادق سے حاصل کی۔

اسی طرح حضرت ابوالحسن خرقانی نے حضرت بایزید بسطامی سے بیعت کی۔ ان کی یہ ارادت بھی ظاہری نہیں ہے بلکہ روحانی ہے۔ ابوالحسن خرقانی کی پیدائش حضرت بایزید کی وفات کے ۷۳ سال بعد ہوی۔ لیکن انھوں نے بایزید بسطامی کی روح سے اکتسابِ فیض کیا ہے۔ چناں چہ مولانا روم اپنی مثنوی میں فرماتے ہیں

کہ حسن باشد مریدی از امتم\
درس گیرد ہر صباح از تربتم\
ہر صباحے رو نہادی سوئے گور\
ایستادی تا ضحیٰ اندر حضور\
تا مثال شیخ پیشش آمدی!\
تا کہ نے گفتی اشکالش حل شدی

ابوالحسن خرقانی میرے مریدوں میں ہوں گے اور وہ ہر روز میری قبر سے اکتسابِ علم و فضل فرمائیں گے۔

چناں چہ ابوالحسن خرقانی روزانہ بایزید کی مزار پہ پہنچتے اور چاشت کے وقت تک کھڑے رہتے۔ یہاں تک کہ شیخ ایک مثالی شکل میں ظاہر ہوتے اور ان کے اشکالات بیان کرنے سے پہلے ہی حل فرما دیتے۔

تیسری قسم نسبتِ ظاہری اور نسبتِ باطنی دونوں سے بہرور ہیں جیسے شیخ عبدالقادر جیلانی اور خواجہ بہاؤالدین نقشبندی۔

مولانا شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی "حجۃ اللہ البالغہ" میں فرماتے ہیں:

فاذامات انقطعت العلاقات ورجع مزاجہ فیلحق بالملائکۃ وصار منھم والھم کالھامھم ویسع فیما یسعون وربما اشتغل ھؤلاء باعلاء کلمۃ اللہ ونصر حزب اللہ وربما کان لھم لمۃ خیر بابن ادم

اولیاء اللہ کی روحیں جسمانی تعلقات سے آزاد ہونے کے بعد فرشتوں سے اپنا تعلق پیدا کر لیتی ہیں اور ان کی ارواح پر بھی فرشتوں کی طرح الہام ہوتا ہے اور جس کام میں فرشتے جڑے رہتے ہیں یہ بھی اس میں شریک ہو جاتے ہیں۔ جیسے دینِ حق کو سربلند کرنا، اللہ کے بندوں کی مدد کرنا اور انہیں کسی آنے والے واقعہ اور حادثہ کی خبر دینا وغیرہ۔

مولانا شاہ عبدالحق محدّث دہلوی، "ترجمۂ مشکوٰۃ: باب الرویاء" میں فرماتے ہیں:

بعض بزرگانِ دین کو اس دنیا سے انتقال کرنے کے بعد بیداری کی حالت میں دیکھا گیا ہے۔ اس قسم کی روایات تواتر کے ساتھ منقول ہیں۔ لہٰذا تم دیکھو کہ اس چیز کا انکار کرنے والا شخص اولیائے کرام کی کرامات کو تسلیم کرتا ہے یا نہیں؟ اگر اس چیز کا منکر ہے تو اس کے ساتھ اس موضوع (بیداری میں ارواح کا مشاہدہ) پر کوئی بحث نہیں۔ کیوں کہ وہ ایک ایسی چیز کا منکر ہے جس کا ثبوت قرآن اور حدیث میں موجود ہے۔ اور اگر وہ اولیاء کی کرامات کا قائل ہے تو یہ چیز بھی منجملہ کرامات اور خارقِ عادات امور میں سے ایک ہے۔ لہٰذا اس میں انکار کی بات کیا ہے؟

روحِ محمدی ﷺ سے فیض

عالمِ برزخ سے اولیائے کرام کی ارواح اپنے فیوض و برکات اور تصرفات سے دُنیا والوں کو فائدہ پہنچا سکتی ہیں تو سید الانبیاء افضل الخلائق، حضور پُر نور، سرورِ کونین، مالکِ کون و مکان، آقائے انس و جان اور صاحبِ لولاک سیدنا محمد عربی صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی ذاتِ بے نظیر اور ستودہ صفات تو مصدرِ برکات اور منبع فیوضات ہے بھلا آپ ﷺ کی روحِ پُرفتوح سے فیوض و برکات کیسے نہیں پہنچ سکتے۔ اگر یہ کہا جائے کہ عالمِ برزخ سے جن روحوں کا فیض جاری و ساری ہے وہ دراصل بالواسطہ روحِ محمدی ہی کا فیضان ہے تو مبالغہ نہ ہوگا۔

"خاتمۃ المجتہدین علامہ ابن

حجر مکی نے "منقذ غزالی" سے شرح ہمزیہ میں یہ قول نقل کیا ہے کہ

نفوس قدسیہ کبھی کبھی بیداری کی حالت میں فرشتوں اور پیغمبروں کی ارواح کا مشاہدہ کرتے ہیں اور ان سے استفادہ کرتے ہیں۔

نیز ابنِ حجر فرماتے ہیں :۔

اس بات کی سند اور نقل میرے پاس محفوظ ہے کہ حضرت ابوالحسن اور حضرت ابو العباس حالتِ بیداری میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے مشرف ہوئے ہیں اور میرے والد ماجد حضرت شمس محمد بن ابی الحائل عموماً بیداری کی حالت میں نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کرتے تھے۔ اور یہ آپ کی عادت بن چکی تھی کہ جب بھی آپ کے سامنے کوئی دقیق مسئلہ پیش آتا تو آپ حضرت نبیٔ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی روحِ مبارک کی جانب متوجہ ہوتے اور کچھ دیر مراقبہ فرماتے۔ اس کے بعد فرماتے کہ نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمایا ہے۔

"بہجۃ الاسرار" میں پیرِ پیراں شیخ جیلان حضرت غوث پاک کا یہ قول منقول ہے : ما ربّانی الا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میری تعلیم و تربیت میں صرف ذات رسالت مآب کا حصّہ ہے۔

شیخ الاسلام حضرت شرف الدین ابو عبداللہ محمد بن سعید بوصیری کے تعلق سے تذکروں میں منقول ہے کہ آپ ایک خطرناک مرض فالج میں مبتلا ہو گئے تھے۔ جس کی وجہ سے جسم کا نچلا حصہ بے حس ہو گیا تھا۔ اچھے ماہر اور حاذق اطباء و حکماء سے علاج کروایا گیا۔ لیکن کوئی افاقہ نہیں ہوا۔ اور آپ اپنی بیماری سے انتہائی درجہ متفکر اور غم گین رہنے لگے۔ ایک روز دل میں خیال پیدا ہوا کہ آن حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف اور مدح میں ایک قصیدہ نظم کریں۔ چناں چہ آپ نے ایک مفصل قصیدہ تصنیف کیا اس کی تکمیل ہونے کے بعد ہی ایک روز خواب دیکھتے ہیں کہ آپ یہی قصیدہ بارگاہِ نبوی میں پڑھ رہے ہیں اور نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم سن رہے ہیں اور محظوظ ہو رہے ہیں۔ جب آپ اس بیت پر پہنچے تو آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک آپ کے جسم پر پھیرا اور ایک چادر اوڑھائی : ؎

کم ابرأت وصبا باللمس راحتہ
واطلقت اربا من ربقۃ اللمم

بے شمار مریض آپؐ کا دست مبارک لگ جانے سے صحت یاب ہو گئے اور کئی ایک جنون میں گرفتار افراد شفایاب ہو گئے۔

امام بوصیری جب نیند سے بیدار ہوئے تو دیکھا کہ ان کا فالج زدہ جسم کا حصّہ بالکل درست ہو چکا ہے اور ان کے جسم پر وہی ردائے

نبوی موجود ہے۔ جس کو خواب میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے انھیں اڑھایا تھا۔

امام بوصیری اس دولتِ بے پایاں اور نعمتِ فراواں کی یافت سے مسرور ہوئے اور بارگاہِ ایزدی میں سجدۂ شکر بجا لایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلے اللہ علیہ وسلم کی روحِ مبارک کے فیض و برکت سے صحت عطا کی۔

صبح ہونے کے بعد آپ کسی ضرورت سے بازار تشریف لے گئے تو راستہ میں ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی۔ اور انھوں نے سلام کیا اور عرض کیا: مجھے بھی قصیدہ کی ایک نقل عنایت فرمائیے۔ امام بوصیری نے پوچھا: آپ کس قصیدہ کی نقل چاہتے ہیں۔ میرے پاس تو بیسوں قصائد موجود ہیں۔ اس پر انھوں نے کہا: اس قصیدہ کی نقل چاہتا ہوں جس کی ابتدا اس شعر سے ہوتی ہے: ؎

أمن تذكر جيران بذي سلم
مزجت دمعا جرى من مقلة بدم

کیا تمہیں ذی سلم (مکۂ مکرمہ اور مدینۂ منورہ کے درمیان واقع ایک مقام کا نام ہے) کے ہمسایے یاد آ گئے ہیں کہ تمہاری آنکھوں سے خون بھرے آنسو بہہ رہے ہیں۔

امام بوصیری نے تعجب سے فرمایا: بخدا! اس قصیدے سے کوئی شخص واقف اور مطلع ہی نہیں آپ کو کیسے معلوم ہو گیا؟ اس بزرگ نے فرمایا: اس قصیدے کو میں نے آپ ہی کی زبان سے کل گزشتہ شب سنا ہے اور میں بھی اس وقت بارگاہِ رسالت ﷺ میں موجود تھا جب کہ آپ یہ قصیدہ سنا رہے تھے۔

امام بوصیری نے انھیں قصیدہ کی نقل عطا کی۔

مذکورہ توضیحات سے ثابت ہو چکا ہے کہ ارواح سے فیض پہنچنے کا مسئلہ دنیائے تصوف میں مسلّم اور متفق علیہ ہے اور فقہی دنیا میں کسی قدر اختلاف کا شکار ہے۔ تاہم یہاں بھی انبیاء ؑ کی ارواح اور روحِ محمدی ﷺ سے فیض پہنچنے کا مسئلہ متفق علیہ ہے۔

روح کی چوتھی منزل عالمِ حشر

روح کی چوتھی منزل عالمِ محشر ہے جس میں سارے انسان رب العالمین کے حضور میں پیش ہوں گے۔ ليوم عظيم يوم يقوم الناس لرب العالمين: اس عالم کی میعاد کہنے کو تو ایک روز ہے۔ لیکن یہ ایک روز کی زندگی کسی کے لیے قلیل ترین اور راحت و سکینت سے بھرپور اور نور و ضیاء سے منور ہو گی تو کسی کے لیے طول ترین اور وحشت و دہشت سے بھرپور اور ظلمت و تاریکی میں گھری ہو گی۔ چناں چہ اہلِ ایمان کے لیے ایک فرض نماز سے بھی زیادہ سبک تر ہو گی اور اہلِ کفر کے لیے پچاس

ہزار برس کی مقدار ہوگی ۔ کان مقدارہ خمسین
الف سنۃ یہ عالم اس وقت میں وجود میں
آئے گا جب کہ عالم شہادت یعنی دنیا پر موت
وفنا اور زوال کے بادل چھا جائیں گے جس کو شریعت
کی زبان میں قیامت سے تعبیر کیا گیا ہے ۔ اس
کے وقوع سے انکار کرنے والوں کو خطاب
کرتے ہوئے سورۂ یٰسین میں کہا گیا ہے ۔

ویقولون متیٰ ھذا الوعد ان کنتم
صٰدقین ۔ ما ینظرون الا صیحۃ واحدۃ
تاخذھم وھم یخصمون فلا یستطیعون
توصیۃ ولا الی اھلھم یرجعون ونفخ
فی الصور فاذا ھم من الاجداث الی
ربھم ینسلون قالوا یٰویلنا من بعثنا
من مرقدنا ھذا ما وعد الرحمٰن وصدق
المرسلون ۔ ان کانت الا صیحۃ واحدۃ
فاذا ھم جمیع لدینا محضرون ۔

یہ لوگ کہتے ہیں اگر تم قیامت کے
دعویٰ میں سچے ہو تو بتا دیجیے آخر وہ کب آرہی
ہے ۔ جس چیز کا وہ انتظار کر رہے ہیں وہ تو
بس ایک دھماکہ ہے جو دفعتاً اس حال میں
واقع ہو جائے گا کہ یہ لوگ اپنے دنیاوی معاملات
اور جھگڑوں میں ایسے گرفتار اور الجھے رہیں گے کہ
اس وقت نہ وصیت کر پائیں گے اور نہ اپنے گھروں
کو پلٹ سکیں گے ۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان
ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

لوگ راستوں پر چل رہے ہوں گے اور
بازاروں میں خرید و فروخت کر رہے ہوں گے،
اور اپنے اپنے گھروں اور مجلسوں میں محو گفتگو
رہیں گے ۔ ایسے میں اچانک صور پھونکا جائے گا
کوئی کپڑا خرید رہا تھا تو ہاتھ سے کپڑا رکھنے تک
کی نوبت نہیں آئے گی کہ وہ ختم ہو جائے گا ۔ اور
کوئی شخص اپنے مویشی اور جانوروں کو پانی پلانے
کے لیے حوض بھرے گا، ابھی وہ پلانے بھی نہیں
پائے گا کہ قیامت قائم ہو جائے گی ۔ کوئی کھانا کھانے
بیٹھے گا اور لقمہ اٹھا کر منہ تک لے جانے کی نوبت
نہیں آئے گی کہ وہ ختم ہو جائے گا ۔ اس طرح قیامت
وقوع پذیر یہ ہوگی کہ آدمی اپنے آپ کو سنبھال
نہیں سکے گا اور اسے خود پر قابو پانے کی مہلت
نہیں ملے گی ۔

پھر صور پھونکا جائے گا تو یکایک اپنے
رب کے حضور پیش ہونے کے لیے اپنی اپنی قبروں
سے نکل پڑیں گے اور ایک زوردار آواز ہوگی اور
سب کے سب رب العالمین کے حضور میں حاضر
کیے جائیں گے ۔

سورۂ کہف میں اس کے بعد پیش آنے
والا منظر اور ماحول ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

ویوم نسیر الجبال وتری الارض
بارزۃ وحشرنٰھم فلم نغادر منھم احدا
وعرضوا علی ربک صفا لقد جئتمونا کما

خلقنکم اول مرۃ بل زعمتم الن نجعل
لکم موعدا ووضع الکتٰب فتری المجرمین
مشفقین مما فیہ ویقولون یٰویلتنا
مال ھذا الکتٰب لا یغادر صغیرۃ ولا
کبیرۃ الا احصٰہا ووجدوا ما عملوا
حاضرا ولا یظلم ربک احدا

وہ دن تو یاد کیجیے جس دن ہم پہاڑوں
کو ان کی جگہ سے ہٹا دیں گے اور تم زمین کو دیکھو گے
کہ وہ صرف ایک کھلا ہوا میدان ہے اور اس میں
ہم سارے انسانوں کو اس طرح جمع کریں گے
کہ کوئی انسان بھی نہیں چھوٹے گا اور سب
کے سب رب تعالیٰ کے حضور صف در صف
کھڑے کئے جائیں گے۔

اور سب کو خطاب ہوگا کہ آج تم اسی
طرح ہمارے سامنے آئے ہو جیسا تمہیں اوّل پیدائش
کے وقت پیدا کیا تھا۔ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ
کئے جانے کے وعدہ کے بارے میں تمہارا گمان
تھا کہ ایسا نہیں ہو سکے گا اور اس وقت ہر
شخص کے سامنے اس کا نامۂ اعمال رکھ دیا جائے
گا۔ مجرمین اپنی کتابِ زندگی کے مندرجات کو
دیکھ کر دہشت زدہ ہو جائیں گے اور کہیں گے
ہائے کم بختی! اس کتاب میں نہ ہمارا کوئی چھوٹا
گناہ چھوٹ گیا ہے اور نہ کوئی بڑا گناہ رہ گیا
ہے۔ چنانچہ انھوں نے جو کچھ کیا تھا وہ سب
اپنے سامنے حاضر پائیں گے اور پروردگار کسی پر
کسی طرح کا ظلم نہیں کریں گے۔

ایک دوسرے مقام پہ کہا گیا ہے:

الیوم تجزون بما کنتم تعملون۔

آج تم کو تمہارے کئے ہوئے اعمال کا بدلہ ملے گا

سورۃ الزلزال میں کہا گیا ہے:

فمن یعمل مثقال ذرۃ خیر
یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شر یرہ

جو شخص بھی دنیا کے اندر ذرہ برابر بھی
نیکی کیا ہو وہ اس کو یہاں دیکھ لے گا اور جو شخص
بھی ذرہ برابر برائی کیا ہو وہ اس کو بھی دیکھ لے گا
یعنی نیکیوں پہ جزا اور برائیوں پہ سزا مل کر
رہے گی۔

اس روز رب ذو الجلال والاکرام کے
عدل و انصاف اور عدم ظلم کی شان و شوکت اس
طرح نمایاں اور جلوہ گر ہو گی کہ مجرموں کے کان اور
ان کی آنکھ اور ان کی کھال ان کے کرتوتوں کی گواہی
دیں گے۔

شھد علیھم سمعھم وابصارھم و
جلودھم بما کانوا یعملون (حٰم السجدہ)

اور ان کے منہ پہ مہر لگادی جائے گی اور خود ان کے
ہاتھ اور ان کے پاؤں ان کے جرموں اور گناہوں
کی گواہی دیں گے۔

الیوم نختم علی افواھھم وتکلمنا
ایدیھم وتشھد ارجلھم بما کانوا
یکسبون۔ (یٰسین)

اورہرایک کے اعمال ترازو میں تولے جائیں گے اور جس شخص کی نیکیاں زیادہ ہوئیں وہ نجات اور فوزوفلاح سے ہم کنار ہوگا اور جس شخص کی برائیاں زیادہ ہوئیں وہی اپنی جان ہار بیٹھا۔

والوزن یومئذ الحق فمن ثقلت موازینه فاولٰئك هم المفلحون و من خفت موازینه فاولٰئك هم الخاسرون (اعراف)

حساب وکتاب کے وقت مؤمنوں کی جماعت الگ ہوگی اور کافروں کی جماعت الگ ہوگی اور نامۂ اعمال مؤمنوں کو سیدھے ہاتھ میں دیا جائے گا اور ان کا حساب ایمان اور عمل صالح کی برکت سے بہت ہی آسان ہوگا اور وہ اس سے فارغ ہوکر جنّت میں اپنے اپنے اہل وعیال اور متعلقین سے جا ملیں گے اور کافروں کے نامۂ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں ان کی پیٹھ سے ملے گا۔ اور ان کا حساب کفروشرک کے باعث بہت ہی سخت ہوگا۔ جس کی شدّت اور مناقشہ کو دیکھتے ہوئے موت کی تمنّا کریں گے پھران کو جہنم کی طرف کھینچ کر لے جایا جائے گا۔

فامامن اوتی کتٰبه بیمینه فسوف یحاسب حسابا یسیرا وینقلب الیٰ اهله مسرورا وامامن اوتی کتٰبه وراء ظهره فسوف یدعوا ثبورا ویصلیٰ سعیرا (الانشقاق)

غرض حساب کتاب کے بعد ہر انسان کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ جزاءً وفاقا (النبا)

عالم حشر میں روح جس قالب اور جسم کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوگی، کیا اس کا جسم وہی ہے جس کے اندر وہ دنیا میں محبوس تھی؟ جب کہ یہ جسم تو عالم برزخ میں ریزہ ریزہ ہوچکا سوائے اس جسم کے جو نبوت اور شہادت یا کسی دوسری فضیلت کی وجہ سے محفوظ رہ گیا ہوگا یہی وہ نئی زندگی ہے جس کو بعث بعد الموت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ کفّار کو انتہائی درجہ تعجب اور شک میں ڈال دی تھی جس کے باعث وہ اس زندگی کا انکار کر بیٹھے۔

ءاذاکنا عظما ورفاتا ءانا لمبعوثون خلقا جدیدا (بنی اسرائیل)

مرنے کے بعد جب ہم ہڈی اور چورا ہو جائیں گے تو کیا پھر نئے بنا کر اٹھائے جائیں گے۔

اس شبہ کا ازالہ اس طرح کیا گیا۔

قل یحییها الذی انشاها اول مرة (یٰسین)

اے نبیٔ محترم! کہہ دیجیے وہی ذات وحدہٗ لاشریک پھر ان کو زندگی دے گا۔ جس نے ان کو پہلی دفعہ پیدا کیا۔ اور ایک مقام پر کہا گیا ہے: انکم لفی خلق جدید

بے شک تم جدید تخلیق میں ہونے والے ہوں

ان تصریحات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عالم حشر میں روح ایک نئے قالب اور نئے جسم میں جلوہ گر ہوگی۔ اسی کے ساتھ یہ حقیقت بھی نمایاں ہو جاتی ہے کہ انسان کی زندگی میں روح کی اہمیت ہے اور جسم کی حیثیت ایک لباس جیسی ہے جو مختلف منزلوں میں تبدیل ہو رہا ہے یہی وجہ ہے کہ شریعتِ مطہرہ میں اعمال کی اصل ذمہ دار روح قرار پائی اور اعمال کے ثمرات اور نتائج کے ذمہ دار اور حق دار بھی وہی قرار پائی۔

روح کی پانچویں منزل جنت یا دوزخ

روح کی پانچویں منزل عالم جنت ہوگی یا عالم دوزخ اور جس انسان کی روح ایمان کے نور سے روشن ہوی وہ جنت میں داخل ہوگی اور جس انسان کی روح کفر و شرک سے آلودہ ہوی تو وہ دوزخ میں داخل ہوگی۔ اور جس انسان کی روح ایمان سے منور ہونے کے باوجود گناہ و معصیت سے مجروح اور داغ دار ہوی تو وہ دوزخ میں داخل ہوگی پھر سزا پانے کے بعد ایمان کی برکت اور نبئ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی وجہ سے نکالی جائے گی

ابو سعید خدری رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ فرماتے ہیں کہ نبئ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل جنت، جنت میں اور اہلِ دوزخ، دوزخ میں داخل ہونے کے بعد اللہ تعالےٰ فرمائے گا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہو تو اس کو دوزخ سے نکالو۔ وہ جل کر کوئلہ ہو کر نکلیں گے پھر وہ نہر حیات میں ڈال دیے جائیں گے تو وہ اس طرح اُگیں گے جس طرح سیل آب کے کنارے سے جنگلی دانہ اُگتا ہے۔

عمران بن حصین کی روایت ہے کہ نبئ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی شفاعت سے کچھ ایسے لوگ دوزخ سے نکلیں گے اور جنت میں داخل ہوں گے جن کا نام جہنم والے ہوگا۔

قرآن کریم اور احادیث نبوی میں دوزخ کے عذابات اور ان کی اقسام اور درجات کی تفصیل اور جنت کے انعامات اور ان کے انواع اور درجات کی تفصیل موجود ہے۔ یہاں ان کی تفصیلات طوالت کا باعث ہوں گی۔

اس مقام پہ ایک اہم مسئلہ کی جانب بھی التفات و توجہ ضروری ہے۔ اگر اہلِ ایمان سے اچانک۔ و بے قصد اور بے علمی و جہالت کی وجہ سے کفر و شرک کے اعمال صادر ہو جائیں تو ان کے متعلق دنیا میں کیا احکام ہیں اور آخرت میں اُن کے بارے میں کیا فیصلہ ہوگا؟

اس سلسلہ میں مجددِ جنوب حضرت قطبِ ویلور علیہ الرحمہ کا یہ بیان ملاحظہ فرمائیے جو ان کی فارسی تصنیف "فصل الخطاب" میں موجود ہے:

"اہلِ قبلہ کو کافر کہنا جائز نہیں ہے اور اہلِ قبلہ سے مراد امّتِ محمّدی کے تہتر (۷۳) فرقے ہیں۔ جن کو امّتِ اجابت کہتے ہیں۔ اور غیر اہلِ قبلہ سے مراد کفّار کے فرقے ہیں جن کو امّتِ دعوت کہتے ہیں۔ اور اہلِ قبلہ مومن ہیں اور ان کے مومن ہونے پر اجماع ہے۔ اہلِ ایمان میں نجات والا فرقہ (یعنی اہلِ سنّت والجماعت) اعمالِ فاسدہ کی وجہ سے دوزخ میں داخل کیا جائے گا اور باقی بہتر فرقے اعمال اور اعتقاد فاسدہ کی وجہ سے دوزخ میں داخل کئے جائیں گے لیکن کوئی فرقہ دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ نہیں رہے گا۔ چناں چہ اس کی تفصیل و تشریح: "عقائد ملا جلال" نامی کتاب میں ملّا جلال الدین دوانی نے بیان کی ہے۔

مولانا سید علوی شافعی "مصباح الانام" کی پانچویں فصل میں تحریر فرماتے ہیں:

علامہ امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ اہلِ سنت و جماعت کا اجماع ہے کہ جاہل اور مخطی (مخطی وہ شخص ہے جو ارادہ نیکی کا کرے اور اچانک اور بے مقصد اس سے خطا سرزد ہو جائے اور خاطی وہ شخص ہے جو قصدًا اپنے ارادے سے خطا کرے) شخص اگر اعمالِ کفر و شرک کا مرتکب ہو تو اس کو کافر اور مشرک نہیں قرار دیا جا سکتا ہے۔ بلاشبہ وہ خطا اور جہل کی وجہ سے معذور ہے۔ یہاں تک کہ اس کے سامنے ایسی دلیل اور حجّت بیان کی جائے جس کا ترک کرنے والا کافر ہو جاتا ہے اور وہ دلیل یہ ہے کہ امام وقت یا اس کا نائب، جاہل اور مخطی کو بلا کر ایسے افہام و تفہیم سے کام لے کہ اس جیسوں کو کوئی شبہ باقی نہ رہے۔

امام ربّانی مجدّد الف ثانی علیہ الرحمہ مکتوبات کی جلد اول کے ۶۶ ویں مکتوب میں فرماتے ہیں:

کفر کی سزا دوزخ کا ابدی اور دائمی عذاب ہے اور اگر یہ پوچھا جائے کہ ایک شخص مسلمان ہونے کے باوجود کفر کے رسوم ادا کرتا ہے اور کفار کے مراسم کی تعظیم بجا لاتا ہے اور علماء اس کے کافر ہونے کا حکم دیتے ہیں اور اس کو مرتد شمار کرتے ہیں۔ جیسا کہ ہندوستان کے اکثر مسلمان اس بلا میں پھنسے ہوئے ہیں اور علماء کے فتوؤں کے مطابق یہ بات لازم آتی ہے کہ وہ شخص آخرت میں دائمی عذاب اور ابدی عقوبت میں گرفتار رہے۔ حالاں کہ صحیح حدیث میں ہے کہ جس شخص کے دل میں ذرّہ برابر بھی ایمان ہو تو وہ دوزخ سے نکال لیا جائے گا اور اس کو ابدی عذاب میں گرفتار نہیں کیا جائے گا تو ایسی صورت میں آپ کے نزدیک اس مسئلہ کا حل اور تحقیق کیا ہوگی؟

ہم اس کا جواب یہی دیں گے کہ اگر کافر محض ہے تو اس کے لیے آخرت میں ابدی عذاب ہے اعاذنا اللہ سبحانہ منہ اور اگر کوئی شخص مراسم کفر کو ادا کرنے کے باوجود ذرّہ برابر

ایمان سے بہرہ ور ہے تو وہ دوزخ میں ڈالا جائے گا لیکن اس ذرّہ برابر ایمان کی دولت کی وجہ سے ابدی عذاب سے نجات پائے گا اور امید ہے کہ اس کو دائمی نجات حاصل ہوگی۔

یہ فقیر ایک مرتبہ ایسے ہی شخص کی عیادت کے لیے گیا جو سکراتِ موت میں گرفتار تھا۔ میں نے اس کے حال کی جانب توجّہ کی تو معلوم ہوا کہ اس کا قلب بہت ساری ظلمتوں کا شکار ہے۔ ہر چند کہ میں ان ظلمتوں کو دور کرنے کی جانب متوجّہ ہوا لیکن کوئی فائدہ نہیں ہو سکا۔ بہت توجّہ اور مراقبہ کے بعد مجھ پر یہ حقیقت کھل گئی کہ یہ ظلمتیں جو اس کے قلب پر چھائی ہوئی ہیں۔ وہ کفر کی صفات سے پیدا ہوئی ہیں اور ان ظلمتوں اور کدورتوں کے پیدا ہونے کا سبب مسلسل مراسم کفر کا ادا کرنا ہے۔ اور کافروں و مشرکوں کے ساتھ کثرتِ میل جول اور اختلاط کا نتیجہ ہے اور ان ظلمتوں اور کدورتوں کا تنقیہ و طہارت اور پاکی و صافی، دوزخ کے عذاب کے ساتھ مربوط اور پیوست ہے جو کہ کفر و شرک کی سزا ہے۔ ایسی صورت میں توجہاتِ روحانی سے یہ ظلمتیں اور کدورتیں دور نہیں ہو سکتیں۔

نیز اس کے دل کے اندر ایمان کی ہلکی اور خفیف سی روشنی موجود ہے تو مجھے اطمینان اور تسلّی ہوئی کہ وہ اس کی برکت سے دوزخ کے دائمی عذاب سے نجات پا جائے گا۔

جب میں نے اس کے قلب کے اندر اس حالت کا مشاہدہ کیا تو میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ اس شخص کی نمازِ جنازہ پڑھنا چاہیے یا نہیں؟

تھوڑی دیر مراقبہ اور توجّہ کے بعد مجھے انشراح ہوا کہ اس کی نمازِ جنازہ پڑھنا چاہیے لہٰذا جو مسلمان ایمان کے باوجود بدقسمتی سے کافروں کے رسوم اور کفر کے اعمال ادا کرتے ہیں اور ان کے ایّام کی تعظیم کرتے ہیں، ان کی نمازِ جنازہ پڑھنا چاہیے۔ اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا چاہیے۔ انھیں کافروں کے ساتھ ملحق نہیں کرنا چاہیے۔ جیسا کہ آج عمل کیا جا رہا ہے۔ اور اس بات کے متمنی اور امیدوار رہنا چاہیے کہ آخرکار ایسے مسلمان، ایمان کی خفیف سی کرن اور ہلکی سی روشنی کی برکت سے دوزخ کے دائمی عذاب اور ابدی عقوبت سے محفوظ رکھیں گے۔

واللہ اعلم بالصواب "

جنّت کی ہمیشگی اور دوام

روح کی آخری منزل جنّت یا دوزخ ہوگی جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گی۔ یہ سوال کہ کیا جنّت اور دوزخ دونوں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اس موضوع کی وضاحت علّامہ سید سلیمان ندوی

کے قلم سے ملاحظہ کیجیے:

قطعیت کے ساتھ سب کا اتفاق ہے
کہ جنّت کا وجود دائمی اور ابدی ہے۔ لیکن جہنم
کے دوام اور ابدیت میں کسی قدر اختلاف ہے۔
عام اہلِ سنّت کا عقیدہ یہ ہے کہ جہنم اور جنّت
دونوں کا وجود دائمی اور ابدی ہے۔ گناہ گار
مومن اپنے گناہ کے بقدر عذاب اٹھا کر، یا خدا
کی رحمت سے معاف ہو کر بالآخر جنّت میں
داخل کئے جائیں گے۔ لیکن مشرک و کافر کے
گناہ کبھی معاف نہ ہوں گے اور وہ ہمیشہ دوزخ
میں جلیں گے۔ اہل سنّت کے ایک مختصر گروہ
کا، جس میں صحابہ کرامؓ اور تابعین کے نام بھی
ہیں اور متاخرین میں جس کے پُرجوش حامی علامہ
حافظ ابن قیم ہیں: یہ خیال ہے کہ جب گناہ گار
اپنے اپنے گناہوں کے بقدر عذاب پا چکیں گے
تو جہنم فنا کر دی جائے گی۔ علامہ ابنِ قیم نے
اپنی دونوں کتابوں "شفاء العلیل" اور
"حاوی الارواح" (دونوں مطبوعہ ہیں۔ حاوی
الارواح، اعلام الموقعین کے ساتھ چھپی ہے)
میں قرآن و حدیث، آثار صحابہ اور عقل کی پچیس۲۵
دلیلوں سے اپنے مسلک کو مبرہن کیا ہے۔ علامہ
ابن تیمیہ نے بھی اس نظریہ کو سلف اہلِ سنّت
کے ایک فریق کا خیال تسلیم کیا ہے۔

(سیرۃ النبیؐ: مجلد چہارم: ص: ۷۸۰)

حاصل کلام!

روح کے اس طول طویل سفر کی روئداد
پڑھ لینے کے بعد مقالہ کے اختتام پر حضور اکرم
صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی بھی پڑھ لیجیے!
انکم خلقتم للا بد تنتقلون من دار الی دار
تم ہمیشہ کے لیے پیدا کئے گئے ہو۔ ایک منزل سے
دوسری منزل کی طرف منتقل ہوتے رہو گے۔
چناں چہ انسان کی روح پہلے عالمِ ارواح میں
تھی۔ یہاں سے نکل کر عالمِ دنیا میں آ پہنچی
اور یہاں سے نکل کر عالمِ برزخ میں پہنچے گی۔
اور یہاں سے نکل کر عالمِ حشر میں پہنچے گی۔
اور یہاں سے نکل کر عالمِ دوزخ یا عالم جنّت
میں پہنچے گی جہاں وہ ابدی زندگی اور دائمی
حیات کا لبادہ اوڑھے ہوئے لذت و راحت
یا عذاب و عقاب سے ہم کنار رہے گی۔

ربنا ارنا الحق حقاً وارزقنا
اتباعہ وارنا الباطل باطلاً وارزقنا
اجتنابہ وادخلنا الجنۃ مع النبیین
والصدقین والشہداء والصالحین
اٰمین بجاہ سید المرسلین واٰلہٖ
الطیبین واصحابہ الطاھرین
ومن تبعھم باحسان الی یوم
الدین۔ ••

حضرت مولانا سید شاہ عبد اللطیف قادری المعروف بہ حضرت قطب ویلور قدس اللہ سرہٗ نے سید عارف اللہ خان صاحب ارکاٹ کے استفسار پر ذیل کا فتویٰ فارسی زبان میں تحریر کیا ہے ۔ جس کا ترجمہ ہدیۂ ناظرین ہے ۔ اس فتویٰ سے یہ حقیقت واضح ہورہی ہے کہ مقررہ ایام کی تخصیص کے بغیر اموات کے لیے صدقہ وخیرات اور ایصال ثواب کرنا چاہیے ۔ !

مترجم : ابوالنعمان غفرلہ ولوالدیہ

آپ نے مقررہ ایام مثلاً سوم ، دہم ، چہلم اور سالانہ میں کھانا کھلانے کا مسئلہ دریافت کیا تھا ۔ اور "مجموعۃ الروایات" کی ایک روایت کی صحت اور عدم صحت سے متعلق وہاں کے لوگوں کے استفسار سے متعلق بھی دریافت کیا تھا ۔

مخدوم من !

زمان اور مکان کی قید کے ساتھ مقید نہ رہتے ہوئے اموات کے لیے صدقہ وخیرات کرنا جائز ہے ۔ حدیث شریف میں ہے :

الصدقۃ تطفی الخطیئات کما یطفی الماء النار

صدقہ گناہوں کو اس طرح ختم کردیتا ہے جس طرح کہ پانی آگ کو بجھا دیتا ہے ۔

ظاہر ہے کہ حدیث شریف میں صدقہ کا حکم مطلق وارد ہے ۔ زمان اور مکان کی قید کے ساتھ مقید اور مخصوص نہیں ہے ۔ مطلق پر مطلق کو محمول کرنا اصولیوں کے مقررہ قواعد میں سے ایک قاعدہ ہے ۔

نیز پہلی اور دوسری صدی ہجری میں مخصوص ایام میں صدقہ وخیرات اور ایصال ثواب

کا ثبوت نہ مل سکا۔

اس سے واضح ہے کہ صدقہ ایک عبادت ہے جو زمان اور مکان کی قید و تخصیص کی علت سے غیر مشروع ہوگا یا دوسری کسی وجہ اور سبب سے بدعت ہوگا۔ جیسا کہ اصول میں ہے، اللہ تعالےٰ علمائے کرام کو توفیق عطا فرمائے کہ کسی بھی گمراہ کُن بدعت کی خوبی بیان نہ فرمائیں۔ بدعت ضلالت جو بھی ہے وہ گمراہی ہے۔ باطن میں تیرگی کے سوا کچھ فائدہ نہ دے گی۔[۱]

بعض مشائخ طریقت نے سالانہ صدقہ اور سالانہ فاتحہ کو جائز اور مستحسن کہا ہے اور علمائے کرام بھی ان کے پیرو اور متبع ہیں۔ اس کی دلیل اور ماخذ کیا ہے؟ اب تک مسکین کے قلب میں مبرھن نہ ہوی۔

"مجموعۃ الروایات" کے مصنف نے جو سند اور دلیل پیش کی ہے وہ کوئی اعتبار کے قابل نہیں ہے۔ طرفہ طرازی تو یہ ہے کہ اس روایت کو نقد جمات کے مصنف نقل کر رہے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی ملک سے لوگوں کو کھانا کھلائے تو بلا شبہ یہ جائز ہے۔ کیوں کہ پیغمبر علیہ الصلوۃ و السلام نے شام میں حمزہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی روح پر تیسرے، دسویں، چالیسویں میں چھ مہینے اور سالانہ کے فاتحہ کیا ہے اور ایسا ہی صحابہؓ کرام نے بھی حمزہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی روح پر فاتحہ کیا ہے۔ اور جو شخص بھی اس کا منکر ہوگا وہ رسولؐ اور اجماعِ صحابہؓ کا منکر ہوگا۔

اس روایت میں جو خرافات موجود ہیں وہ دیکھنے کے قابل ہیں۔ حضرت حمزہ کی شہادت کا واقعہ پیش آنے کے بعد پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام شام میں کب رونق افروز ہوے؟ اور یہ بات اس راوی کو کہاں سے ملی؟

غزوۂ احد جس میں حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہوے، نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کئی روز کی طویل مسافت اور مراحل طے کرتے ہوے ملکِ شام پہنچ گئے اور وہ بھی سوم کی فاتحہ ادا فرمائی۔

صدقات دیگر اجماع صحابہؓ سے قطع نظر صرف یہ ثابت ہے کہ نبوت ملنے سے پہلے اور حضرت حمزہؓ کے قبول اسلام سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تجارت کے سلسلہ میں نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے شام کا سفر کیا تھا۔ ایسی صورت میں حمزہؓ کی روح پر صدقہ کرنے کی بات شام کے سفر میں کوئی معنی نہیں رکھتی۔ یہ جو کہا گیا ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام اپنی بعثت سے اسلام اور حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

[۱] مکتوبات میں مصنف علیہ الرحمہ نے جہاں کہیں بدعت کی مذمت بیان کی ہے اس سے مراد بدعتِ ضلالت ہے۔ کیوں کہ انھوں نے اپنی بعض کتابوں میں بدعت کی تقسیم کی ہے اور بعض امور اور اعمال کو بدعتِ حسنہ لکھا ہے تفصیل کے لیئے "فصل الخطاب" ملاحظہ کیجیے۔ مترجم۔

کی شہادت سے پہلے ہی اپنی غیب دانی سے ملکِ
شام میں مراسم ادا فرمائے ہیں۔ یہ اقدام اس
بات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہوگا کہ مجھے نبوت ملے
گی، حضرت حمزہؓ اسلام لائیں گے اور جنگِ احد
میں شہید ہوں گے۔ اسی زمانہ میں صدقات سوم
وغیرہ جو رائج ہیں کمالِ محبت کے ساتھ شام میں
ادا فرمایا۔ گو کہ حضرت حمزہ مکہ مکرمہ میں زندہ
ہیں اور مجھ پر ایمان نہیں لائے ہیں۔

اس کے علاوہ اصولی بات یہ ہے کہ
خیرالانام صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہؓ سے
جو بھی عمل منقول ہے اس کی سند چاہیے تاکہ معلوم
ہوجائے کہ اس روایت کو نقل کرنے والا کون اور
کیسا ہے؟ یہ فتویٰ تو ہمارا مشہور استفتاء
ہے کہ ختن اور ختین تینوں دختران معاویہؓ
کیا حکم رکھتے ہیں۔ اور بیت کا حکم معروف ہے:

چہ خوش گفتہ است حافظ در گلستاں
الٰہی غنچۂ امید بکشا ے

حافظ شیرازی نے گلستاں میں کیا خوب
کہا ہے الٰہی امید کا غنچہ کھلا دے۔

"مجموعۃ الروایات" کے مصنف انتہائی
سادہ دلی کے ساتھ ایسی روایت قبول کرتے ہوئے
وحیٔ منزل کی طرح قلبی اعتقاد رکھتے ہوئے اس
کے منکر کو پیغمبرؐ اور اجماع صحابہؓ کا منکر کہہ رہے ہیں
صدقاتِ مخصوصہ کی بدعتیت میں کسی
کو اختلاف نہیں ہے اور اس پر حضرت مولانا
عبدالعلی قدس سرہٗ اور مدراس و کلکتہ کے علمائے
کرام متفق ہیں۔ آپ کو مدراس کے علمائے کرام کا
جواب اور کلکتہ کے علمائے کرام کے جواب کا رد
پڑھنے سے معلوم ہوجائے گا۔ دین کی تھوڑی سی
سمجھ بوجھ رکھنے والے شخص کو "مجموعۃ الروایات"
کی روایتوں سے حیرت ہوگی کہ یہ بزرگ مصنف
صدقاتِ مقیدہ کے مسنون اور صحابہ کرامؓ کے عمل
ہونے کی بات کس بنیاد پر کہہ رہے ہیں اور کس
طرح اس کے منکر کو پیغمبر اور صحابہ کا منکر
خیال کررہے ہیں۔

مکرمی!

بہت سے نیم ملا غلط سلط اور ضعیف
روایات کو ہر کس و ناکس سے حاصل کرتے ہوئے
اپنی کتابوں میں داخل کرلیتے ہیں اور خود کو مصنف
کہلواتے ہیں۔ ہرگز ہرگز ایسی روایتوں اور فتووں
پر کان نہ دیں۔ اور مستند و معتبر علماء و مشائخ
کی کتابوں کا مطالعہ رکھیں اور ان ہی پر عمل کریں۔

اللہ معکم اینما کنتم۔

غزل

پیشکش: مولانا سید شاہ ہلال احمد صاحب قادری
المعروف بہ ہلال پاشاہ صاحب
نائب ناظم دارالعلوم لطیفیہ بمکان حضرت قطب ویلور

شکر لب ہے ترا او دل رُبا خط — دلاسا غمزوا بہجت فزا خط

ترا خط قوتِ دل قوتِ جاں ہے — نپوچیگا اسے یا قوت کا خط

صفائے سینہ ہے ہور راحتِ جاں! — مصفا رُخ کے اوپر دلکشا خط

ترا خط آیتِ منزلِ بہا کا — ہے اس آیت اُپر اعراب سا خط

بلا او پر بلا ہے عاشقاں کوں — ترا مُکھ یک بلا دیگر بلا خط

اگر نافہ کا دل تڑکے بجا ہے — کہ رشکِ مشکِ چیں ہے بے خطا خط

ترے خط بیچ دیکھیا حسنِ حق میں — نہیں دیکھیا ہوں ایسا حق نما خط

جہاں کثرت نما ہے وجہ حق پر — ترے چہرے پو ہے کثرت فزا خط

ہے قربیؔ وحدت و کثرت ہی جامع
منوّر مُکھ پو مہ کے باصفا خط

ترجمہ وتلخیص

مولوی حافظ ابوالنعمان بشیر الحق ایم اے،

مجدّدِ جنوب حضرت قطبِ ویلور علیہ الرحمہ نے اپنے مریدین و معتقدین اور تلامذہ وخلفاء کے نام فارسی میں خطوط تحریر فرمایا ہے۔ جن میں کئی ایک مختلف موضوعات پر روشنی ڈالی ہے۔

بعض مکتوبات کا ترجمہ ھدیۂ ناظرین ہے

مترجم: ابوالنعمان غفرلہٗ والوالدیہ

مکتوب بنام بہ معززے تحریر یافت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حمد و صلوۃ اور سلام سنت خیر البریات کے بعد،

واضح خاطر شریف ہو کہ یہ مسکین عرصہ دراز سے آپ کے خیریت نامۂ جان فزا کے وصول سے سرورِ قلب حاصل نہیں کر سکا۔ لیکن دوسروں کی زبانی آپ کے حسنِ خیریت و کیفیت اور دین و ملت کی تقویت میں آپ کی توجہ اور انہماک اور کفر و بدعت کے استیصال و انسداد میں آپ کی جد و جہد کی خبر سُن کر دل کو سرور حاصل ہوا۔ بارگاہِ ایزدی میں دست بہ دعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ اور آپ کے اصلاحی اور دعوتی کاموں میں خیر و برکت عطا فرمائے۔

آج کا زمانہ ایک ایسا زمانہ ہے جس میں مسلمان اجنبی و غریب اور نادر ہو چکے ہیں۔ اور زمانہ جیسے جیسے گزرتا جائے گا مسلمان اور بھی اجنبی اور غریب ہو جائیں گے[1] اور یہ ایسا دور ہے جس میں تھوڑا سا نیک عمل بھی بہت زیادہ اجر و ثواب کے ساتھ عالم الغیب کی بارگاہ میں قبول ہو جائے گا۔ سعادت مند شخص تو وہ ہے جو غربتِ اسلام کے اس زمانہ میں چرب و شیرینی غذاؤں اور رنگین و منقش لباسوں اور عزت و وجاہت کی طلب اور سلطنت و اقتدار کی چاہت کی جانب نظر نہ اٹھائے

من کان ھمۃ ان یدخل فی بطنہ فقیمتہ ما یخرج من بطنہ

ہمت اور حوصلہ کون و مکان سے بلند رکھیے[1]

آدمی کی قدر و قیمت اس کی ہمت کے مطابق اور موافق ہو گی[1] اسی طرح کی ہمت اور حوصلہ خداوند تعالےٰ کی رضا جوئی میں بھی رکھیے من لہ المولیٰ فلہ الکل۔ مولا جس کا ہو اس کے لیے سب کچھ ہے[2] ہم جیسے بے دست و پا درویش لوگ اس دولت سے محروم ہیں۔

---

[1] یہ اس حدیث کی ترجمانی ہے جس میں کہا گیا ہے بدا الاسلام غریبا وسیعود غریبا۔ اسلام غریبی اور اجنبیت کی حالت میں ظاہر ہوا۔ عنقریب اسی پہلی حالت میں لوٹ جائے گا۔ مترجم غفرلہٗ

[1] ہمت بلند دار نزد خدا و خلق
باشد کہ بقدرِ ہمت تو اعتبار تو (مترجم)

[2] من کان للہ کان اللہ لہٗ
جو اللہ کا ہوا اللہ بھی اس کا ہو گیا۔ (حدیث)

ھنیئاً لارباب النعیم نعیمھا وللعاشق المسکین مایتجرع

ارباب نعمت و دولت کو ان کی نعمتیں مبارک، عاشق مسکین کے لیے وہی گھونٹ ہیں۔

آدم نامی ایک عیسائی شخص نے ۱۸۵۹ء میں تین جلدوں پر مشتمل ایک کتاب اڈنبرہ، دارالحکومت سکاٹ لینڈ سے شائع کیا ہے۔

یہ کتاب مشرکوں، یہودیوں، مسلمانوں، عیسائیوں اور عیسائیوں کے مختلف فرقوں جو ساٹھ سے زاید ہیں کے اختلافی و اجماعی عقاید اور ہر فرقہ کے مذہب کا سن حدوث اور سبب اور ہر ملت کے بانی کے حالات اور ہر فرقہ کے لوگوں کی تعداد اور مساکن وغیرہ پر حاوی اور محیط ہے۔

یہ مسکین اس کتاب کے مضامین دیکھنا چاہتا ہے لیکن ہاتھ نہیں لگ رہے ہیں۔ یفعل اللہ مایشآء و یحکم مایرید : اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو ارادہ کرتا ہے وہی صادر ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے امیدوار ہوں کہ وہ آں مخدوم کے ذریعہ اس امر جلیل کو جلوہ گر فرمائے گا۔ انہ قریب مجیب۔

مکتوب بنام افضل العلماء قاضی القضاۃ مولانا مولوی ارتضاء علی خان بہادر مدراس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ کفیٰ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔

آں جناب کی خیریت مسلمانوں کے جم غفیر کی خیریت کے ساتھ پیوست ہے اور اس مسکین کا مقصود اور مطمح نظر بھی پیوست ہوگا۔ آپ کی خیریت گویا ان تمام کی خیریت تصور کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ اور آپ کے امور و اشغال میں خیر و برکت عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ سے آپ کی سلامتی اور عافیت کا طلب گار ہوں۔

قیام مدراس کے دوران آپ نے اس مسکین سے رسالوں کی اصلاح سے متعلق پوچھا تھا۔ یہ بات ضرور یاد ہوگی۔ اس وقت آپ کی خدمت میں "رسالۂ احیاء سنّت" ارسال کیا ہوں۔ انشاء اللہ "رسالۂ احیاءِ توحید" مبیضہ کے اتمام کے بعد ارسال خدمت کروں گا۔

تصنیف و تالیف سے مقصود و مطلوب برادرانِ دینی کو نفع پہنچانا ہے۔ یہ مسکین حاسدوں اور معاندوں سے محفوظ اور مامون نہیں۔ من صنف فقد استھدف : جس نے تصنیف کی وہ ہدف

تنقید بنانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کریں گے اور عوام کو فائدہ حاصل کرنے سے باز رکھیں گے۔ ایسی آفتوں سے نجات کے لیے آن مخدوم سے رسالوں کی اصلاح چاہتا ہوں اور آپ کے اوقات شریف کو ضائع کر رہا ہوں۔ آپ کی اصلاح کے بغیر رسالوں کو نا قابلِ اشاعت سمجھتا ہوں۔ جو واثبات اور کمی وزیادتی میں آپ مختار ہیں۔ جو چاہیں درست فرمائیں۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ آپ کے وجودِ بابرکت کا فیض جاری وساری رہے۔

مکتوب بنام حاجی ابوالحسن خان صاحب جعفری ابنِ بدرالزماں جعفری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

سلام مسنون کے بعد واضح خاطر شریف ہو کہ مخلصی مشیخت پناہ حافظ محی الدین نقشبندی کے ذریعہ آپ کا مراسلہ شریفہ جو اس مسکین کے نام زد تھا۔ تفسیر حسینی کی پانچ جلدوں اور جذب القلوب اور اکیر نامہ اور کاغذ کے بارہ بنڈل کے ساتھ دستیاب ہوا۔

رب العالمین آن مخدوم کو عافیت کے ساتھ سلامت رکھے جو ہم فقراء کے حالات دریافت کرتے ہیں اور مہربانی ودل جوئی کرتے ہیں۔ کتابیں اور کاغذ جو ہم فقراء کی جان کی روح ہے، مرحمت فرماتے ہیں اور موجودگی وغیر موجودگی میں کوئی فرق نہیں کرتے۔

یہ مسکین فرصت کی قلت سے ایک اثاثہ سو بیمار اور ایک سر ہزار سودا کا حکم رکھتا ہے۔ آپ کے اخلاقِ کریمانہ کی وسعت پر نظر کرتے ہوئے جواب تحریر کرنے سے قاصر رہتا ہے۔ اور آپ کے اخلاص غائبانہ پر اکتفا کر لیتا ہے۔ لہٰذا اس تاخیر کو آپ چشم پوشی اور اغماض پر محمول نہ کریں۔ پورے دل کے ساتھ کہتا ہوں کہ یہ مسکین آپ کے وجود شریف کو یا لاکھاٹ کے شہروں کی آبادی کا موجب اور رونق کا باعث خیال کرتا ہے۔ اللہ تعالےٰ آپ اور آپ کے امور واشغال میں برکت عطا فرمائے۔ اسی کی ذاتِ جلّ وعلا سے آپ کی سلامتی اور عافیت کا طلب گار اور دعاگو ہوں۔

آپ نے اپنے مرض کی شدّت اور غلبہ کی خبر دی تھی۔ مخدوم من! دنیا کے رنج وغم کا تذکرہ خوش ہو کر کرنا چاہیے۔ رنج وغم اور مرض کے برابر کوئی دولت نہیں۔ ان ہی کی وجہ سے تو آدمی غفلت کی دنیا سے نکل کر حق تعالےٰ کی جانب مائل اور متوجّہ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:

واذا انعمنا علی الانسان اعرض ونا بجانبہ واذا مسہ الشر کان یؤسا :
اور جب ہم انسان کو نعمتیں عطا کرتے ہیں تو ہم سے اعراض کرجاتا ہے اور اپنی طرف دور ہٹ جاتا ہے۔ یعنی شکر ادا نہیں کرتا تکبر میں مبتلا ہوجاتا ہے اور اس کو جب مصیبتیں پہنچتی ہیں تو خوب دعائیں کرتا ہے۔

مومن کو اس بات سے خوف کرنا چاہیے کہ فانی دنیا کی لذتیں اور جسمانی راحتیں آخرت کے سنوارنے اور بنانے میں حائل نہ ہوجائیں۔ اور جو شخص دنیاوی نعمتوں اور لذتوں میں گھرا رہتا ہے اور دکھ و تکلیف و رنج و غم اور مرض سے محفوظ رہتا ہے تو بزرگان اس چیز کو غضب حق خیال کرتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں : ماالدنیا والآخرۃ الاضرتان ان رضیت احد یھما سخطت الاخری : دنیا اور آخرت دو سوکنیں ہیں۔ ان میں سے ایک خوش ہو تو دوسری ناراض ہوجاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس بات کی توفیق اور ہدایت عطا فرمائے کہ مرض کے ایام کو غنیمت خیال کریں۔ ان کو ضائع نہ کریں بلکہ حق تعالیٰ کی یاد میں مشغول ہوجائیں۔

رضا صاحب دادنی ایک سیدھے سادے شخص ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے امید کرتا ہوں کہ ان کی کج روی آپ کے دریا دل میں جگہ نہیں پکڑے گی۔

زیادہ کیا تحریر کروں۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت و حمایت آپ کے ساتھ رہے، آپ جہاں کہیں رہیں۔
اللہ معکم اینما کنتم۔

مکتوب بنام محمد یعقوب صاحب پیارم پیٹ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
حمد و صلوۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد، واضح خاطر شریف ہو کہ مکتوب محبت اسلوب جو انتہائی الفت و اخلاص کے ساتھ تحریر کیا گیا ہے، دانہ چینی کے ھدیہ کے ساتھ آپہنچا اور مسرت بے پایاں اور فرحت فراواں کا باعث بنا۔

اللہ تعالیٰ آن محب کو عافیت کے ساتھ سلامت رکھے۔ جو فقراء کے حالات دریافت کرتے رہتے ہیں اور موجودگی و غیر موجودگی دونوں کو یکساں قرار دیتے ہیں : جزی اللہ عنا خیر الجزاء۔

درلشیوں کے ساتھ محبت و الفت اور ربط و تعلق رکھنا یہ اللہ تعالےٰ کی جلیل و عظیم نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے ۔ یہ مسکین آن محب کی پیشانی پر اس کے آثار کا مشاہدہ کر رہا ہے۔ اللہ تعالےٰ سے آپ کی سلامتی اور عافیت کا طلب گار ہے ۔

از ہر چہ میرود سخن دوست خوشتر است

جو بات بھی دوست کی جانب سے پہنچتی ہے وہ اچھی اور بھلی لگتی ہے ۔

اللہ تعالےٰ سے شرم و حیا کرنا چاہیے کہ ہزار روز میں سے ایک روز کو بھی یادِ الٰہی کے واسطے منتخب نہ کیا جائے ۔ مختلف و گوناگوں تعلقات ، چکنی و چپٹی اور میٹھی و شیریں غذا ، رنگین و منقش لباس ، عزت کی خواہش ، جاہ کی طلب ، امراء و اغنیاء کا قرب ۔ جن کو آخر بادِ فنا اُڑا لے جائے گی ۔ جن پر فریفتہ ہو کر ہم اپنے دلوں کو پارہ پارہ کر رہے ہیں ۔

اللہ تعالےٰ ہم کو توفیق عطا فرمائے کہ مختصر و لاطائل دُنیا جس کو زوال و فنا کے سوا کوئی چارہ نہیں اس کی گرفتاریوں میں نہ پھنس جائیں اور باقی رہنے والی ذات کی محبت کی بو سے اپنے مشامِ جاں کو معطر کریں اور جوہرِ استعداد کو ضائع نہ کریں ۔

نماز پنج گانہ جو سلام ربّانی ہے ۔ آدمیوں کے ساتھ جمع ہو کر جماعت کے ساتھ ادا کرنے کو اپنے اوپر لازم کر لیں کیوں کہ صف بستہ سلام عرض کرنا کیا حاکمِ حقیقی اور کیا حاکمِ مجازی دونوں کے پاس مقبول اور پسندیدہ ہے ۔

گوے توفیق و سعادت درمیان افگندہ اند + کس بمیدان درنمی آید سواراں را چہ شد

توفیق اور سعادت کی گیند درمیان میں ڈالے ہوئے ہیں ۔ سواروں کیا ہوا ہے کہ کوئی سوار بھی میدان میں نہیں آ رہا ہے ۔

ربنا اتمم لنا نورنا واغفرلنا انك على كل شئ قدير

اے ہمارے رب ہمارے لیے ہمارا نور پورا کر دے یعنی دخولِ جنّت تک باقی رہے اور ہمیں بخش دے ۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے ۔

اس مسکین کو ایسا نہ سمجھ بیٹھیں کہ وہ اپنوں کو فراموش کرنے والا ہے المرء مع من احب : آدمی کا حشر اسی کے ساتھ ہو گا جس کے ساتھ اسے دنیا میں محبت ہو گی ۔

سلامتی ہو تم پر ، میرا قلب تمہارے پاس ہے ۔ والسلام علیکم وقلبی لدیکم ۔

مکتوب بنام مسٹر غلام علی صاحب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

حمد و صلوٰۃ اور سلام مسنون کے بعد خاطر شریف پر واضح ہو کہ آپ کا التفات نامہ دستیاب ہوا اور حسن خیریت و کیفیت سے آگاہ اور شاد کیا۔ الحمد للہ علی ذلک۔

آپ نے شہابِ ثاقب[1] کے گرنے کا سبب دریافت کیا تھا۔

شہاب ثاقب کے باب میں اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ فرشتے، شیاطین کو شہابِ ثاقب کے ذریعہ مار بھگاتے ہیں۔ جو شیاطین کے عالم علوی کی تدبیرات کی جاسوسی کے لیے آسمانوں پر پہنچتے ہیں اور فرشتوں کے درمیان ہونے والی گفتگو چوری چھپے سے سُن لیتے ہیں اور ان اخبارات اور تدبیرات کو لوگوں تک پہنچاتے ہیں اور ان کے عقائد و اعمال کو فاسد کر دیتے ہیں اور خود کو عالم الغیب ظاہر کرتے ہوئے تدبیراتِ الٰہیہ کا شریک و سہیم قرار دیتے ہیں اور لوگوں کو اپنی عبادت اور اپنے لیے قربانیاں پیش کرنے کی ترغیب دلاتے ہیں۔

حکماء اس اعتقاد کے مخالف ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ شہاب ثاقب کی حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک زمینی مادہ یا زمینی دھواں ہے جو کرۂ نار میں داخل ہو کر خود بخود شعلہ بن جاتا ہے۔ اس کے جلانے میں فرشتوں کو کوئی دخل نہیں۔ لیکن حکماء کا یہ قول غلط ہے۔

اس لیے کہ جلنے والا دھواں اگر خود بخود کرۂ نار میں داخل ہو کر خود بخود شعلہ بن جاتا ہے تو لازم تھا کہ صعود و عروج کی حالت میں زیادتی قبول کرے اور خط مستقیم پر حرکت صاعدہ ظاہر ہو جائے۔ کیوں کہ اس صورت میں اس کی حرکت سمت محیط میں ہوتی ہے۔ حالاں کہ اکثر اوقات میں وہ دھواں جلنے کے بعد نزول کرتا ہے اور کبھی سیدھے جانب اور کبھی بائیں جانب دوڑتا ہے۔ اور حرکات قسری (جس کا محرک دوسرا ہو) کہ اس کا قاسر (یعنی زبردستی سے کسی کو کسی کام پر رکھنے والا) ایک مختار ارادہ کا مالک ہوگا۔ یہ بات صریح طور پر اس میں محسوس ہوتی ہے اور مشاہدہ میں آتی ہے اور یہ حقیقت اربابِ امعان

---

[1] شہاب ثاقب ان گنت ستاروں کے چھوٹے چھوٹے اینٹ کے مثل ٹکڑے ہیں اور دہکتے ہوئے آگ کے شعلے ہیں جن کے ذریعہ شیاطین کو مار بھگایا جاتا ہے۔ اس کی تفصیل قرآن کریم میں سورۂ حجر، سورہ صٰفٰت اور سورۂ ملک میں موجود ہے۔ اور بخاری و مسلم کی بعض احادیث میں بھی تفصیلات ملتی ہیں: مترجم ابوالنعمان غفرلہٗ

اوراہلِ تجربہ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مکتوب بنام صفدر جنگ معتبر خان بہادر جاگیر دار رنجن گڈھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد وصلوۃ اور سنتِ خیر البریہ کے بعد خاطر شریف پر واضح ہو کہ آں جناب کا صحیفہ شریفہ جو کمالِ التفات واخلاص کے ساتھ تحریر کیا گیا ہے باصرہ نواز ہوا۔

اہلِ اللہ کے ساتھ الفت ومحبت اور ان کے ساتھ التفات وارتباط اور اس عالی قدر طائفہ کے کلمات وارشادات کو سننے کی رغبت وخواہش اور اس جماعت کے طور طریقوں کے ساتھ میلان ورغبت رکھنا اللہ تعالٰے کی عظیم ترین نعمتوں میں سے ہے۔ آپ کے مکتوب میں یہ علامات اور آثار نمایاں نظر آرہے ہیں، جس کی وجہ سے یہ مکتوب قلب کے لیے خوشیوں اور مسرتوں کا باعث بنا۔ ایں کارِ دولت است اکنوں تاکرا رسد

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: المرءمع من احبہ: آدمی کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جس کو وہ دنیا میں محبوب رکھتا تھا۔ لہٰذا اہل اللہ سے محبت والفت رکھنے والا شخص آخرت میں اہل اللہ کے ساتھ ہوگا اور حریمِ قرب کے حرم میں ندیم اور مصاحب رہے گا۔

اللہ تعالٰے ہم تمام کو اس بات کی توفیق عطا فرمائے کہ پراگندہ تعلقات، موجودہ لذّتوں، چرب وشیرینی غذاؤں، رنگین ومنقّش لباسوں اور جاہ ومرتبہ کی خواہشوں سے فریب نہ کھائیں۔ جو کہ زوال پذیر اور فانی ہیں۔ اور ہمیشہ باقی رہنے والی ذات کی محبت وجمعیت کی بوباس سے ہماری مشامِ جان کو معطّر فرمائے۔ اور ہمیشہ موت کی یاد اور آخرت کے احوال وکوائف کو ہمارے پیشِ نظر رکھے۔

حضرت باری تعالٰے سے دعا گو ہوں کہ وہ آں والا مرتبت کو مردِ آخرت بنائے اور دنیاوی نعمتوں کے ساتھ اُخروی نعمتوں سے سرفراز فرمائے۔ اور جو خیر اور حق ہے اسی کو نصب العین بنانے کی ہدایت عطا فرمائے۔ ظاہری اور باطنی جمعیت عطا فرمائے: انہ قریب مجیب

آپ نے اہلیۂ محترمہ کے حاملہ ہونے کی اطلاع دی جس سے قلب شاداں وفرحاں ہوا۔ آپ

فرصت کے اوقات میں یا سلام یا وارث کے کلمات مجید کا ورد رکھیے۔ یہ اسمائے مبارکہ مقصود اور مراد کو پورا کرنے میں اثر عظیم رکھتے ہیں۔
اللہ کی حمایت و نصرت تمہارے ساتھ رہے تم جہاں کہیں رہو۔ اللہ معکم اینما کنتم۔۔

مکتوب بنام مولوی محمد جمال الدین احمد

خلف الرشید ملک العلماء حضرت مولانا مولوی علاؤالدین احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ کفیٰ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

یہ وہی پرانا مسکین محی الدین ہے جو ملک العلماء حضرت مولانا مولوی علاؤالدین احمد کے آستانہ فیض آشیاں پر علوم و فنون کی دریوزگری کرتا رہا۔ اور اپنے استاذ کے حقوق کو اپنے والد اور مرشد کے حقوق کے برابر تصور کرتا ہے۔ قدس اللہ اسرارھما۔ ایک عرصہ سے آپ کی صحبت سراپا افادت میں رہنے کا خیال پیش نظر رکھا ہوا ہے۔ لیکن اس کا اظہار مراسلت کے ذریعہ سوء ادب تصور کرتا رہا اب اس وقت آپ کا شرف نامہ دستیاب ہوا تو جواب میں تاخیر و توقف کو سوء ادب سمجھا۔

یہ مسکین آپ کی ذات گرامی کو مسلمانوں کی پناہ گاہ اور اسلام کی رونق اور صحبت سراپا فیض کے خواہاں و جویاں کے لیے ماوٰی خیال کرتا ہے۔ اللہ تعالےٰ سے امید ہے کہ وہ آپ کے ذریعہ اسلام کی اشاعت اور ملت اسلامیہ کی تقویت فرمائے گا اور اس مسکین کو صحبت شریف کے شرف سے مشرف فرمائے گا۔

مکتوب بنام حسن کٹی وزیر سلطان علی راجہ المعروف عبدالرحمان کنانور کیرالہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ کفیٰ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

فقیر محی الدین عبداللطیف کان اللہ لہٗ۔ حسن کٹی وزیر سلطان علی راجہ المعروف عبدالرحمان کی خدمت میں یہ عریضہ ارسال کر رہا ہے کہ منیر منور علی صاحب جو حکیم اکبر بارزانی کی اولاد میں سے ہیں ،

حرمینِ شریفین کی زیارت کی خواہش کر رہے ہیں۔ انھوں نے مصارفِ سفر اور ضروریات سے متعلق مجھے ایک خط روانہ کیا ہے جس میں خواہش ظاہر کی ہے کہ میں ان کی امداد کے لیے آپ سے درخواست کروں ان کے سوال کو رد کرنے میں شرم وحیا مانع بن گئی۔

آں جناب سے التماس اور امید کرتا ہوں کہ صلاح اور وسعت کی صورت میں سائل کی ضرورت کو پورا فرمادیں۔ اگر آپ تائید کریں گے تو مؤید اللہ تعالےٰ ہی ہے اور آپ ماجور قرار پائیں گے اور اگر آپ تائید نہیں کریں گے تو مانع اللہ تعالےٰ ہی ہے اور آپ معذور قرار پائیں گے۔

میرا سلام وپیام ملکۂ کنانوز پلیا پے پے اور سلطان اور والدِ سلطان کی خدمت میں پیش کریں اللہ تعالےٰ ہمیں اپنے مومن بندوں میں شامل فرمائے۔ جن کو نہ خوف ہے اور نہ حزن ہے اور سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم، جمیع انبیاء، اہلِ بیت اور صحابہؓ کی متابعت وروش پہ قائم رکھے ۔ آمین ..

مکتوب بنام مولوی حافظ سیّد محمدؐ میر صاحب برہان پور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلام مسنون کے بعد خاطرِ شریف پہ واضح ہو کہ اس دیار وامصار کے فقراء کے احوال ولوائف شکر کا باعث ہیں۔ اللہ تعالےٰ سے آپ کی سلامتی وعافیت اور استقامت فی الدین کے طالب ہیں۔

آپ کا مکتوب گرامی باصرہ نواز ہوا۔ جس کے مطالعہ سے وہاں کے مسلمانوں کے درمیان اختلاف اور فتنہ کی آگ بھڑکنے کا علم ہوا۔

آپ نے کتاب "نصیحۃ المسلمین" کے مضامین کی صحت اور عدم صحت کے بارے میں سوال کیا تھا۔ نیز مکتوب کے ذریعہ خاطرِ شریف کے مضمرات کا علم ہوا۔

میں نے آپ کی روانہ کردہ کتاب کا مکمل مطالعہ کیا۔ شرک اور بدعت کے خاتمہ اور انسداد میں مفید پایا اور اس میں شرک اور شیعیت کا کوئی اثر نہیں پایا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مصنف اہلِ سنّت جماعت کے اصحابِ مستقیم میں سے ہیں اور اللہ کے برگزیدہ بندوں میں سے ہیں۔ اللہ کرے ان کی عظمت اور بزرگی اور ان کی دلیل وبرہان کی قدر وقیمت میں اضافہ ہو۔

آج اسلام کا ضعف اس درجہ میں پہنچ چکا ہے کہ مبتدعین علانیہ دین پہ طعن کر رہے ہیں اور برملا مسلمانانِ حقیقی کی مذمت کر رہے ہیں اور کوچہ وبازار میں بدعت بلکہ شرک کی پذیرائی بے خوف وخطر کر رہے ہیں اور اس کے احکام جاری کر رہے ہیں اور مسلمانانِ حقیقی

دین کے احکام کے نفاذ میں ممنوع ہیں اور ان کے بیان کرنے میں مذموم اور مطعون ہیں۔ ؎

پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمہ و ناز۔!
بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

کہا گیا ہے کہ شریعت کا نفاذ قوت کے تحت ہے "الشرع تحت السیف" شرع شریف کی رونق امراء و سلاطین سے قائم ہے۔ لیکن آج قضیۂ منعکسہ (اس مقدمہ سے جو خواہش کے خلاف ہو۔) ہے اور انقلاب کا معاملہ ظاہر ہو چکا ہے۔

آج ہم آپ کے وجود شریف کو غنیمت شمار کرنے لگے ہیں اور آپ کو اس معرکہ میں جلدی کرنے والا سمجھ رہے ہیں۔ اللہ تعالےٰ احکامِ دین کے نفاذ و اجرا میں آپ کی تائید اور تقویت فرمائے اور اسلام کے دشمنوں پر آپ کو غلبہ و نصرت عطا فرمائے۔

محبِّ محترم!

یہ وہ زمانہ ہے جس میں تھوڑا سا عمل بھی کمالِ اعتناء کے ساتھ اور اجرِ جزیل کے ساتھ بارگاہِ خداوندی میں قبولیت حاصل کرلے گا۔ ہم جیسے بے دست و پا فقراء اس دولت سے محروم ہیں هنيئاً لارباب النعيم نعيمها ، وللعاشق المسكين ما يتجرع

ہم فقراء کو لازم ہے کہ ہدایت کے معاملہ میں خود کو اور تمام کو مردہ و بے حس و حرکت جماد خیال کریں انك ميت وانهم ميتون

آپ کو چاہیے کہ اصلاح و دعوت کے میدان میں نرمی و ملائمت اور لطف و مہربانی کے ساتھ لوگوں کو راہِ راست پر لانے کی سعی و کوشش کریں اگر وہ سیدھے راستے پر آجاتے ہیں تو یہی مقصود اور مطلوب ہے۔ ورنہ اس معاملہ کو خدا کے حوالے کردیں۔ من يضلل الله فماله من هاد : جس کو اللہ گم راہ کردے اس کے لیے کوئی سامانِ ہدایت نہیں۔

اس علاقہ کے باشندوں میں جناب ابراہیم صاحب دانا و بینا اور مردِ نیک ہیں۔ ایک مکتوب ان کے مراسلہ کے جواب میں روانہ کررہا ہوں۔ آپ یہ مکتوب دیکھنے سے باقی حالات کا علم ہوجائے گا۔ السلام علیکم و قلبی لدیکم ۔۔

مکتوب بنام غلام حسین مہکری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلام مسنون کے بعد خاطر شریف پر واضح ہو کہ پیر محمدؐ کے ساتھ آپ کا التفات نامہ موصول ہوا۔ آپ کے قطع رحم[1] کے ارتکاب اور اس گناہِ کبیرہ پر مداومت کی خبر سے قلب مضطر ہوگیا۔

'زواجر ہندی' جو ایک مشہور و معروف کتاب ہے اس کا دسواں باب آپ کی نظر سے گزرا ہوگا۔ جس میں قطع رحم کو گناہِ کبیرہ بتلایا گیا ہے۔ آں مکرم سے اس گناہ کا صدور اور اس کے اوپر اصرار و مداومت بڑی حیرت خیز بات ہے۔ جب کعبہ ہی سے کفر اٹھے تو مسلمانی کہاں رہ سکتی ہے۔

چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی۔

امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ' سے روایت ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا: یا محمدؐ ان اللہ یقرؤک السلام ویقول یا محمد ثلاثۃ لا تقطعھم انت وامتک فان من قطعھم کنت انا خصمہ یوم القیامۃ الاول الرحم والثانی الجار والثالث السائل:

اے محمدؐ! اللہ تعالےٰ آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے: اے محمدؐ! تین ہیں جن سے آپ اور آپ کی امت قطع نہ کرے۔ اور جو کوئی ایسا کرے گا تو میں قیامت کے روز اس کا دشمن ہوجاؤں گا۔ ایک رحم، دوسرا پڑوسی تیسرا سائل

اور دوسری حدیث میں ہے: لا ینزل الرحمۃ علی قوم فیھم قاطع رحم۔

اس قوم پر اللہ تعالےٰ کی رحمت نازل نہیں ہوگی جس میں قاطع رحم موجود ہو۔

نیز مروی ہے: صلوا ارحامکم ولو قطعوکم واقضوا حوائجھم ولو ھجروکم فان حبل الرحم موصول بید الرحمٰن۔

قرابت والوں کا حق ادا کرو اگرچہ کہ وہ تم سے تعلق منقطع کرلیں۔ اور ان کی ضروریات و حاجات کو پورا

---

[1] قرابت والوں کا حق ادا نہ کرنے کو قطع رحم (رحم کاٹنا) کہتے ہیں۔ اور قرابت والوں کا حق ادا کرنے کو صلہ رحم (رحم ملانا) کہتے ہیں۔ رحم مادری ہی تعلقاتِ قرابت کی جڑ ہے۔ مترجم: ابوالنعمان عفی عنہ

کرو اگرچہ کہ وہ تم سے کنارہ کشی اختیار کریں۔ بے شک رحم کی رسی رحمان کے ہاتھ سے جڑی ہوئی ہے۔ یعنی صلۂ رحمی سے رحمان کی رحمانیت تمہارے اوپر ہوگی۔

ان وعیدوں کو پڑھنے اور سننے سے ایک مومن کا دل پارہ پارہ ہوجاتا ہے۔ اور اس کا جسم بید کے مانند لرزاں ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ ہم سب کو اپنے جود وکرم اور احسان وفضل سے، طغیان وعصیان اور سرکشی سے محفوظ رکھے۔

قطع رحم ایک ایسا کبیرہ گناہ ہے جس سے آدمی کی انانیت اور نفسانیت ظاہر ہوتی ہے اور اس گناہ کے ارتکاب سے کوئی دنیاوی فائدہ بھی نہیں۔ میں نہیں جانتا کہ آں مکرم اس معصیت کے ارتکاب میں کیا منفعت اور کون سا فائدہ دیکھ رہے ہیں کہ اس کو دل وجان سے قبول کئے ہوئے ہیں۔ دوستوں کا دل آزردہ کرنا نادانی اور جہالت ہے۔

غلام محی الدین صاحب کو ان کی پیرانہ سالی کے باوجود آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں کہ اپنی اولاد پر رحم کریں اور فقیر کی بات کو قبول کریں جو دینی اور دنیاوی فوائد پر مشتمل ہے۔۔۔

نعت شریف

مدینہ کا ہم کو نظارہ ملا ہے — کرم سے یہ اُن کے دوبارہ ملا ہے
محمدؐ سے ہم کو اُجالا ملا ہے — کہ انسانیت کو سہارا ملا ہے
وفورِ تجلّی کا پُر کیف منظر — یہ ہر وقت ہم کو نظارہ ملا ہے
ازل سے ابد تک جہاں تک نظر کی — دو عالم میں روشن ستارہ ملا ہے
تلاطم میں کشتی چلی جارہی تھی — مگر اُن کے صدقے کنارہ ملا ہے
رہ ورسمِ منزل الگ ہی الگ ہے — یہاں قول ہر ایک نرالا ملا ہے
بھٹکتی پھری ہے ازل سے یقیناً — تلاطم میں کشتی کو دھارا ملا ہے
بہت دور رہ کر بھی ہم بھانپ لیتے — بفضلِ خدا اب اشارہ ملا ہے

تصدّق خدا پر میں جاؤں گا افسر
یہ رتبہ دوبارا خدارا ملا ہے

ڈاکٹر حکیم سید افسر پاشا افسر
شفاء ڈسپنسری۔ گڑیاتم

پیش کش حافظ محمد مرتضیٰ شریف استاذ دار العلوم لطیفیہ۔ ویلور

دارالعلوم لطیفیہ
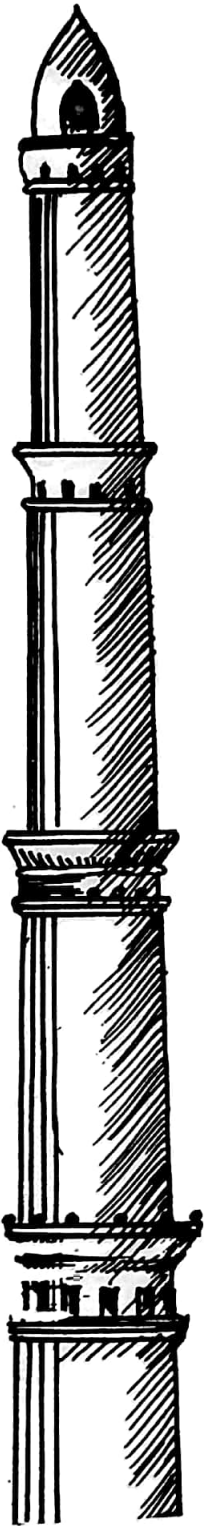
ہندوستاں میں شانِ دکن ہے لطیفیہ
دینی فلک پہ جلوہ فگن ہے لطیفیہ

نقشِ جمالِ دورِ کہن ہے لطیفیہ
قطب زماں، وقارِ وطن ہے لطیفیہ

دریا ہے اس کے فیض کا ہر سُو رَواں دواں
اور آبروئے گنگ و جمن ہے لطیفیہ

ہر پھول میں ہے نُورِ رشدِ ابلیاء کی بُو
سرسبز علم دیں کا چمن ہے لطیفیہ

کیوں کر نہ اس کے فیض سے ہوں فیضیاب سب
اس سرزمیں پہ نُوری کرن ہے لطیفیہ

نظارہ ہائے راحتِ قلب و نظر بنا
مینارِ فکر و نورِ سخن ہے لطیفیہ

جُھک جُھک کے کر رہا ہے جسے آسماں سلام
ویلور میں وہ قطب زمن ہے لطیفیہ

علیم صبا نویدی

• پیش کش :—— محمد عبدالسبحان وگرور متعلم دارالعلوم لطیفیہ

جواہر السلوک

مجدد جنوب حضرت قطب ویلور

پروفیسر سیّد وحید اشرف کچھوچھوی سابق صدر شعبہ عربی فارسی اردو یونیورسٹی مدراس

حضرت قطب ویلور کی معرکتہ الآرا فارسی تصنیف
جواھر السلوک کے مفہوم خیز ترجمہ ہدیہ ناظرین ہے۔

فائدہ: ۱۹

فائدہ ۱۹

اسماء کی تجلّی کی بھی بہت سی قسمیں ہیں
کتاب "انسانِ کامل" کے مصنف نے تیرھویں[۱۳]
باب میں اس کی آٹھ قسمیں بیان کی ہیں۔ اس
باب کا خلاصہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالےٰ اپنے اسماء
میں سے کسی اسم کی تجلّی بندہ پر ظاہر فرماتا ہے تو
اس اسم کے انوار کے تحت بندہ اپنی صفات
سے فانی ہو جاتا ہے۔ تو جب تم نے اللہ تعالےٰ
کو اس اسم سے پکارا تو وہ بندے کو اسی اسم
کے وقوع کے مطابق جواب دیتا ہے جو اُس
پر واقع ہوتا ہے۔ ان اسماء کی تجلّی کا پہلا مشہد
جس میں اللہ تعالےٰ بندہ پر تجلّی فرماتا ہے وہ اُس
کا اسم موجود ہے۔ تو بندہ پر اسی اسم کا اطلاق
ہوتا ہے۔ اور اس میں اعلیٰ درجہ کی تجلّی جو اس
پر ہوتی ہے۔ وہ اسم واحد کی ہے اور اس میں بھی جو
اعلیٰ درجہ کی تجلّی ہے وہ اسم اللہ ہے۔ تو
بندہ اسی تجلّی میں فنا ہو جاتا ہے۔ جب پہاڑ پر
یہ تجلّی ظاہر ہوئی تو اس نے حق کو حقیقت میں
پکارا کہ میں اللہ ہوں۔ حق عبد کے اسم کو
مٹا دیتا ہے[۱] اور اس کے لیے اللہ کا اسم
ثابت کرتا ہے[۲]۔ تو جب تم نے کہا: یا اللہ
تو اس بندے نے جواب دیا لبیک وسعدیک۔
جب اس نے ترقی کی اور اللہ تعالےٰ نے اس کو
قوی کر دیا اور اس کو فنا کے بعد بقا دے دی[۳] تو
اب جس نے اس بندے کو پکارا اُس کو اللہ
تعالےٰ نے جواب دیا۔ مثلاً جب تم نے پکارا: یا
رسول اللہ تو اللہ تعالےٰ نے جواب دیا لبیک و...

---

[۱] محبوب جب چاہتا ہے کہ محب کو اپنی طرف کھینچ لے تو پہلے اس سے ہر وہ لباس جو کسی بھی عالم سے اس کے پاس ہوتا ہے وہ اُتار پھینکتا ہے اور اس کے عوض اپنے صفات کی پوشاک اُسے پہناتا ہے پھر اُسے اپنے تمام ناموں سے اُسے خطاب کرتا ہے اور اپنی جگہ اُسے بٹھا دیتا ہے۔ اس مقام پر یا اُسے اپنے مواقف میں سے کسی موقف پر موقوف کر دیتا ہے۔ (یہ مجذوبوں کا حال ہوتا ہے) یا ناقصوں کی تکمیل کے لیے اُسے اس عالم میں لوٹاتا ہے۔ (یہ حال انبیاء اور اولیاء کا ہوتا ہے) اور جب وہ اُسے اس اس عالم میں لوٹاتا ہے تو اُس عالم کا لباس جو اُس نے اُس سے اُتار لیا تھا پھر اُسے اپنے رنگ میں پہناتا ہے۔ عاشق جب اپنے لباس کو دیکھتا ہے اور اپنے کو دوسرے رنگ میں پاتا ہے تو حیران ہو جاتا ہے:

یہ کیسا خوش نما رنگ ہے # یہ کیسا بے مثل لباس ہے

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سعد ملک پھر جب بندہ قوی تر ہوگیا اور حق نے اسم رحمٰن کی تجلی اس پر ظاہر کی۔ اس کے بعد ربّ کی تجلی ظاہر کی۔ اس کے بعد اسم مَلِک کی تجلی ظاہر کی۔ اس کے بعد اسمِ قادر کی تجلی ظاہر کی۔ ان مذکورہ اسموں میں سے ہر اسم کی تجلی جو بندہ پر ترتیب وار ظاہر ہوتی ہے تو بندہ درجہ بدرجہ اسی ترتیب سے اعزّ و اکرم ہوتا جاتا ہے۔ حق جس تفصیل سے تجلّی فرماتا ہے وہ اس سے زیادہ اعزّ و اکرم ہوتا جاتا ہے۔ جو صرف بطور اجمال پہلے اس پر ظاہر ہوتی ہے۔ مثلاً پہلے اس پر اسم اللہ کی تجلّی ظاہر ہوی تو یہ تجلّی اجمالی تھی اب اس کے بعد اسم رحمٰن کی تجلّی ظاہر ہوی تو یہ اس اجمال کی تفصیل ہوی۔ اور اسمِ ربّ کی تفصیل اسم مَلِک کی تجلّی کا ظہور رہے اور اسم مَلِک کی تجلّی کی تفصیل اسمِ علیم اور اسم قادر ھے۔ اور اسی طرح باقی اسماء کا حال ہے۔ تجلّیاتِ ذاتی کے برخلاف جب ذات نے بذاتِ خود ان مراتب میں سے کسی مرتبہ میں تجلّی ظاہر کی تو عام ترین مرتبہ، خاص ترین مرتبہ پر فوقیت رکھتا ہے۔ تو اسمِ رحمٰن کی تجلّی اسمِ ربّ پر فوقیت رکھتی ہے اور ان دونوں کے اوپر اسمِ اللہ کی تجلّی۔ اسی طرح باقی تجلّیات کو تجلّیاتِ اسماء کے برعکس سمجھ لو۔

اشعار:

پکارنے والے نے حال فنا میں مجھ کو اس اسم سے پکارا تو میں نے اس کو جواب دیا اور حال بقا میں

حاشیہ صہ کا: جاری:

۲ے یہ حق کا نزول خلق کی طرف ہے۔ حق کی مرضی کے مطابق۔ جیسا کہ اس نے کہا ہے: وما رمیت اِذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ اور ید اللہ فوق ایدیھم۔ یہ اس کا اظہارِ عنایت ہے اپنے خاص بندوں پر۔ نزول سے مراد اتحاد و حلول لفظی و معنوی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے بلکہ یہ حق کا انتساب خلق کے لیے ہے اسماء حقیقیہ کے مراتب کے اعتبار سے یا بعض مراتب خلقیہ کے اعتبار سے مثلاً جوع و مرض وغیرہ (مثلاً اس طرح کی حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں بھوکا تھا تم نے کھانا نہیں کھلایا۔ یا مریض تھا تم نے عیادت نہیں کی۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ ان عوارض سے پاک ہے۔ اس نے بھوکوں اور مجبوروں کو اس طرح نسبت دی ہے کہ معلوم ہو کہ اُن کی حاجت روائی کس درجہ اہم ہے۔ (مترجم)

۳ے بقا کے بعد فنا کے بارے میں عبدالکریم جیلی نے "چہل کلمات" میں لکھا ہے کہ جان لو بقا عبارت ہے اس صفتِ الٰہی سے جس سے بندہ متصف ہوتا ہے۔ اپنے نفس کو فنا کر دینے کے بعد۔ ان میں کچھ ہیں جو کسی ایک صفتِ الٰہی سے متصف ہوتے ہیں، کوئی دو صفات سے اور بعضے صفاتِ کبیرہ سے۔

اس نے مجھ کو لبیک کے ساتھ پکارا تو اُس
نے جواب دیا: ہم دونوں روحِ واحد ہیں۔
جو دو جسموں میں جاری ہیں اور یہ عجیب بات
ہے۔

اس شخص کی طرح جس کے دو نام ہوں
لیکن ذات ایک ہی ہے۔
ذات کو جس نام سے بھی پکارو وہی
ایک سمجھا جائے گا۔
پس میری ذات ایک ذات ہے
اور میرا نام اسی کا نام ہے۔
اور میرا حال ان دونوں کے ساتھ
(یعنی ذات اور اسم) متحد ہے۔
اور یہ بات تحقیق شدہ ہے کہ میں
دو ذات نہیں ہوں۔ لیکن محب کی ذات
محبوب ہے۔

تجلیاتِ اسمائیہ میں ایک عجیب
بات یہ ہے کہ متجلّی لہٗ نظر نہیں آتا سوائے
ذات صرف کے، اور اسم بھی نظر نہیں آتا لیکن
پہچاننے والا اُس اسم کے غلبہ کے ذریعہ پہچان
لیتا ہے جس کی وجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بندہ
مع اللہ ہے۔ کیوں کہ وہی اسمِ ذات پہ
دلالت کرتا ہے۔ پس وہ اس سے سمجھ لیتا
ہے۔ مثلاً ذات اللہ ہے اور رحمٰن بھی ہے
اور علیم بھی ہے اور اسی طرح سارے اسماء
ہیں پس وہ اسم اپنے وقت پہ حاکم ہوتا ہے
اور ذات کے ساتھ وہی مشہد ہوتا ہے۔
اور لوگ تجلیاتِ اسماء میں مختلف ہیں تو
وہ صرف اس کے ایک طرف کا ہی ذکر کرتے
ہیں۔ کیوں کہ تمام اسماء کے احصاء کا کوئی
طریقہ نہیں ہے۔ پھر یہ کہ ہر اسم جس سے
حق اپنی تجلّی ظاہر کرتا ہے اس کے بارے
میں لوگ مختلف ہیں اور ان کے اصول کے
طریقے بھی اس بارے میں مختلف ہیں اور
میں ہر اسم کے جملہ طریقوں کا ذکر نہیں کر رہا
ہوں سوائے اس کے کہ جو خود میرے سلوک
فی اللہ کی راہ میں واقع ہوئے ہیں۔ بلکہ جو کچھ
میں اپنی کتاب میں دوسروں کے حوالہ سے
بیان کرتا ہوں۔ دراصل وہ میری ہی حکایت
ہے۔ کیوں کہ میں صرف وہی بات بیان کرتا
ہوں جو میرے سیر فی اللہ اور سلوک کے
زمانہ میں کشف و معاینہ کے طریقہ پہ مجھ پہ
ظاہر ہوئی۔

اب ہم رجوع کرتے ہیں اس کی طرف
کہ تجلّیِ اسماء کے سلسلہ میں جو کچھ لوگوں
نے ذکر کیا ہے اور یہ لوگ اس بارے میں
مختلف ہیں۔ ان میں سے کچھ وہ ہیں جن پہ
حق سبحانہٗ تعالےٰ نے تجلّی کی اپنے اسمِ
قدیم سے اور اس کا طریقہ اس تجلّی کے بیان
میں یوں ہے کہ حق تعالےٰ اس پہ ظاہر ہوا
اُس کون کی شکل میں جو تخلیق سے پہلے

باریٔ تعالےٰ کے علم میں تھا۔ جب کہ وہ اپنے علم کے وجود کے ساتھ موجود تھا اور اس کا علم اس کے وجود کے ساتھ موجود تھا اس لیے حق سبحانہٗ قدیم، اس کا علم بھی قدیم اور علم سے جو معلوم ہوا وہ بھی قدیم ہے کیوں کہ عالِم اسی وقت عالِم ہوگا جب کہ اس کے لیے کوئی معلوم ہو اور وہ معلوم ہی ہے۔ جو عالِم کو اسمِ عالِمیت کا مصداق قرار دیتا ہے تو اس اعتبار سے علم الٰہی میں موجودات کا قدیم ہونا ثابت ہوا۔ پس ایسا سالک جس پر اس طریقہ کا انکشاف ہوا وہ حق سبحانہٗ کے اسمِ قدیم کی طرف رجوع ہوگا۔ یہ اس وقت ہوگا جب کہ ذاتِ الٰہی کا قِدم اس کے حدوث کو مضمحل کر دے گا۔ تو وہ اُس کے ساتھ قدیم ہو جائے گا۔ اور اپنے حدث سے فانی ہو جائے گا۔

(تمام صوفیا کے نزدیک یہ کیفیت لمحاتی ہوتی ہے۔ صوفی کو اس حال میں اپنے وجود کا شعور ہی نہیں ہوتا۔ (مترجم))

اور کچھ ایسے ہیں جن پر حق تعالےٰ اپنے اسمِ حق کے ساتھ متجلّی ہوتا ہے۔ اور اس تجلّی کا طریقہ یہ ہے کہ حق تعالےٰ حقیقتِ اشیاء کے سِرّ کے ساتھ متجلّی ہوتا ہے۔ جیسا کہ اُس نے قرآن کی اُس آیت میں اشارہ کیا ہے کہ ہم نے آسمانوں اور زمینوں اور اس کے مابین جو کچھ ہے نہیں پیدا کیا مگر حق کے ساتھ۔ تو اسمِ حق کے ساتھ بندہ پر جب متجلّی ہوتا ہے تو بندہ سے خلق مضمحل ہو جاتا ہے اور ذاتِ مقدس باقی رہتی ہے جو صفات سے بھی منزہ ہوتی ہے اور ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ حق سبحانہٗ تعالےٰ اُن پر اسمِ واحد کی حیثیت سے متجلّی ہوتا ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ جب حق ظاہر ہوا تمام عالم کی پہنائی سے جیسے بحر سے موج کا ظہور ہوتا ہے تو احدیت کے حکم کے مطابق حق تعالیٰ تعددِ مخلوقات کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے تو اس وقت سالک کی ذات فانی ہو جاتی ہے اور حقِّ واحد کی وحدت میں مستہلک ہو جاتی ہے۔ اور اس سے کثرت و تعدّد مضمحل ہو جاتا ہے اور مخلوقات اس کے نزدیک ایسا ہو جاتی ہے کہ گویا اس کا کبھی زوال نہیں ہوا۔ اور بعض سالک ایسے ہوتے ہیں کہ اُن پر حق تعالیٰ اپنے اسم قدوس کی حیثیت سے ظاہر ہوتا ہے۔ تو جب اس کا ظہور ہوتا ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ سالک پر یہ سِرّ ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں میں نے اپنی روح پھونکی تو پس میں نے یہ جان لیا۔ (یعنی سالک پر واضح کر دیا کہ اس کی روح اور اس کا نفس ایک ہے، دونوں میں غیریت نہیں ہے اور اللہ کی روح مقدّس ہے تو اس وقت جب حق تعالےٰ نے اس پر اسم قدّوس

کی تجلّی کی تو اس میں بندہ کے وجود کے نقائص فنا ہو گئے اور وہ اللہ کے ساتھ باقی ہو گیا۔ اور وہ حدثان کے وصف سے منزّہ ہو گیا۔ اور ان میں بعض سالک ایسے ہیں جن پر حق تعالیٰ نے اسم ظاہر کی تجلّی کی تو بندہ پر حق کے وجود کے ظہور کے سبب اس پر نورِ الٰہی کے ظہور کا سِرّ ظاہر ہو گیا۔ اس محدّثات کی کثافت میں تاکہ اس کو اس حقیقت کی معرفت کا طریقہ معلوم ہو جائے کہ بے شک اللہ ہی ظاہر ہے، تو اس تجلّی کے وقت اس پر ظاہر ہوا کہ وہی ظاہر ہے اور بندہ وجودِ حق کے ظہور کے سبب فناءِ خلق کے بطون میں پوشیدہ ہو گیا۔ (یعنی اللہ ہی ظاہر ہے اور بندہ محجوب ہے۔) اور ان میں سے بعض سالک ایسے ہیں کہ جن پر حق تعالیٰ نے تجلّی کی۔ اپنے اسم باطن کی حیثیت سے۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس پر اللہ نے کشف کیا کہ اشیاء کا قیام اللہ سے ہے تاکہ وہ ہر شئے کے باطن کو جان لے۔ تو اس وقت جب حق سبحانہٗ تعالیٰ نے اس پر اسم باطن کی حیثیت سے تجلّی کی تو اس سے حق کے نور کا ظہور غائب ہو گیا۔ اور اس کے لیے حق باطن ہو گیا۔ اور وہ خود حق کے لیے ظاہر ہو گیا اور ان میں سے بعض سالک ایسے ہیں کہ حق تعالیٰ نے ان پر اسم اللہ کی حیثیت سے تجلّی کی اور اس تجلّی کا طریقہ غیر منحصر ہے۔

(جس کا پورا بیان اور احاطہ نہیں کیا جا سکتا) بلکہ جب اللہ کے تمام اسماء نے تجلّی کی تو اختلاف مظاہر کے سبب انھیں حیطۂ بیان میں نہیں لایا جا سکتا۔ تو جب اللہ تعالیٰ نے بندہ پر اسم اللہ کی تجلّی کی تو بندہ اپنی ذات سے فنا ہو گیا اور اس کے عوض میں اللہ ہی باقی رہا۔ (اذا تمّ الفقر فهو الله۔ مترجم) تو اس کا وجود حدثان سے پاک ہو گیا اور اکوان کی قید سے جدا ہو گیا اور اپنی ذات و صفات میں یکتا ہو گیا۔ (یہ صفت غوث میں ہوتی ہے اور غوث اپنے وقت میں ایک ہی ہوتا ہے۔ یکتا کا یہی مطلب ہے۔ مترجم) اُسے آباء و امہات نہیں پہچان سکتے۔ تو جس نے اس کا ذکر کیا اللہ کا ذکر کیا اور جس نے اس کو دیکھا اللہ کو دیکھا! اور بعض سالک ایسے ہیں کہ جن پر حق سبحانہٗ تعالیٰ نے تجلّی کی اپنے اسم رحمٰن کی حیثیت سے تو یہ اس طرح ہے جب اس پر اسم اللہ کی تجلّی ظاہر ہوی تو یہ خود اس کے مرتبۂ عُلیہ کی طرف دلالت کرتا ہے کہ اس میں وہ تمام اعلیٰ اوصاف شامل ہیں جو تمام موجودات میں جاری و ساری ہیں تو یہی اسم رحمٰن کی حیثیت سے تجلّی ذاتی کے کشف کا طریقہ بھی بن جاتا ہے اور اس تجلّی میں بندہ کی شان یہ ہوتی ہے کہ اس پر اسماءِ الٰہی میں سے ایک ایک اسم کا ظہور ہوتا ہے اور اس کے اندر ان تمام اسماء کی تجلّیات کو قبول کرنے کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ (بقیہ صفحہ ۱۵۱ پر ملاحظہ ہو۔)

غزل

علیم صبا نویدی

صدف کو گوہر نایاب لکھنا
غلط ہے زندگی کو خواب لکھنا
مری ہستی سمٹ جائے تو اک دن
نہ ہونے کے مرے اسباب لکھنا
کوئی پوچھے تو طغیانی سے پہلے
اُمنگیں ہو گئیں غرقاب لکھنا
تمہاری چاہتوں کا پاس رکھ کر
ہماری موت کے اسباب لکھنا
کوئی پوچھے خموشی کا سبب تو
شکن آلود ہیں اعصاب لکھنا
نئے لوگوں کی چاہت مطلبی ہے
پُرانی چاہتوں کا باب لکھنا
کوئی پوچھے تو پت جھڑ کے دنوں میں
ہیں زخموں سے صبا شاداب لکھنا

باسمہٖ تعالیٰ شانہٗ

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا

جواہر الحقائق

تصنیف لطیف

ماہر علومِ دین و طریقت واقفِ رموز معرفت و حقیقت سلطان المشائخین

مرشد الانام منبع الکشف و الہام حافظ قرآن مجددِ جنوب حضرت علامہ

شاہ محی الدین سید شاہ عبداللطیف نقوی قادری المعروف بہ قطب ویلور

قدس سرہٗ ۔ المتوفی سنہ ۱۲۸۹ھ

نوادر الدقائق ترجمہ جواہر الحقائق

ترجمہ و تشریح

ڈاکٹر حکیم مولوی سید افسر پاشاہ قاسمی صبغۃ اللّٰہی شفاء ڈسپنسری گڑیاتم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُبۡحٰنَکَ لَا عِلۡمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَلِیۡمُ الۡحَکِیۡمُ

حمد تیری اے خدائے لم یزل　　ہے یہ اپنی زندگی کا ماحصل
نام تیرا میرے دل کی ہے دوا　　ذکر تیرا روح کی میرے شفا

جب زباں پر محمدؐ کا نام آگیا　　دوستو! زندگی کا پیام آگیا
آپؐ کی مدح انساں کیا کر سکے؛　　عرش سے جب درود و سلام آگیا

ہر قسم کی تعریف ثابت ہے اس پاک پالن ہار کے لیے جو ساری کائنات کا خالق و پروردگار ہے اور ہزاروں بار درود و سلام اس دریائے گہربار، خلاصۂ کائنات، فخرِ موجودات، محسنِ اعظم، فخرِ آدم، سرورِ عالم، نورِ مجسم صلے اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم پر، جن کے طفیل و بدولت اسلام کا بول بولا ہوا اور شرک و ضلالت اور کفر و جہالت کا منہ کالا ہوا۔

الحمد للہ کتاب جواہر الحقائق کے اس زیرِ نظر ترجمہ کی یہ آٹھویں قسط جو اس کے چاروں فائدوں کے مکمل ترجمہ کے بعد فائدہ نمبر پانچ کے کچھ حصّے کے ترجمہ پر مشتمل ہے اور اس کے بقیہ حصّے کا ترجمہ ہم ان شاء اللہ اگلی قسط میں پیش کریں گے۔ دعا فرمائیں کہ یہ باحسنِ وجوہ پایۂ تکمیل کو پہنچے۔

اس ترجمہ کے تعلق سے عرض ہے کہ اس کے اندر اتنی رعایت اور کوشش تو ضرور کی ہے کہ ترجمہ لفظی ہو اور بامحاورہ ہو لیکن پھر بھی جہاں بات کے سمجھنے میں دشواری محسوس ہو وہاں قوسین کے اندر خفیف سا اضافہ بھی کر دیا ہے۔ جو راقم مترجم کی طرف سے مزید اضافہ اور تشریح سمجھیں۔

زیرِ نظر کتاب "نوادر الدقائق" ترجمہ "جواھر الحقائق" کی یہ آٹھویں قسط درج ذیل عناوین پر مشتمل ہے۔

حکیم سید اخر پاشاہ قاسمی صبغۃ اللّٰہی

۱۔ دائرۃ الالوہیت

۲۔ تعینِ اوّل، تعینِ ثانی میں فرق

۳۔ واحدیت و الوہیت میں فرق

۴۔ قوسِ فوقانی، قوسِ تحتانی

۵۔ حقیقت انبیاءؑ

۶۔ دَور و سَیر

۷۔ یافت وشناخت

۸۔ خدائیت اور ظاہر وجود و ظاہر علم میں فرق

۹۔ تحقیق اسماء تحقیق اشیاء

۱۰۔ وحدتِ اسماء۔ وحدتِ اشیاء

۱۱۔ کثرتِ اسماء۔ کثرتِ اشیاء

۱۲۔ تمثیلات

۱۳۔ کتاب مکتوبِ مدنی کا حوالہ۔ ۱۴۔ تعیناتِ اصلی تعینات عارضی ۔ ۱۵۔ شیخ سے مخالفت ۔ ۱۶۔ ابنِ عربی سے بھول وذھول۔ ۱۷۔ ظہورِ حق

نوادر الدقائق ترجمۂ جواھر الحقائق قسط نمبر ۸

دائرۃ الالوھیت

پچھلی ساتویں قسط میں یہ کہا گیا تھا کہ وحدت علم مطلق کو کہتے ہیں احدیّت اور واحدیّت یہ علم مقید ہے۔ پھر علم مطلق اصل میں منشاء ہے اور علم مقیّد اسی سے ناشی اور نکلا ہوا ہے۔ اب آگے حضرت قطب ویلور قدّس اللہ سرّہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ

اور جو کچھ اس میں علم ذات، ذات سے اور ذات کے کمالات سے تفصیلاً ہوگا۔ اس کو احدیت الکثرت اور تعینِ ثانی اور دائرۃ الالوہیت کہتے ہیں۔

صاحبِ کتاب "اراءۃ الدقائق" فرماتے ہیں:

"پہلی صورت خط اور قوسین کے ملنے پر ایک دوسری صورت اختیار کرتی ہے۔ والدین کی شکل و صورت میں بچّہ کا پیدا ہونا۔ (یہ اسی قبیل سے ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ) تعین ثانی (دوسری شکل) وحدت اور کثرت

دونوں میں مل کر کچھ تو ان دونوں کے درمیان خطِ فاصل کی طرح دُوری و مہجوری بھی پیدا کر دیتی ہے۔ اور کچھ ان دونوں (وحدت وکثرت) کے حق میں قربت ونزدیکی اور جامعیت بھی پیدا کر دیتی ہے یعنی احدیت اور واحدیت پر تعین اول کے شامل ہونے سے جامعیت پیدا ہو جاتی ہے۔

پس اس کی وحدت، احدیت کے مقابل میں یہی ہے اور اس کی کثرت واحدیت کے مقابل میں یہی ہے۔ اور یہی اس برزخ کے مقابلہ میں یہی ہے۔ یعنی وحدت ہی ہے۔" انتہی (دائرۃ الدقائق)

تعین اوّل تعین ثانی میں فرق

غرض تعینِ اول اور تعین ثانی میں فرق یہ ہے کہ تعین اول علمِ مجمل کو کہتے ہیں اور تعینِ ثانی علم مفصل کو۔ اور وہ (علم مجمل) مُظہِر ہوتا ہے اور یہ (علم مفصل) مَظہَر ہوتا ہے۔ وہاں (علم مجمل میں) ذات شہود ہوتی ہے۔ (یعنے موجود ہوتی ہے) اور یہاں (علم مفصل میں ذات مشہود تو نہیں ہوتی البتہ) اس کے اسماء اور صفات موجود ہوتے ہیں۔

واحدیت اور الوہیت میں فرق

او(اس) الوہیت کا دوسرا نام واحدیتِ مفصّلہ بھی ہے۔ گو کہ الوہیت کا دائرہ قوسِ واحدیت مفصّلہ بھی ہے گو کہ الوہیت کا دائرہ، قوسِ واحدیت کی تفصیل ہی ہے اور قوسِ واحدیت (درحقیقت) دائرۂ الوہیت کے اجمال کا نام ہی ہے۔ اب واحدیت اور الوہیت کے درمیان جو فرق ہے وہ یہ ہے کہ:

"واحدیت میں اسماء اور اشیاء (نام اور چیزیں) عین ذات ہوتی ہیں اور الوہیت میں غیر ذات۔ وہاں (واحدیت میں) کثرت، اعتباری اور اجمالی ہے اور یہاں (یعنے الوہیت میں) امتیازی اور تفصیلی ہوتی ہے۔ اور وہ (یعنے واحدیت) مُظہِر ہے تو یہ (یعنے الوہیت) مَظہَر ہے اگرچہ اجمال کا ظہور تفصیل کے ساتھ (موجود) ہے۔

قوسِ فوقانی، قوسِ تحتانی

(غرض) ذات الٰہی اس دائرۂ الوہیت میں اپنی ذات اور غیر کے لیے بھی مُدرک (اور سمجھنے والی) ہوتی ہے۔ پس تفصیلی دور سے (اگر دیکھیں تو) قاب کی شکل وصورت میں دائرہ کے درمیان میں ابھرتی ہے اور دائرہ کو (۱) قوس ظاہر وجود اور (۲) قوسِ ظاہر علم کی دو کمانوں (قوسین) میں شمار کرتی ہے۔

(۱) قوسِ ظاہر وجود: یہ وجودِ واحد کا ظہور ہے۔ اسماء کی صورت میں اور اس کو قوسِ فوقانی اور قوسِ عروجی بھی کہتے ہیں۔

(۲) قوس ظاہر علم: یہ اشیاء کی صورت میں علمِ واحد کا ظہور ہے اور اس کو قوسِ تحتانی

بھی کہتے ہیں اور قوسِ نزولی بھی۔

حقیقتِ انبیاءؑ

اور اس قاب کو جو دوہری امتیازی (تشکل اختیار کرنے کی) وجہ ثبوت پر، تو اسے قابِ قوسین اور برزخِ ثانی اور برزخِ صغریٰ سے یاد کریں گے اور اگر اس کی اس اثنینیتِ مذکورہ (دوہری تشکل) کی نفی وانکار کی صورت میں، اسے تمام انبیاءؑ (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کی حقیقت سے یاد کریں گے (یعنی اس صورت میں اس کا نام حقیقتِ انبیاءؑ ہوگا۔) جو کہ تمام نبیوں اور ان کے وارثین کی انتہائے معراج ہے۔ صلوات اللہ علیٰ نبینا وعلیھم وعلیٰ ورثتھم اجمعین: (اللہ تعالیٰ کا درود وسلام ہو ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر اور ان تمام نبیوں پر بھی اور اُن کے جملہ وارثین پر بھی۔)

دَوْر و سَیر

اس سیر اور دور میں کثرتِ علمی کے غیر کی گنجائش مطلقاً بھی نہیں ہے۔ مجرّداً بھی نہیں۔ اور مادی اعتبار سے بھی یہ سیر (غیر کثرتِ علمی کی) گنجائش نہیں رکھتی ہے۔

نام اور چیزوں کی یافت وشناخت (پہچان) علمی اختلاف اور پہچان سے تعلق رکھتی ہے۔ عینی اختلاف و پہچان سے نہیں۔

یافت وشناخت

اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ وتقدّس کی ذات اس شناخت و پہچان میں خود کو خدا، خالق، معبود اور مسجود گردانتی ہے۔ (اور دیگر تمام) اشیاء کو خدا کی پرستش اور عبادت کرنے والی مخلوق، عابد اور ساجد کہتی ہے۔

ناموں اور چیزوں کے مابین ہی نہیں بلکہ ان میں سے ہر ایک کے درمیان بھی کثرتِ عینی کی گنجائش نہیں ہے۔ ہاں ان دونوں کے درمیان ایک ایسی علمی کثرت بھی ہے اور ایک ایسی قابلیّت بھی ہے جو کثرتِ عینی کے مشاہدہ کے لیے ضروری ہے۔

غرض اس احدیت الکثرت کے مقام میں کثرتِ عینی کے مراتب، اس کے کلّیات و جزئیات، احکامات اور مقتضیات کے ساتھ لکھے ہوئے موجود ہے۔ اور شہودِ ذات، اسماء و اشیاء (ناموں اور چیزوں) میں ایک ایسے فرق کے ساتھ جو دوسرے سے ہو، ظاہر ہوتا ہے۔

اور اس سیر (عروج) کا اختتام اگر وجوب کی طرف سے ہو تو رفیع الدرجات کے نام پر ہوتا ہے۔ اور اگر امکان کی طرف سے ہو تو انسانِ کامل کے عین ثبوت پر ہوتا ہے۔

خدائیت اور ظاہر وجود و ظاہر علم میں فرق

(اب یہاں یہ معلوم کرنا ضروری ہوا کہ) الوہیت اور ظاہر وجود و ظاہر علم کے درمیان فرق (کیا ہے؟ سو اس کے متعلق عرض ہے کہ) الوہیت مطلق ہوتی ہے اور ظاہر وجود اور ظاہر علم (یہ) مقید ہوتا ہے۔ الوہیت منشاء یعنے ارادہ اور اصلی سبب ہوتی ہے اور یہ دونوں اسی سے نکلے ہوئے اور ظاہر ہونے والے ہیں (یعنے الوہیت اگر سبب ہے تو گویا اس کی مثال ایک درخت کے پیڑ (تنے) کی سی ہے اور پھر اسی تنے سے نکلنے والی شاخیں یہ درحقیقت اسی سے ناشی اور نکلتی ہیں۔

(پھر) ظاہر وجود (یہ درحقیقت) بحر الوجود ہوتا ہے۔ اور ظاہر علم (یہ دراصل) بحر الامکان ہے۔ پھر الوہیت اسمائے الٰہی کے ساتھ مقید ہوتی ہے اور یہ ظاہر وجود و ظاہر علم، یہ اشیائے کونی سے مقید ہے۔

تحقیق اسماء و تحقیق اشیاء

اسماء واجب ہوتے ہیں۔ کیوں کہ ان کا وجود ضروری ہے (برخلاف اس کے) اشیاء ممکن ہوتے ہیں۔ کیوں کہ ان کا وجود اور عدم وجود غیر ضروری ہے۔ اسماء کا نشو و نما اور سبب عالمی حیثیت رکھتا ہے اور اشیاء کا سبب معلوماتی حیثیت سے ہے۔ اور اسماء میں سے ہر ایک کا مفہوم مخالف ہوتا ہے اور ان میں سے ہر ایک کا مصداق واحد اور الگ ہی ہوتا ہے۔ (اس کے برخلاف) اشیاء کے ہر ایک کا مفہوم و مصداق (دونوں) مخالف ہی ہوتے ہیں۔

وحدتِ اسماء و وحدتِ اشیاء

اسماء کی وحدتؑ حقیقی (اور اصلی) ہوتی ہے۔ کیوں کہ حیؑ، علیمؑ، بدیعؑ، باعثؑ خالقؑ اور رزّاقؑ وغیرہ خدائے واحد کے نام سے نامزد ہیں۔ جس طرح کہ عالمؑ، عارفؑ، شاعرؑ، کاتبؑ معمارؑ (میستری) اور نجّار (بڑھئی) وغیرہ ایک شخص واحد سے موسوم و نامزد ہیں۔ اور جس طرح کہ مفرّح، مُقوّی، حار و مُلیّن، مُمسِک اور مُبہّی وغیرہ (نباتات میں سے) ایک بینج (تخم) سے موسوم ہیں (اگرچہ ان معجونات، جوارشات، خمیرجات، مفرحات اور مقویات وغیرہ میں بہت سی جڑی بوٹیاں پڑتی ہیں لیکن اصلی اور مادی اعتبار سے وہ پوری نباتاتی ہوتی ہیں اس لیے نباتی ہیں ان کی خاصیت و خمیر زمین ہی ہے جو تخم واحد سے تعلق و اضافت رکھتی ہو)

اور اشیاء اضافی کی وحدتؑ اگرچہ وحدتِ اشیاء یا وجود اپنی کثرت کے عقلِ کُل سے انسان تک تعلق رکھتی ہو یہ اسی خدائے تعالےٰ کی وحدت وحدت نہیں ہیں۔ چناں چہ جسم واحد کی وحدت بھی اپنے قویٰ، حواس، اعضاء اور اجزاء کی کثرت کے

باوجود بھی اسی جسم واحد کی ایک ہی جان سے تعلق و اضافت رکھتی ہے۔ (جس طرح کہ ایک) درخت کی وحدت، جس میں ڈالیاں، پتے، غنچے، پھل (اور پھول) کی کثرت کے باوجود اس درخت کی ایک ہی بیج سے تعلق اور اضافت رکھتی ہے۔

کثرت اسماء، کثرت اشیاء

(ابھی اوپر کہا گیا تھا کہ اسماء کی وحدت حقیقی ہوتی ہے اور اسماء کی کثرت کیا ہوتی ہے؟ سو اس کے متعلق حضرت قطبِ ویلور قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ)

اسماء کی کثرت اضافی ہوتی ہے۔ گوکہ اس کے اندر بہت سے نام ہونے کے باوجود بھی اس کے صفات کی اضافت اسی کی طرف ہونے کی وجہ سے یہ وحدت کے نام سے موسوم ہوگی (اور اسی کی طرف منسوب بھی)

تمثیلات

(مثالاً عرض ہے کہ) زید کے بہت سارے نام ہیں۔ (جیسے لقب، کنیت نام اور صفات میں سے مولوی، حافظ، قاری، ڈاکٹر، حکیم، شاعر، ادیب، نقاد، مفتی، واعظ، کاتب، شیخ الحدیث شیخ التفسیر، شیخ وصوفی، عارف وسالک، ایڈیٹر، آڈیٹر، وکیل وبیرسٹر وغیرہ۔) اس کے ان تمام اوصاف وصفات کے باوجود جو اسی ایک زید کی طرف منسوب ہیں، یہ وحدتِ زید کہلاتی ہے۔

اور (اسی طرح کسی درخت کی) بیج کے ناموں کی کثرت سے (جیسے کسی ایک جھاڑ کے تنے سے بہت ساری ٹہنیاں، پتیاں، پھول اور کلیاں اور پھلیں وغیرہ نکلنے کے باوجود بھی وہ ایک سالم درخت ہی کہلاتا ہے اور یہ ساری زیادتیاں، بڑھوتریاں، پھل، پھول، پتوں وغیرہ کی کثرت ایک واحد تخم ہی سے نکلی ہوئی ہے اس لیے اب اس کو) وحدتِ تخم ہی کہیں گے۔

کثرتِ اشیاء حقیقی گوکہ اس کا ہر ایک نام بھی (ایک دوسرے سے) مخالف ہی ہے۔ جیسا کہ قوٰی اور اعضاء میں سے ہر ایک کا نام الگ الگ ہی ہے۔ (ہاتھ، پیر، آنکھ، ناک، کان اور دل اور دماغ قوتِ حافظہ، قوتِ باصرہ، قوتِ مدرکہ، قوت شامہ قوتِ سامعہ وغیرہ وغیرہ جو ایک انسان کے جسمِ واحد ہی سے تعلق وجوڑ رکھتے ہوئے بھی الگ الگ ہی ہیں) اور (ایک درخت) کی شاخیں اور کلیوں میں سے ہر ایک کا نام بھی الگ ہی ہے۔ (حالاں کہ یہ سب ایک ہی درخت سے ملی جڑی ہوئی ہیں۔ کوئی الگ نہیں ہے۔ پھر بھی نام سب کا الگ الگ ہے۔ کسی کا نام شاخ ہے، کسی کا غنچہ، کسی کا پھول اور کسی کا پھل وغیرہ۔)

(غرض وحدتِ اسماء، وحدتِ اشیاء کثرتِ اسماء اور کثرتِ اشیاء کی ان توضیحات و تمثیلات کے بعد یہ بات ذہن نشین کرانی ہے کہ)

وہاں (وحدتِ اسماء میں) ارباب (پالنے والی ذات خالق) کی ہوتی ہے۔ اور یہاں مربوبات یعنے مخلوق اور پالے ہوئے کی۔ وہاں اونچی ہوتی ہے تو یہاں نیچی اور وہاں کلّی ہوتی ہے تو یہاں جزئی اور وہاں محیط ہے (اور سب پر حاوی اور گھیرنے والی ذات ہے) تو یہاں مُحاط ہے یعنی خود ہی گھری ہوی ہے اور وہاں پاک ہے مُنزّہ ہے تو یہاں ملوّث ہے۔ (یعنی لوتھڑی ہوی اور کسی چیز سے آلودہ ہے۔) اور وہاں قاہر (طاقت ور اور زور آور) ہے، تو یہاں مُنقہر (طاقت اور زور کو قبول کرنے والی ذات ہے۔) اور وہاں مؤثّر ہے (دوسروں پر اثر انداز ہوتی ہے۔) تو یہاں مُتأثّر ہے۔ (دوسروں سے اثر قبول کرنے والی ذات ہے) اور وہاں فاعل ہے (اور خود سے کام کرنے والی ذات ہے تو یہاں مُنفعل یعنی اثر لینے والی ذات ہے۔

کتابِ مکتوبِ مدنی کا حوالہ

صاحبِ مکتوبِ مدنی رح فرماتے ہیں: کہ

"صوفیوں نے اشیاء کی صورتوں کے نقش زائد کا ارادہ علم سے نہیں رکھا ہے لیکن انہوں نے اسی سے ایک ہی بار، اشیاء کے صدور (ظہور و وقوع) کا خیال و ارادہ رکھتے ہوئے قائمۃ بالواجب کہا ہے۔ (کہ وہ واجب کے ساتھ قائم ہے۔ یعنے اشیاء کی صورتوں کے نقش کا ارادہ علم سے نہیں بلکہ واجب کے ساتھ قائم ہے) بنفسہ نہیں ہے۔

اسے ایک مثال سے سمجھو کہ ایک انگوٹھی اگر موم پر دابی جائے تو اس انگوٹھی کے نقش و حروف موم پر بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر یہ ظاہری نقش اور حروفِ مُنقّش (جو موم پر پڑ گئے ہیں یہ درحقیقت علّتِ فاعلہ ہیں اور وہ علتِ فاعلہ یہی انگوٹھی ہے۔ (جس پر حروف کھُدے ہوے ہیں۔ یہ جب موم پر دابیں تو اس کے نقش و حروف موم پر پڑتے ہیں تو یہ انگوٹھی علّتِ فاعلہ ہوی۔)

اور (علتِ فاعلہ کے مقابل ہیں۔) علتِ قابلہ ہے اور وہ موم ہی ہے۔ (کہ اس نے تمام نقوش و حروف جو علّتِ فاعلہ میں موجود تھے قبول کرلیے۔) جو ان دونوں (علتِ فاعلہ، علتِ قابلہ) کے ملنے پر یا ان میں سے کسی ایک کا دوسرے کے مطابق ہونے پر پائی جاتی ہے۔ لیکن (یہ حقیقت ہے کہ) انگوٹھی میں ایک ایسی استعداد و قابلیت بھی موجود ہے جس پر کوئی بھی چیز خواہ موم ہو یا مٹی چسپاں و برابر لگادیں تو اس سے حروف و نقوش کی وہ شکل و صورت پوری کامیابی کے ساتھ ظاہر ہوگی۔" انتہی: (مکتوبِ مدنی رح)

تعیناتِ اصلی، تعیناتِ عارضی

(غرض وحدتِ اسماء میں) تعیناتِ (ذات) اصلی ہوتی ہے اور یہاں تعیناتِ عارضی ہے۔ جب کہ تعیناتِ اصلی کا مطلب و مقصد

ذاتِ الٰہی سے اور تعینات عارضی کے مطالب و مقاصد یہ ذاتِ الٰہی کے سوا ہیں۔ اوران تعینات عارضی کو ذاتی شیونات کی صورتیں اور حروف بھی کہتے ہیں۔ نیز انھیں اقتضاآتِ ذات (ذات کے تقاضے) بساطتِ وحدت، ترتیبِ الوہیت تفصیل الغیب، صورِ جمالی (جمالی صورتیں) آثارِ اسماء، صفات حقائقِ اشیاء اور معلوماتِ الٰہی بھی کہتے ہیں (یعنے یہ سب تعینات عارضی کے نام ہیں اور طریقِ سلوک میں انھیں ان تمام ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ کبھی کسی نام سے اور کبھی کسی اور نام سے یاد کیا کریں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ تعینات عارضی ہیں۔)

جب معلومات الٰہی عارضی تعینات کا نام ہے تو اس کے تحتانی مراتب جوکہ ارواح مثال، اجسام اور انسان ہیں یہ بطریقِ اولیٰ (بہتر طریقے سے) عارضی تعینات قرار پاتے ہیں۔

شیخ سے مخالفت

علمِ الٰہی (کی تحقیق و باریکی) میں صاحبِ کتاب "انسانِ کامل" شیخ (کی تحقیق و رائے) سے اختلاف رکھتے ہیں۔ (یہاں شیخ سے مراد غالباً حضرت شیخ محی الدین ابنِ عربی ہیں جیسا کہ آگے خود ان کا نام لیا ہے اور ان کے سہو و تسامح پر نشان لگاتے ہوے کلام کیا ہے۔) چنانچہ (صاحبِ کتاب "انسانِ کامل" اپنی کتاب کے) سترّاویں باب میں ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ:

"واضح ہو کہ علم ایک ایسی صفت ہے جو فی نفسہٖ ازل سے (اور شروع سے) ہے اور اللہ سبحانہٗ وتعالےٰ کا علم بھی اپنی ذات سے (بنفسہٖ) اور اپنی مخلوق سے ایک ایسا علم واحد ہے جو تقسیم بھی نہیں ہوتا اور متعدد (اور الگ الگ) بھی نہیں ہے اور اللہ تعالےٰ اپنی ذات سے جو کچھ کہ اس کے لیے ضروری ہے خوب اچھی طرح جانتے پہچانتے ہیں۔ اور اپنی تمام مخلوقات (وکائنات) کا بھی جو اس سے تعلق رکھتی ہے خوب علم رکھتے ہیں۔"

اور یہ کہنا (نعوذ باللہ کسی طرح) جائز نہیں ہے کہ اللہ کی معلومات کو علم نے اپنی ذات سے عطا کیا ہے۔ کیوں کہ اس سے ایک غیر ذات سے کسی چیز کا استفادہ کرنا لازم آتا ہے"۔ (اور یہ اللہ کی شان کے خلاف ہے۔)

ابنِ عربیؒ سے بھول وذھول

"(اس مقام پر حضرت) امام محی الدین ابن عربی رضی اللہ عنہٗ سے بھول وذہول ہوگئی۔ (اور انھوں نے ایک غلط نظریہ اور زاویہ قائم کردیا۔) اور فرمایا کہ "علم نے اپنی ذات سے حق تعالےٰ کو معلومات فراہم کئے ہیں۔"

"ہم (ان کے اس قول پر) یہ عذر پیش کرتے ہیں اور یہ نہیں کہتے کہ شیخ کا مبلغ علم اتنا

ہی تھا (یا شیخ کی معلومات محدود تھیں) لیکن ہم (شیخ کی خدمت میں ادباً یہ عرض کرتے ہیں کہ ہم نے اس لطیف و دقیق اور انتہا درجہ کے عمیق مسئلہ کی تہ کو پہنچ کر یہ نتیجہ نکالا ہے کہ) حق تعالیٰ نے اپنے اصلی (ذاتی) علم سے معلومات کو علم فراہم کیا ہے۔ (یہ نہیں کہ علم نے اپنی ذات سے اللہ تعالیٰ کو معلومات فراہم کئے۔) یعنے اللہ تعالیٰ نے اپنے اصلی علم سے سکھلاتے ہیں اور وہ علم بھی ایسا معلوماتی ہے جو کسی غیر سے فائدہ نہیں اٹھاتا۔ بلکہ خود سے دوسروں کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ جیسا کہ ذاتی اعتبار سے اس کا تقاضا بھی ہے اور نفسی حیثیت سے اس کا تقاضا نہیں ہے۔ اور اس پر اللہ تعالیٰ کا علم (جس طرح کہ اللہ کی ذات ازل سے ہے اسی طرح اس کا علم بھی ازل سے ہے۔ اس حیثیت سے ذات بھی ازلی، علم بھی ازلی۔ پھر یہ جو علم کے بعد معلومات ہوتے ہیں، ان کا درجہ دوسرے نمبر پر آتا ہے۔ اس لیے ان معلومات کو دوسرا درجہ دیا گیا ہے۔ جیسا کہ اس کا تقاضا بھی ہے۔ کیوں کہ اسی علم ذات ہی نے اسے معلومات بہم پہنچائے ہیں۔"

اور امام مذکور (حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ) نے جب یہ دیکھا کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ معلومات کو ان باتوں کا حکم دے رہے ہیں جو نفسِ معلومات کے متقاضی ہیں تو انھیں یہ گمان ہوگیا کہ حق تعالیٰ کا علم یہ معلومات کی خواہش و تقاضے سے مستفاد ہے۔ (فائدہ حاصل کیا ہوا ہے اس لیے) یہ سمجھ لیا اور کہہ دیا کہ معلومات نے اپنی ذات سے حق تعالیٰ کو علم عطا کیا ہے اور یہ بھول گئے کہ خود معلومات کو اسی علم ہی کی بدولت علم ملا ہے۔ (بغیر علم کے معلومات کہاں سے آ گئے؟ اور پھر یہ علم بھی ایسا علم ہے جو) کُلّی ہے، پورا ہے۔ (جُزئی نہیں ہے۔) اصلی ہے، نفسی ہے۔ (ذاتی ہے۔) جو معلومات کی تخلیق و ایجاد سے پہلے ہی موجود ہے۔"

"اور یہ معلومات علم الٰہی میں مقرر و متعین نہیں ہیں مگر اسی حد تک جو سکھلایا ہے انھیں اللہ تعالیٰ نے اور جتنی ضرورت ان کی ذات کو تھی اتنا علم نہیں دیا۔ پھر اس کے بعد جب معلومات کی ذات کا تقاضا پیدا ہوا اپنے نفس سے کسی کام کے کرنے کا (جو درحقیقت یہی) شروع ہی سے اس کی معلومات کا عین علم تھا تو حق تعالیٰ شانہٗ نے ان معلومات کو حکم دیا (تو یہ حکم) دوبارہ ہوا (یعنے اول علم، دوم حکم ہے) جو اس کے تقاضے کے مطابق ہوا ہے۔ اور ان معلومات میں جو علم تھا اسی کو حکم بھی دیا تھا۔ اب اس میں غور کرو یہ بہت ہی باریک اور لطیف مسئلہ ہے۔"

"اور اگر ایسی بات نہ ہوتی تو پھر حق تعالیٰ کو بنفسہٖ دونوں عالم (یعنے عالمین) سے مستغنی اور لاپرواہ ہونا صحیح بھی نہ ہوتا۔ کیوں؟ ــــ اس لیے کہ اگر معلومات اپنی ذات سے علم عطا کرتے ہیں تو پھر (یہ لازم آتا ہے کہ) اللہ تعالیٰ کے لیے علم کا حصول موقوف ہے معلومات پر اور جس نے

اللہ کی صفت کو کسی ایسی چیز پر موقوف کر دیا جو محتاج اور حاجت مند ہے۔ اسی وصف میں اس چیز کی طرف اور (حالاں کہ) علم کا وصف، اللہ کی ذات کے لیے وصفِ نفسی اور ذاتی وصف ہے تو پھر اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اللہ کی ذات فی نفسہٖ محتاج ہے کسی چیز کی۔ پاک ہے اللہ کی ذات اس سے۔ وہ بہت ہی بلند اور بہت بڑی ہے۔" انتہیٰ

(انسان کامل: باب سترہ:۷)

ظہورِ حق

دوسری بات یہ کہ دائرۂ الوہیت کی وضع و بنیاد، دائرۂ وحدت کی بنیاد کے مطابق نہیں ہے۔ گو کہ دائرۂ وحدت میں قوس احدیت مثلاً قوسِ واحدیت کا فاعل نہیں ہے جب کہ (مقامِ) احدیت میں سلبِ اعتبارات ہے، یعنی اعتبارات معدوم و مفقود ہوتے ہیں۔ پس فاعلیت کا اعتبار اس جگہ گنجائش نہیں رکھتا۔ غرض اس پر دوسرے باقی امور کو قیاس کیا جائے۔

اور حق کا ظہور ان دونوں سیروں میں (یعنی سیر تعین اول اور تعین ثانی میں) اور اس ذات کا شہود عالم اور عالمیان سے ان ہی ہر دو مظاہر علمی میں ذاتی کمال رکھتا ہے۔

بہر حال یہ شہودِ غیبی (در حقیقت) علمی ہوتا ہے۔ جس طرح کہ شہودِ مفصّل مجمل میں اور کثیر واحد میں (یعنے کثرت، وحدت میں) اور ایک واحد درخت (یعنے ایک جھاڑ) اپنی ٹہنیوں اور اس کے دیگر متعلقات سے (جیسے پھل، پھول، پتے، غنچے وغیرہ) ایک ہی بیج سے تعلق رکھتا ہے (اور اس میں کثرت کے باوجود وحدت ہی مضمر ہے اور وہ تخم واحد ہے۔ اسی بیج سے درخت اگتا ہے۔ پھر اس کی ڈالیاں، ٹہنیاں لگتی ہیں، پتے اور پھل، پھول اور غنچے یہ سب مل کر آخر ایک ہی درخت کہلاتا ہے جو اتنی ساری کثرت کے باوجود وحدت ہی ہے اور وہ ایک بیج ہے۔)

جاری

بقیہ صـ 128 کا

"مسلماں تنگ نظر نہیں"

حضرات ان واقعات سے ضرور یہ پتہ چلتا ہے کہ اسلام میں تنگ نظری اور غیروں کے ساتھ بدسلوکی کرنا منع ہے اور رواداری، بھائی چارگی کے ساتھ دنیا میں مسلمانوں کو زندگی گزارنا ہے۔ یہی اسلام کا اصول و طریقہ ہے۔

اللہ رب العزت ہم سب کو ہر ایک کے ساتھ بھائی چارگی و رواداری کے ساتھ چلنے کی توفیق عطا فرمائے — آمین ثم آمین !!

دورِ حاضرہ میں کیا کوئی ولی نہیں ہے؟

نقوشِ طاہر

عالی جناب حضرت مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر صاحب قادری نوراللہ مرقدہٗ

عالی جناب حضرت مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر قادری علیہ الرحمہ سابق ناظم دارالعلوم لطیفیہ نے یہ مضمون 1972ء سنہ کے شمارہ کے لیے تحریر کیا تھا۔ اس کی افادیت کے پیشِ نظر قارئینِ "اللطیف" کی نذر ھے

اللہ جل شانہٗ کی شان اور اس کی قدرت کا کرشمہ کہ نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی امتِ برگزیدہ میں علم وفضل کے ساتھ اولیاء اللہ کو ہر دور وزمانہ میں پیدا فرماتا رہا ہے۔ خلفائے راشدین کا زمانہ تو شاندار زمانہ تھا۔ بعد ازاں مسلسل جلیل القدر ومشاہیر علمائے عظام اولیائے کرام دُنیائے اسلام کو زینت بخشتے رہے اس زمانہ میں جیّد عالِم ہونے کے ساتھ ساتھ صاحبِ ولایت وکرامت وصاحبِ تصنیف ہوتے تھے۔ علم وفضل اپنے پورے آب وتاب کے ساتھ درخشاں ستارے کے مانند چمکتا رہا۔

اُن عالی مقام وید بیضا رکھنے والی مقدّس ہستیوں میں سے حضرت امام جعفر صادق حضرت محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی حضرت امام ابوحنیفہ وحضرت امام شافعی وامام مالک و حضرت امام غزالی رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین روشن میناروں کے مانند تھے۔ ؎

ہل جائیں زمین وآسمان مومن کے سجدے سے
خدا کی بندگی یہ ہے "عبادت" اس کو کہتے ہیں

دیگر برگزیدہ ہستیوں کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ جن کے بارے میں علامہ اقبال رح

نے فرمایا : ؎

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کو ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

علم حدیث، فقہ و تفسیر اور تصوّف کے گوہر نایاب، زبردست و معرکۃ الآرا تصانیف ان ہی پیکر صدق و صفا ہستیوں کے نوکِ قلم سے وجود میں آئیں اور ایک عالم فیض یاب ہوتا آرہا ہے ان قدسی صفات بزرگوں کے کرامات و کارنامے زندۂ جاوید و اظہر من الشمس ہیں۔

کیا اس موجودہ دور میں کوئی جیّد عالم' اللہ کے ولی موجود ہیں ؟ ؎

وہ مردِ مجاہد نظر آتا نہیں مجھ کو
ہو جس کی رگ و پے میں فقط مستی کردار

ایک عالمِ دین نے کہا کہ اُس زمانہ میں وہ اللہ کی شان تھی اور اس زمانہ میں یہ اللہ کی شان ہے۔

ظاہری آنکھ سے تو مشاہدہ کرنے سے قاصر ہے ایک۔ اور عالمِ دین نے فرمایا کہ اُس زمانہ میں اللہ تعالیٰ کی مصلحت و ضرورت تھی کہ ان برگزیدہ ہستیوں کو پیدا فرمائے تاکہ اشاعتِ دین اور تبلیغِ اسلام کے زبردست کارنامے انجام پائیں، اُن ہی بزرگوں کی کوششوں اور کاوشوں کا نتیجہ تھا کہ دینِ اسلام بہت جلد ایک عالم گیر مذہب بنا۔

ولو بالفرض اُس زمانہ میں وہ اُن کو پیدا نہ فرماتا اور اس زمانہ میں پیدا کرتا تو اتنی صدیوں میں ایک زبردست خلا پیدا ہو جاتا۔ اسلام محدود ہو کر رہ جاتا اور ہر دور کے کروڑہا انسان نورِ ایمانی سے محروم ہو جاتے۔ بہرحال میں اللہ تعالیٰ کی مصلحت غالب ہے اور وہ تمام کائنات پر قادرِ مطلق ہے۔ ؎

بشر خود اپنی طاقت سے ہلا سکتا نہیں ذرّہ
جو ہو جذبِ یقیں پیدا تو پتھر موم ہو جائے

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم سے اسلام کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ کسی دور یا زمانہ میں انھیں مبعوث نہ فرمائے۔ اُس زمانہ میں بھی یہ پیکرِ اخلاص موجود تھے اور اس دورِ حاضر میں بھی اللہ والے برابر ولایتِ عظمیٰ پر فائز ہیں۔

ختمِ نبوّت کے بعد اللہ جلّ شانہٗ نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی امّت کی ہدایت و رہبری کے لیے جیّد علماء اور اولیائے عظّام کو وقتاً فوقتاً پیدا فرماتا رہا ہے۔ اس موجودہ دور میں بھی بتایا جاتا ہے کہ تین سو ساٹھ اولیاء اللہ موجود ہیں۔ اور یہ سلسلہ رہتی دُنیا تک قائم و دائم رہے گا۔ لیکن یہ اس کی شان ہے کہ کسی زمانہ میں وہ اُن کو ظاہر فرماتا ہے تو کسی زمانہ میں پوشیدہ رکھتا ہے۔ جیسے ماہ رمضان المبارک میں لیلۃ القدر کو پوشیدہ رکھا ہے۔

علاوہ ازیں بادشاہوں، خلفاؤں اور شہنشاہوں کو بھی وہ علم و فضل اور ولایتِ عظمیٰ سے نوازا۔ اورنگ زیب جو عالمگیر

سے مشہور تھے ان کا ایک معروف ومشہور واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک روز حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے آستانے پر حاضری کی غرض سے حاضر ہوئے تھے۔ مزار اقدس پر کھڑے ہوکر اورنگ زیب نے سلام بھیجا۔ جواب نہیں ملا۔ دوسری بار آپ سلام بھیجا لیکن اس بار بھی جواب نہیں ملا تو کہنے لگے کہ اگر اب کی بار جواب نہ ملے تو قبر توڑ کر لاش مبارک کو باہر کردوں گا۔ یہ کہتے ہوئے آپ نے تیسری بار سلام بھیجا تو جواب آیا: وَعَلَیْکُمُ السَّلَامُ اے اورنگ زیب ضدّی کیا تجھ کو نہیں معلوم تھا کہ میں کس شغل میں مشغول تھا۔ نماز سے فارغ ہوکر سلام کے بعد جواب دے رہا ہوں۔

سلطان محمود غزنوی روزانہ ایک لاکھ درود شریف پڑھنے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نذر فرماتے تھے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز کا تقویٰ اور پرہیزگاری وعدل وانصاف مشہور ہے۔

حضرت ابراہیم ادہم بلخی بلخ کے بادشاہ تھے۔ اپنی سلطنت کو ٹھکرا کر یادِ الٰہی میں مشغول ہوگئے اور مکہ معظمہ میں اقامت پذیر ہوئے۔ واقعہ ہے کہ ایک روز آپ کسی کھجور کی دکان پر کھڑے ہوکر کھجور خرید رہے تھے۔ اتفاقاً اثنائے خریدی ایک کھجور نیچے گرا۔ وہ اپنا ہی سمجھ کر اٹھالیے اور مکان پہنچ کر نوش فرمانے لگے۔ جونہی اس کھجور کو استعمال فرمایا تھا کہ اچانک روشن ضمیری غائب ہوی اور ولایت سلب ہوگئی۔ اس گمشدگی راز کی اصل حقیقت معلوم نہ ہوسکی۔ آپ میں انتہا درجہ کی تڑپ و آہ وزاری پیدا ہوگئی۔ عبادت وریاضت میں لطف و مزہ نہ رہا۔ کسی نے یہ حال دیکھ کر بیت المقدس جانے کا مشورہ دیا۔ وہاں مسجدِ اقصیٰ میں اولیاء کا گذر ہوتا ہے اور آپ کی یہ مشکل حل ہوجائے گی۔ مشورہ پر عمل کرتے ہوئے آپ بیت المقدس گئے مسجدِ اقصیٰ میں کسی کو شب میں قیام کی اجازت نہیں تھی۔ آپ مؤذن سے منت وسماجت کرکے مسجد کے کسی کونے میں حصیر کے نیچے لیٹ گئے۔ نصف شب گذرنے کے بعد اولیاء اللہ کی آمد شروع ہوی عبادت وریاضت سے فارغ ہوکر جب مسائلِ حاضرہ پر گفتگو کرنے لگے تو کسی نے کہا کہ کسی غیر جنس کی بو آرہی ہے۔ قطب الاقطاب نے فرمایا کہ کوئی غیر جنس نہیں ہیں ابراھیم ادھم ہیں۔ بیچارے بڑی مشکل میں ہیں۔ ایک روز وہ کسی دکان پر کھجور خرید رہے تھے۔ دکان والے کی غلطی سے ایک کھجور نیچے گرا اور وہ کھجور اپنا سمجھ کر اٹھالیے۔ اس کھجور کی جو غیر کی ملکیت تھی بلا اجازت ناجائز استعمال سے ان کی ولایت سلب ہوگئی۔ اب صرف ایک ہی حل ہے کہ اس کھجور کی قیمت ادا کی جائے یا معافی طلب کی جائے۔ ہم بھی دعا کریں گے۔ ان شاء اللہ ان کی ولایت پھر دوبارہ

حاصل ہو جائے گی۔

فجر کی نماز کے فوراً بعد آپ بصرہ روانہ ہوئے۔ بعد ازاں اس دکان پر پہنچ کر آپ نے اس کھجور کی ادا کی مزید معذرت بھی چاہی۔ آپ کے اس رویّہ سے دکان والے کے دل پر خوفِ الٰہی طاری ہو گیا کہ ایک معمولی چیز کی خاطر اس کی قیمت بھی ادا کی جائے اور معذرت بھی طلب کی جاتی ہے۔ اللہ نے اپنے فضل سے اُس کو ولایت سے نوازا اور آپ کو بھی اپنی کھوئی ہوئی چیز عطا فرمایا اور مزید آپ کے درجے بلند فرمایا۔

عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا، بے آہِ سحر گاہی

ایک اور واقعہ بھی قابلِ ذکر ہے ایک روز کسی بزرگ نے آپ کو اپنے ہاں مہمان رکھنے کی غرض سے مدعو فرمایا۔ حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ تین دن ان کے پاس مہمان تھے۔ جب آپ نے وہاں کی غذا استعمال کرنا شروع کی تو آپ میں بے چینی و بے قراری محسوس ہونے لگی اور یہ بے چینی بڑھتی ہی گئی۔ اس حقیقت کی تلاش میں آپ نے ان کے ذرائع آمدنی کی تحقیق کرنے لگے۔ معلوم ہوا کہ جو نذرانہ آپ کو مل رہا تھا اس میں سود کا شائبہ تھا۔ جس کی وجہ سے یہ بے تبا تی و بے نوری پیدا ہو رہی تھی۔ اپنے میزبان کی دل شکستی نہ ہونے کی خاطر یہ سربستہ راز ان پر واضح کرنا نہیں چاہا۔ لیکن رخصتی کے وقت آپ نے اپنے معزز و کرم فرما میزبان کو اپنے ہاں مہمان رہنے کے لیے مدعو فرمایا تو انہوں نے اس دعوت پر لبیک کہا اور آپ کے مکان تشریف لے آئے۔ جب سے کہ آپ نے یہاں کی غذا کھانا شروع کیا آپ میں اطمینان اور سکون حاصل ہونے لگا۔ محوِ حیرت تھے کہ یہ کیسے تین دن کے مسلسل قیام سے عبادت میں کامل لطف اندوزی پیدا ہو گئی اور پیکرِ تعجب بن کر رخصتی کے وقت آپ نے اس حقیقت کو جاننا چاہا۔

ابراہیم ادھم نے اپنی شیریں بیانی سے حقیقتِ راز کو انکشاف فرمایا۔ بزرگ موصوف نے اپنے مکان پہنچ کر اُس کا انسداد کیا اور پاک و مصفّا غذا استعمال کرنا شروع کیا۔

یہی وجہ ہے کہ بزرگانِ دین اکلِ حلال کی پاک وصاف غذا استعمال کرنے پر زور دیتے ہیں۔ چوں کہ جس قسم کی غذا کھائی جائے گی اسی قسم کے اثرات پیدا ہوں گے۔

اللہ تعالےٰ کا فضل اپنے بندوں پر کیسے ہوتا ہے اور ولایتِ عظمیٰ پر وہ کیسے فائز ہوتے ہیں ملاحظہ فرمائیے۔ جب ایک نشست خالی ہوتی ہے تو دوسرے سے وہ نشست پر کی جاتی ہے۔

دریائے نیل پر کشتی چلانے والے ایک ملّاح کا بیان ہے کہ وہ ایک دن ایک بہت ہی نورانی چہرے والے بزرگ میرے پاس آئے اور فرمایا کہ کیا تم مجھے اللہ کے نام پر دریا کے پار

اُتار دو گے؟ میں نے کہا: کہ جی ہاں! وہ بزرگ میری
کشتی میں سوار ہو گئے اور میں نے انھیں دریا کے پار
اُتار دیا۔ جب وہ کشتی سے اُترنے لگے تو اُنھوں مجھ
سے فرمایا کہ میں تمہیں ایک امانت سونپتا ہوں' کیا
تم اس کو قبول کرو گے؟ میں نے کہا کہ جی ہاں! میں ضرور
قبول کروں گا۔ تو انھوں نے فرمایا کہ تم فلاں درخت
کے پاس ظہر کے وقت آنا تو تم کو میری لاش ملے گی
تم مجھ کو غسل دینا اور میرے سرہانے جو کفن تم کو
ملے گا اس کا مجھے کفن پہنا کر اسی درخت کے نیچے
مجھے دفن کر دینا اور میری گدڑی اور عصا اور
مشک کو اپنے پاس رکھنا اور جو شخص ان چیزوں
کو طلب کرنے کے لیے تمہارے پاس آئے اُس
کو یہ سب سامان دے دینا۔

ملّاح کا بیان ہے کہ میں اُن بزرگ کی
وصیّت کو بھول گیا اور بجائے ظہر کے عصر کے
وقت مجھے خیال آیا تو میں اس درخت کے پاس
حاضر ہوا۔ تو واقعی وہ بزرگ کو مُردہ حالت میں پایا
میں نے وصیّت کے مطابق اُن کو جو کفن پہنایا اس
میں سے مشک کی خوش بو آ رہی تھی۔ میں نے جوں
ہی اُن کا جنازہ تیار کیا ایک دم ناگہاں ایک طرف
سے انسانوں کی ایک بہت بڑی جماعت آ گئی اور
میں نے اُن لوگوں کے ساتھ نمازِ جنازہ ادا کر کے اسی
درخت کے نیچے اُنھیں دفن کر دیا۔ اور اپنے گھر آ کر
رات میں سو رہا۔ صبح سویرے ہی ایک جوان جو
ناچنے گانے والے بھانڈ کا لڑکا تھا۔ میرے پاس آیا
نہایت ہی باریک کپڑا پہنے ہوئے، ہاتھوں میں مہندی
لگی ہوئی اور بغل میں سِتار دبائے میرے سامنے کھڑا
ہو گیا۔ سلام کیا اور میں نے اس کے سلام کا جواب
دیا۔ پھر اُس نے مجھ سے دریافت کیا: فلاں بن فلاں
تم ہی ہو؟ میں نے جواب دیا کہ ہاں میں ہی ہوں۔

اُس نے کہا کہ پھر جو امانت تمہارے پاس
ہے مجھے دے دو۔ میں نے حیران ہو کر پوچھا کہ تمہیں
اس کی خبر کیوں کر ہو گئی؟ اُس نے کہا: یہ نہ پوچھیے
میں نے کہا کہ یہ تو تم کو بتانا ہی پڑے گا۔ میرا اصرار
سُن کر اُس نے کہا کہ: بھائی! میں اس کے سوا اور
کچھ نہیں جانتا کہ میں گزشتہ رات ایک شادی میں
ساری رات ناچتا رہا اور گاتا رہا۔ جب صبح کی
اذانِ فجر ہوئی تو میں ناچ ختم کر کے سو گیا۔ اچانک
ایک شخص میرے پاس آیا اور مجھ کو جھنجھوڑ کر جگایا
اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں ولی کو وفات دے
دی ہے اور تجھ کو اُس کا قائم مقام بنا دیا ہے۔
لہٰذا تو فلاں ملاح کے ہاں جا کر اُس وفات پانے
والے ولی کے تبرکات وصول کر لے۔ جن کو وہ
بزرگ تیرے لیے بطورِ امانت ملّاح کے پاس رکھ
کر دُنیا سے تشریف لے گئے ہیں۔ ملّاح نے بیان
کیا کہ میں نے اُن بزرگ کے تینوں سامان حسبِ
وصیّت بھانڈ کے لڑکے کو دے دیا۔ لڑکے یہ
سامان ہاتھ میں لیتے ہی ایک انقلابی کیفیت نمودار
ہو گئی۔ اس نے اپنے باریک کپڑوں کو اُتار کر میری
کشتی میں پھینک دیا اور کہا کہ تم میرے ان کپڑوں

کو جسے چاہو بطور صدقہ دے دینا اور خود اُن بزرگ کی گدڑی پہن کر اور عصا اور مشک لے کر چل دیا۔ ؎

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے لیے دار ورسن کہاں

ملّاح کا بیان ہے کہ میں اس بھانڈ کے لڑکے کی خوش نصیبی اور اپنی محرومی کا خیال کر کے رونے لگا۔ یہاں تک کہ رات آگئی اور میں روتے روتے سوگیا تو مجھے اُس رات خواب میں اللہ جل مجدہٗ کا دیدار ہوا اور مجھ سے رب العزۃ جل جلالہٗ نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم پر یہ گراں گزرا؟ کہ میں نے ایک گنہ گار بندے پر احسان فرما کر اس کو اپنے دربار کی طرف رجوع کرنے کی توفیق عطا فرمائی؟ اے ملّاح یہ میرا فضل ہے اور میں اپنا فضل جس کو چاہتا ہوں عطا فرما دیتا ہوں۔

بے شک اللہ تعالےٰ کا فضل ہی ہے کہ اُمتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ اس کی عطا و دَین ہے۔ رہتی دنیا تک تین سو ساٹھ (۳۶۰) اولیاء اللہ اپنی ولایت پر فائز رہیں گے۔ ان پر اقطاب ہوں گے اور اُن پہ چودہ (۱۴) ابدال اور سات اوتاد ہوں گے۔ پانچ (۵) قطب اور ان سب پہ ایک غوث الاعظم ہوں گے۔ جو قطب الاقطاب ہوں گے۔ اور یہ سلسلہ ہمیشہ کے لیے قائم رہے گا۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

• نثار بھارتی آمبور

غزل

مصلحت ہے یہ بھی کیا چرخ کو زمیں کہنا
کنکروں کو یاقوت و گوہر ثمیں کہنا

درس خود شناسی کا عارفوں سے ملتا ہے
کیسی بد دماغی ہے فلسفے کو دیں کہنا

ختم اس کی ہستی پہ منزلِ تقرب ہے
حق ہے چشمِ مرشد کو جادۂ یقیں کہنا

بوند بوند کو ترسے جب کہیں ملی ہم کو
کیوں نہ قدحِ سادہ کو قدحِ انگبیں کہنا

کون اس زمانہ میں فخرِ آدمیت ہے
ہر کسی کو مشکل ہے صادق و امیں کہنا

دوستوں کی بخشش ہے کیوں نہ لاج رکھیں ہم
داغِ دل کو اچھا ہے لالۂ حسیں کہنا

آج تک نہ راس آئی زندگی ہمیں یارب
اس قدر ہے تیرہ کیوں کتبۂ جبیں کہنا

علم اور عرفاں کا یاں نزول ہوتا ہے
اس "مکاں" [1] کو زیبا ہے عرش کی زمیں کہنا

اے نثار ہیں چپ ہوں مشتہر ہے صورت ہی
پوچھتے ہیں سب مجھ سے کیوں ہو تم حزیں کہنا

[1] "مکاں" مکانِ حضرت قطبؒ ویلور

حضرت مولانا سید شاہ محمد عثمان قادری ۔ ناظم دارالعلوم لطیفیہ حضرت مکان ۔ ویلور

آپ کی سنتوں میں ایک اہم سنت مہمان نوازی بھی ہے ۔ آج کے دور میں اس پر قلم اٹھانا بہت ضروری ہوگیا ہے ۔ کیوں کہ ایک زمانہ سعدی علیہ الرحمہ کا بھی تھا ۔ اس زمانہ میں بھی صرف امراء کی مہمان نوازی ہوا کرتی تھی اور غرباء کو چھوڑ دیا جاتا تھا اس لیے سعدی علیہ الرحمہ نے اس کا تذکرہ کیا تھا ۔ واقعہ یہ تھا کہ ایک مرتبہ سعدیؒ سیدھا سادا لباس پہن کر ایک دعوت میں جاتے ہیں تو ان کے استقبال کے لیے کوئی نہیں آتا ۔ جب آپ نیا لباس پہن کر اور پگڑی باندھ کر جاتے ہیں تو سب آپ کا استقبال فرماتے ہیں ۔ ضیافت کے موقعہ پر آپ خود کھانے کی بجائے کھانا آستین میں ڈالتے ہیں ۔

جب میزبان وجہ دریافت کرتا ہے تو آپ بتاتے ہیں کہ یہ کھانا لباس کے لیے ہے میرے لیے نہیں اور میزبان معافی مانگتے ہیں ۔ موجودہ زمانے میں بھی کچھ ایسا ہی لگتا ہے ۔ اس لیے یہ مضمون قلم بند کیا جارہا ہے ۔

اللہ جل شانہ نے اپنے کلام بلاغت نظام میں مہمان نوازی کی فضیلت و منزلت بیان فرمایا ہے قرآن حکیم میں اپنے پیارے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر حضرت ابراھیم پیغمبر علیہ السلام کی مہمان نوازی کے حالات و واقعات سنا کر آداب مہمان نوازی سے روشناس کرایا ۔ مہمان نوازی کے آداب و حدود و اصول و ضوابط مقرر ہیں ۔ مہمان نوازی بے شمار محاسن، فضائل و برکات کا باعث ہے ۔ مہمان نوازی کی وہ شان ہے کہ پیغمبروں کا یہ پسندیدہ طرز عمل تھا اور محبوب مشغلہ تھا ۔ اولیاء اللہ اور بزرگان دین مہمانوں کے ساتھ حسن سلوک اور خاطر و مدارت کا برتاؤ کرتے رہے ۔ نیک سیرت بادشاہوں نے مہمانوں کی خاطر کے لیے مہمان خانے تعمیر کئے اور ان کی عزت افزائی فرمائی ۔

آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مہمان اپنے ساتھ دو چیزیں لاتا ہے ۔ ایک تو قسمت دوسری برکت ۔ قسمت سے تو کھاتا ہے اور برکت

چھوڑ جاتا ہے۔ کوئی مہمان تین دن سے زیادہ ٹھہرے تو مزید خاطر تواضع مہمان کا حق نہیں ہے۔ بلکہ اب جو کچھ میزبان حسنِ سلوک کرتا ہے اُسے صدقہ کا ثواب ملے گا۔ مہمان نوازی کی اہمیت وفضیلت کا صحیح اندازہ مندرجہ ذیل واقعہ سے فرمائیے۔

اب سے کوئی ایک صدی قبل حضرت قطب ویلور رحمۃ اللہ علیہ کا وصال مدینۂ منوّرہ میں ہوا۔ اس وقت آپ کے صاحب زادے بلنداقبال حضرت مولانا رکن الدین سید شاہ محمد قادری رحمۃ اللہ علیہ بھی مدینۂ منورہ میں تھے۔ ایسے وقت ایک قندھاری، حضرت مکان آئے اور مسجد میں ٹھہر گئے۔ قندھاری صاحب کی آمد کا کسی کو مطلق علم نہ ہوا۔ اسی شب خواب میں پیر روشن ضمیر و صاحبِ ولایت وکرامت حضرت قطبِ ویلور رحمۃ اللہ علیہ جن کا وصال مدینۂ منوّرہ میں ہو چکا تھا اور یہاں اس وقت کوئی نہیں تھے اپنی خادمہ سے کہا کہ اپنے گھر مہمان آئے ہوئے ہیں اور کسی کو خبر نہیں۔ خادمہ نے پوچھا کہ حضرت وہ کون صاحب ہیں۔ آپ نے جواب میں کہا کہ فلاں سید صاحب قندھاری ہیں جو مسجد میں مقیم ہیں خادمہ نے جواب دیا: آج سالن نہیں ہے۔ آپ نے جذبہ سے فرمایا کہ چٹنی ہی کافی ہے۔ فوراً ہی خادمہ نیند سے بیدار ہوئی اور کھانے اور سالن کا انتظام کیا اس درمیان رات کافی گزر گئی تھی اس لیے صبح کی اذان کی منتظر تھی۔ جونہی مؤذن نے صدائے اللہ اکبر بلند کی مہمان کے سامنے کھانا پیش کیا گیا۔

مہمان موصوف کو بڑی حیرت ہوئی کہ بے شان وگمان جب کہ میری آمد کا کسی کو علم بھی نہیں تھا یکایک صبح سویرے کھانا تیار ہو کر کیسے آگیا؟ آپ نے متعجبانہ خادمہ سے اس کا سبب دریافت کیا اور اس وقت تک کھانے سے انکار کیا جب تک حقیقتِ حال معلوم نہ ہو۔ خادمہ کو مجبوراً پچھلی شب کے خواب کا معاملہ بیان کرنا پڑا۔ معزز مہمان نے کہا کہ تم نے خواب کے بعد معاملہ کی تحقیق کیوں نہ کرلی۔ اس نے جواب دیا کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی، خواب صحیح تھا۔ اور آپ کا قیام خواب کی صحت کی دلیل ہے۔ قندھاری صاحب اس واقعہ سے بہت متاثر ہوئے اور بعد ازاں تناول طعام فرمایا۔

بزرگانِ دین بقیدِ حیات ہوں یا رحلت فرما چکے ہوں مہمان کی قدر و منزلت اور مہمان نوازی کے لیے وہ ہر حال میں تاکید و ہدایت فرماتے رہتے ہیں۔

اللہ عزّ وجل اسلام کے اصول و آداب وحدود پر چلنے کی ہدایت دے اور مہمان نوازی کی توفیق عطا کرے۔ امراء وغرباء کی ایک سا خدمت کرنے کی نیک توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

••

مسلمان تنگ نظر نہیں!

مولانا مولوی ابوبکر ملیباری قادری لطیفی استاذ دارالعلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور

الزام لگایا جاتا ہے کہ مذہبِ اسلام دیگر مذاہب اور ان کے ماننے والوں سے تعصب رکھتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا کے تمام مذاہب میں صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو تعصب اور تنگ نظری سے بالکل پاک ہے۔ اور غیر مسلموں کے ساتھ جو برتاؤ کیا ہے وہ تمام مذہب کے ماننے والوں کے لیے ایک نمونہ ہے۔

اسلام کے جلوہ گر ہونے سے پہلے ہزارہا سال سے اس دنیا میں مذہبی تنگ نظری و تعصب موجود تھا۔ اور مذہبی تعصب کی بناء پر دنیا میں جتنی بھی خوں ریزیاں ہوئیں ہیں، شاید وہ جنگ وجدال کے موقع پر بھی نہ ہوی ہوگی۔ غرض کہ مذہبی تنگ نظری و تعصب اور عدمِ رواداری نے بنی نوع انسان کو جو نقصان پہنچایا ہے اس کی مثال آپ خود ہے۔

اسلام کے علاوہ دنیا کے تقریبًا ہر مذہب میں تنگ نظری عام ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آج دنیا میں جتنے مذاہب بھی رائج ہیں انسان بیک وقت ان سب کی صداقت پر ایمان نہیں لاسکتا۔ اس لیے اُسے کسی ایک ہی مخصوص مذہب کی صحت اور صداقت کا اقرار کرنا پڑتا ہے کیوں کہ اسلام کے علاوہ دنیا کے کسی مذہب نے بھی اپنے متبعین کو اس بات کی تعلیم نہیں دی کہ وہ اپنے مذہب کی صداقت پر کامل یقین رکھتے ہوے بھی دوسرے مذہب کو ماننے والوں کے ساتھ رواداری کا سلوک کریں۔

پوری دُنیا کی تاریخ شاہد ہے کہ اسلام سے پہلے جتنے بھی مذاہب آئے انھوں نے دوسرے مذہب والوں کے ساتھ معاملات کے بارے میں کوئی صاف اور واضح ہدایت نہیں دی تھی۔ اسی لیے ان کے ماننے والے ایک دوسرے کے حریف ہی نہیں بلکہ دشمن بھی بن گئے تھے۔ چناں چہ یہودیوں اور عیسائیوں کی دشمنی کے واقعات سے تاریخ کے اوراق رنگے ہوے ہیں۔ نیز ایک دوسرے پر وحشیانہ ظلم وستم کے تذکروں سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے

ہیں۔ خود عیسائیوں کے دو فرقوں یعنی رومن کیتھولک اور پروٹسٹوں کے درمیان جو مذہبی عدم رواداری موجود رہی ہے اس کی بدولت رومن کیتھولک عیسائی پروٹسٹنٹ عیسائیوں کو زندہ آگ میں جلا کر اپنے اس وحشیانہ قتل کو اپنی نجات کا ذریعہ تعین کرتے رہے۔

انسانی فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان جس بات کو صحیح سمجھتا ہے، دوسروں سے بھی یہ توقع رکھتا ہے کہ وہ بھی اس بات کو صحیح سمجھیں اور جب دوسرے اس کی رائے سے اتفاق نہیں کرتے تو وہ مشتعل ہو جاتا ہے اور اس میں قوت و طاقت موجود ہوتی ہے تو وہ جبرًا اپنی رائے کو تسلیم کرانے کی کوشش کرتا اور دوسری طرف انسانی فطرت کا خاصہ یہ بھی ہے کہ جب اس پر کسی بات کے لیے جبر کیا جاتا ہے تو وہ ہر ممکن طریقے سے اس جبر و تشدد کے مقابلہ کے لیے آمادہ ہو جاتا ہے اور ان انسانی فطرت کے متضاد رجحانات کی بناء پر خوں ریزیاں اور تباہیاں برپا ہوتی ہیں جو مذہب کے نام پر رونما ہوتی رہی ہیں۔

اسلام چوں کہ دینِ فطرت ہے اس لیے وہ انسانی فطرت کے ان خطرناک رجحانات کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا اسی لیے اسلام نے مسلمانوں کو اپنے مذہب پر پختہ عقیدہ رکھنے کی دعوت کے ساتھ ساتھ انہیں دوسرے مذہب کے ماننے والوں کے ساتھ بھی مذہبی رواداری کو قائم رکھنے کی صاف اور واضح ہدایات دی ہیں۔ دینِ فطرت ہونے کی بناء پر اسلام اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتا کہ ابتدا ہی سے انسان کے ذہن میں مذہب کی جڑیں بہت گہری اور مضبوط رہی ہیں۔ اس لیے وہ اپنے مذہبی عقائد کی مخالفت کو آسانی کے ساتھ گوارہ نہیں کر سکتا اور اسی اہم نکتہ پر غور کرتے ہوئے مسلمان کو واضح الفاظ میں یہ ہدایت دی گئی ہے کہ انھیں کسی مذہب کو بھی برا نہیں کہنا چاہیے اور نہ اپنے مذہب کی اشاعت میں جبر سے کام لینا چاہیے۔ بلکہ دوسروں کے سامنے اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کر کے انھیں خود سوچنے اور سمجھنے کا موقعہ دینا چاہیے۔ اور مذہبی اختلافات کی بناء پر کسی کے ساتھ بھی تعصب اور عدم رواداری کا برتاؤ نہیں کرنا چاہیے۔

بہرحال ذرا ان واقعات، مخالفین کے بیانات اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں اس حقیقت کو جانچیں کہ آخر ان الزامات کی کہاں تک اصلیت ہے جو کہ مسلمانوں کو متعصب اور زبردستی غیروں کو مسلمان بنانے کی کوشش وغیرہ کیا۔ کیا واقعی اپنی صداقت کی وجہ سے نہیں بلکہ تلوار کے زور سے لوگوں میں پھیلا؟ کیا درحقیقت اسلام کا برتاؤ غیر مسلموں کے ساتھ ظالمانہ تھا؟

تھوڑی سی مدت میں اسلام کی حیرت انگیز ترقی سے ان کو تعجب ہے کہ وہ کیوں کر پھیلا حق یہ ہے کہ اسلام اپنی سچائی کی وجہ سے پھیلا اور رفتہ رفتہ لوگوں کے دلوں کو مسخر کرتا گیا۔ روسائے عرب میں سے بیشتر حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے جنھیں صحابہ کے نام سے بلایا گیا۔ جن کی وجہ سے اسلام کو غیر معمولی تقویت حاصل ہوئی۔ اسلام اور بانیٔ اسلام نے تھوڑے ہی عرصہ میں اپنی مخلصانہ و ہمدردانہ زندگی کا اثر خوں خوار عرب پر پھیلا دیا۔ سب کے دلوں میں جگہ بنالی اور اس طریقہ سے راست بازوں کے لیے ایک درخشندہ مثال قائم فرما دی کیوں کہ نیکی اور صداقت ظلم و جہالت کو مغلوب کر سکتی ہے۔

اسلام کی سچی تعلیم کو ملاحظہ فرما کر روسائے قریش، صہیب رومی، عدلیس نینوائی، بلال حبشی، عمر قرشی، ابوذر غفاری، ابوہریرہ، دوسی، حذیفہ یمانی رضی اللہ تعالیٰ عنہم، آتش پرست مسلمان، یہودیت نواز عبداللہ بن سلام، مسندہائے امامت کو چھوڑ کر کشتیِ اسلام پر سوار ہو گئے۔ آخر ان کے لیے کس قسم کی شمشیر کا استعمال کیا گیا تھا؟ ہاں! یہ اسی تعلیم کا کرشمہ تھا جس کو ہمارے آقا حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لے کر مبعوث ہوئے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ کے اسلام لانے کا واقعہ کس کو نہیں معلوم کہ وہ محض اپنی مرضی سے مسلمان ہوئے تھے۔ وہی حضرت خالد بن ولیدؓ جو جنگِ احد میں بت پرستوں کے لشکر کی سپہ سالاری کرتے ہوئے مسلمانوں کو تباہ کرنا اپنی زندگی کا فرضِ اولین سمجھتے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد حاضر ہوتے ہیں اور لات و عزیٰ کا قلع قمع کرتے رہے اور اسلامی فتوحات میں گرم جوش جرنیل کا درجہ پاتے ہیں۔ وہی عروۃ بن مسعودؓ جو حدیبیہ میں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے قریش کا سفیر بن کر آئے تھے۔ خود بخود مسلمان ہو کر اسلامی خدمات میں اپنی جان قربان کر دیتے ہیں۔

الغرض اس قسم کے واقعات اگر جمع کئے جائیں تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ ان لوگوں پر کوئی دباؤ نہیں ڈالا گیا۔ بلکہ ان پر صرف اسلام کی تعلیمات اور پیغمبر اسلام کی زندگی نے اثر ڈالا تھا۔ اسلام کی حیرت انگیز ترقی دیکھ کر امریکہ کے مشہور عالم ڈریپر بے اختیار بول اٹھا کہ

"کوئی مذہب اتنی جلدی اور اس قدر وسعت کے ساتھ نہیں پھیلا جیسا کہ اسلام تھوڑے ہی عرصہ میں کوہ الٹائی سے لے کر بحر الکاہل تک اور ایشیا کے مرکز سے لے کر افریقہ کے جنوبی کنارہ تک جا پہنچا۔"

اسلام کی ہمہ گیر تعلیم نے لوگوں کے قلوب کو اس قدر گرویدہ کیا کہ اپنی جان فدا کرنا

قبول کر لیتے ہیں۔ لیکن اسلام سے برگشتگی کو اپنی موت سمجھتے تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دیکھو جلتی ہوئی ریت پر لٹا دیے جاتے ہیں۔ ایک گرم پتھر ان کے سینے پر باندھ دیا جاتا ہے اور خدائے واحد سے انحراف پر مجبور کیا جاتا ہے۔ لیکن مردانہ وار جملہ تکالیف برداشت کرتے ہیں اور زبان سے اَحَدٌ اَحَدٌ اَحَدٌ جاری رہے اسلامی تعلیم کا کرشمہ تھا۔ وہ جو حالتِ کفر میں سخت تھے وہ اسلام میں بھی سخت ثابت ہوتے ہیں۔

جو شخص سیرت خیر الانام سے واقفیت رکھتا ہے وہ خوب جانتا ہے کہ اسلام نے نہ صرف اعلائے کلمۃ اللہ ہی کا فریضہ انجام دیا بلکہ وحشی اور ناتربیت یافتہ اقوام کو تہذیب و شائستگی سے آراستہ، ان کی روحانی زندگی کو خوش گوار بنایا۔ ان میں زندگی کی تمام خوبیاں جمع کر دیں۔

اسلام بمقابلہ دوسرے مذاہب کے امن و سلامتی کا مذہب ہے۔ اسلام اپنے ہر حکم میں امن و سلامتی، صلح و شانتی کی روح رکھتا ہے۔ اسلام دنیا کی فضا کو امن و سلامتی سے معمور کرنا چاہتا ہے۔ دنیا میں خدائے عزوجل نے مسلمانوں کو اسی لیے بھیجا کہ وہ دنیا میں امنِ عامہ پیدا کریں۔ کم زور اور مظلوم اقوام کے سلاسلِ غلامی کو کاٹ کر ان کے ظلم و استبداد و ظلم کے پنجہ سے رہائی دلادیں۔ اسلام ہی نے اپنے متبعین کو یہ تعلیم دی کہ ماتحت اقوام کے ساتھ رواداری سے کام لیں۔ ان کے حقوق و مراسم کا ویسے ہی خیال رکھیں جیسا کہ اہلِ اسلام کا۔ اگر آں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ آپؐ قیام امن اور ملک کی بدامنی کو دور کرنے کے لیے ہر وقت سرگرم عمل رہا کرتے تھے۔

چناں چہ نبوت سے پہلے مکہ کی عام آبادی میں بدامنی کے نقصانات واضح کر دیے اور آخر جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو سب سے پہلے یہودیوں سے معاہدہ کر کے قیام امن کی خاطر ایک انجمن قائم فرمایا اور تعمیر ملّت کے لیے امن و سکون کی فضا پیدا کی۔

مذکورہ بالا دعوی کی مزید توثیق کے لیے ناظرین کو ڈاکٹر گستاوی بان جو مصنف "تمدنِ عرب" و "تمدنِ ہند" کے اس قول کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں، وہ لکھتے ہیں:

"جب ہم فتوحاتِ عرب پر نگاہ ڈالتے ہیں اور ان کی کامیابی پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اشاعت مذہب میں تلوار سے کام نہ لیا گیا۔ کیوں کہ مسلمان ہمیشہ مفتوح اقوام کو اپنے مذاہب کی پابندی میں آزاد چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر اقوام عیسائی نے اپنے فاتحین کے دین کو قبول کر لیا۔ اور بالآخر ان کی زبان

کو اختیار کر لیا تو محض اس وجہ سے تھا کہ انھوں نے اپنے جدید حاکموں سے جن کی حکومت میں اس وقت تھے۔ بہت زیادہ منصف پایا، ان کے مذہب کو اپنے مذہب سے اچھا پایا۔ یہ امر تاریخ سے ثابت ہو چکا ہے کیونکہ مذہب بزور شمشیر نہیں پھیل سکتا۔"

(ماخوذ از تمدن عرب)

اب کوئی منصف مزاج ایک غیر مسلم کے اس بیان پہ غور کرے اور فیصلہ کرے کہ اسلام کی ترقی کے اسباب کیا تھے۔ اب یہاں ہم واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ قرآن کریم غیر مسلموں سے کس قسم کا سلوک کی تعلیم دیتا ہے اور اسلام کا اپنے عروج کے زمانہ میں غیر مسلموں کے ساتھ کیسا برتاؤ رہا ہے؟

قرآن کریم مسلمانوں کو تعلیم دیتا ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ سختی سے مت پیش آؤ۔ ان کے ساتھ حسن سلوک سے ملو۔ اگر تم ان میں دعوت و تبلیغ کرنا چاہتے ہو تو وہ طریقہ اختیار کرو جس سے صرف افہام و تفہیم مقصود ہو۔ اللہ رب العزت فرماتا ہے:

اُدْعُ اِلیٰ سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ،

یعنی لوگوں کو اپنے رب کے راستہ کی طرف دانائی اور اچھی نصیحتوں کے ذریعہ بلاؤ۔ قرآن مجید، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرماتا ہے: کہ ترقی اسلام کا سب سے بڑا سبب آپ کا اخلاق اور نرم دل ہے:

وَلَوْ کُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَا انْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِکَ الخ:

یعنی اگر آپ سخت دلی سے پیش آتے اور غیر اقوام کے ساتھ اگر آپ کا جابرانہ سلوک ہوتا تو لوگ اپنی توجہ آپ کی طرف سے ہٹا لیتے۔ قرآن میں جہاں مسلمانوں کو جہاد کا حکم ملتا ہے وہاں یہ بھی حکم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو ہر وقت صلح کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ کیونکہ جنگ صرف دو وجہوں سے جائز ہو سکتی ہے اول مدافعت کے لیے دوم اصلاح کے لیے یعنی دنیا میں امن و سلامتی برقرار رکھنے کے لیے۔ اب اگر یہ مقصد بغیر جنگ کے حاصل ہو تو اسے فوراً قبول کر لینا چاہیے۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے:

فَاِنِ اعْتَزَلُوْکُمْ فَلَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ وَاَلْقَوْا اِلَیْکُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللّٰہُ لَکُمْ عَلَیْھِمْ سَبِیْلًا۔

یعنی جب تمہارے دشمن جنگ سے ہار بیٹھیں تو تم ان کے مقابلہ میں تلوار نہ اٹھاؤ اگر تمہیں معلوم ہو کہ وہ صلح کرنا چاہتے ہیں۔ تو تم ان سے صلح کرو۔ اگر وہ تم سے ہاتھ روک لیں، لڑنا چھوڑ دیں اور تمہارے پاس پیغام صلح بھیج دیں تو پھر تمہیں دست درازی کا کوئی

حق نہیں۔ اللہ نے ایسی صورت میں تمہارے لیے ان کے اوپر کوئی راستہ نہیں نکالا ہے۔

پھر فرمایا:

وان احد من المشرکین استجارک فاجرہ:

یعنی اگر مشرکین میں سے کوئی تم سے پناہ چاہے تو اس کو پناہ میں لے لو۔

اسلام کی سب سے اعلیٰ تعلیم یہ ہے کہ قرآن، آں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے:

قل یاایھا الکٰفرون لا اعبد ما تعبدون ولا انتم عابدون ما اعبد ٥

یعنی اے نبئ کریم کہ دو کہ اے کافرو! ہم جس کی عبادت کرتے ہیں اس سے تمہیں انکار ہے اور تم جس کی پرستش کرتے ہو اس سے ہمیں انکار ہے۔

لکم دینکم ولی دین ٥

ہمارا دین ہمارے لیے اور تمہارا دین تمہارے لیے۔ تم پہ ہم کسی قسم کا جبر نہیں کرتے۔

اب آپ خود اندازہ لگائیے کہ غیر مسلموں کے ساتھ بانئ اسلام کا کیا رویّہ تھا جب کہ غیر مسلموں کی حفاظت اپنے ہاتھ میں لیتے وقت آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نجران کے عیسائیوں کو لکھ کر دیا تھا۔

ولنجران وحاشیتھا جوار اللہ وذمہ محمد النبی صلے اللہ علیہ وسلم علیٰ انفسھم واموالھم وملتھم وارضھم وغائبھم وشاھدھم لایغیر ما کانوا علیہ ولا یغیر من حقوقھم وامثلتھم ولا یفتن اسقف من اسقفتہ ولا راھبٌ عن رھبانیۃ ولا یحشرون ولا یعشرون ولا یطاء ارضھم جیش ٥

یعنی نجران اور اس کے باشندوں اور اطراف وجوانب کے لوگوں کو اللہ کی طرف سے پناہ اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان کے مالوں، ان کے نفسوں اور ان کے مذہب ان کی زمین وغیرہ کی حفاظت کا ذمّہ دیا جاتا ہے۔ سب کے سب پہلی حالت پر باقی رکھے جائیں گے۔ اُن کے حقوق میں کوئی تغیّر وتبدل نہ کیا جائے گا۔ نہ ان کو پادری اور کوئی راہب اپنے طریقہ ومذہب سے برگشتہ نہ کیا جائے گا نہ ان کو شہر بدر کیا جائے گا، عشر لیا جائے گا نہ کوئی لشکر ان کو تباہ کرے گا اور نہ کوئی لشکر ان کی زمین کو روندے گا۔

آئیے اب ہم اصول نبویؐ پر خلفائے اسلام کا کیا طرز وطریقہ تھا دیکھیں:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں جب حیرہ پر مسلمانوں کا تسلّط

ہوا تو وہاں کے عیسائیوں کو آپؓ نے یہ عہد نامہ لکھ کر دیا: کہ

لا یھدم لھم بیعۃ ولا کنیسۃ ولا یمنعون من ضرب النواقیس ولا من اخراج الصلبان فی یوم عیدھم

یعنی: ان کے گرجے اور عبادت خانے ڈھائے نہیں جائیں گے۔ ان کو صلیب نکالنے اور سنکھ بجانے سے منع نہ کیا جائے گا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک عورت مسلمانوں کی ہجو میں چند اشعار کہے۔ جن کو ایک افسر نے سُن کر اس کا ہاتھ کاٹ ڈالا۔ چنانچہ یہ خبر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پہنچی۔ آپؓ نے اس افسر کو خط لکھا کہ

"اگر وہ مسلمان تھی تو اُسے کوئی معمولی سزا دینی چاہیے تھی تاکہ اُسے ایک گونہ تنبیہ ہو جاتی اور اگر وہ ذمّی تھی تو اُسے درگزر کرنا چاہیے کیونکہ ہم نے ذمّیوں کی جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری لے لی ہے۔ جب ہم ان کے شرک سے چشم پوشی کرتے ہیں تو یہ جرم تو بہت ہی معمولی تھا۔"

اس کے بعد سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا زمانہ شروع ہوتا ہے۔ اکثر قوانین نبویؐ کا نفاذ عملاً آپؓ کے زمانہ میں ہوا تھا۔ آپ کے عہد میں اسلامی تصویر عملاً مکمل ہو چکی تھی۔ آپؓ کی خلافت کے متعلق بہت سی غلط فہمیاں پھیلائی جاتی ہیں۔ اس لیے ہم چند ایک واقعات یہاں ہدیۂ ناظرین کرنے کی سعی کرتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب یروشلم فتح ہوا تو آپؓ نے وہاں ذمیوں کے لیے ایک عہد نامہ لکھوایا، جس سے ناظرین کو اندازہ ہوگا کہ مفتوح و مغلوب ہونے کی حیثیت سے اُن کے ساتھ کس قسم کا سلوک کیا گیا۔

عہد نامہ یہ ہے۔

"یروشلم کے ذمیوں غیر مسلم رعایا کو ان کی جان، مال کی حفاظت کی ضمانت دی جاتی ہے۔ ان کی زمینوں، ان کے مذہب میں کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے گا۔ ان کے معبد، کلیساؤں کو نہ منہدم کیا جائے گا نہ کسی قسم کا نقصان پہنچایا جائے گا۔ ان کے اوقاف کو بحال رکھا جائے گا۔ اہل یروشلم کو اپنے مذہب کی پابندی میں آزادی ہوگی۔ ان کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچایا جائے گا۔"

(ماخوذ از اسلام اور مذہبی رواداری)

ذمیوں کے حقوق سے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اتنا خیال تھا کہ اُن کے متعلق آپؓ کے آخری الفاظ یہ تھے

"میں ذمیوں کے حقوق اپنے جانشین کے سپرد کرتا ہوں اور ان کو خدا اور رسولؐ

نے پناہ دے رکھی ہے۔ اس لیے میرے جانشین کو خیال رکھنا چاہیے کہ جو معاہدہ ان کے ساتھ ہوا ہے ان پر شدت سے پابندی ہو۔ ان پر کسی قسم کا زائد بوجھ نہ ڈالا جائے۔"

(ماخوذ: طبقات ابنِ سعد)

اس کے بعد حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ شروع ہوتا ہے۔ اس دور میں بھی غیر مسلموں کے ساتھ جو برتاؤ ہوا اس کا ثبوت اس ایک شہادت سے ہو سکتا ہے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہٗ کے زمانہ میں مرو کا ایک پادری نے ایران کے لارڈ بشپ کو ایک خط لکھا جس کے الفاظ یہ ہیں:

"اہلِ عرب جن کو خدائے واحد نے تمام دنیا کا بادشاہ بنایا ہے ہمارے مذہب پر کوئی حملہ نہیں کرتے، ہماری عبادت گاہوں کے لیے عطیے دیتے ہیں۔ ہمارے مذہبی روایات کا پورا پورا لحاظ رکھتے ہیں۔ ان کی حکومت میں نہیں ہر طرح کی آزادی ہے۔ مذہبی کاموں میں اعانت کرتے ہیں۔"

ماخوذ: رسالہ ترجمان القرآن)

اس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کا آغاز ہوتا ہے۔ آپؓ کی خلافت کا مہتمم بالشان واقعہ یہ ہے کہ ایک مسلمان نے ایک ذمی کو قتل کر دیا تھا۔ آپؓ کے حکم سے مسلمان کو گرفتار کر کے اس ذمی کے خاندان کے سپرد کر دیا۔ جب قبیلے والوں نے دیت دے کر قاتل کو رہا کر دیا تو حضرت علیؓ نے قبیلے والوں سے دریافت فرمایا کہ کیا تم لوگوں نے قاتل کے قبیلے والوں کے ڈر سے اس کو رہا کر دیا تو مقتول کے قبیلے والوں نے جواب دیا نہیں۔ ہم نے اپنی خوشی سے رہا کیا ہے۔"

اس سے بڑھ کر ایک اور واقعہ پڑھیے:

جنگِ صفین میں جاتے وقت آپؓ کی زرہ گم ہو جاتی ہے۔ لیکن جنگ سے واپس آنے کے بعد وہی زرہ آپؓ ایک یہودی کے پاس دیکھتے ہیں اور اس سے مطالبہ کرتے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ یہ زرہ ہمارے پاس سالہا سال سے ہے۔ آپؓ جانتے تھے کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے۔ لیکن آپؓ باوجود جملہ اختیارات کے ایک عام آدمی کی طرح قاضی کے پاس مقدمہ دائر کرتے ہیں۔ جب آپؓ مدعی ہونے کی حیثیت سے قاضی کے سامنے حاضر ہوتے ہیں۔ قاضی آپؓ سے گواہ طلب کرتا ہے۔ آپؓ گواہی میں اپنے بیٹے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہٗ کو پیش کرتے ہیں۔ قاضی موصوف کا لحاظ نہیں کیا کہ آپ خلیفۂ وقت ہیں، ایک جلیل القدر صحابی ہیں۔ بلکہ اسلامی اصول کے تحت بیٹے کی گواہی باپ کے حق میں معتبر نہیں۔ اس معاملہ میں حضرت حسنؓ کی شہادت نامنظور کر دیتے ہیں۔ اس بے نظیر انصاف کو دیکھ کر یہودی حیران ہو گیا اور فوراً اسلام قبول کر لیا۔" (ماخوذ رسالہ محدث)

بقیہ صفحہ ۱۱ کے نیچے

آں چہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

مولانا ابو الحسن محمد رمضان القادری کلیان پوری۔ استاذ دار العلوم لطیفیہ حضرت مکان۔ ویلور

تو شمع رسالت ہے عالم تیرا پروانہ
تو ماہِ نبوت ہے اے جلوۂ جانانہ

اللہ تعالیٰ کا بے پناہ شکر و احسان ہے کہ اس نے اس عالم گیتی پر ہماری ہدایت و رہنمائی کی خاطر نبیٔ آخر الزماں خاتمِ پیغمبراں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جملہ اوصافِ حمیدہ اور کمالات محمودہ کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ ویسے وقت اور تقاضے کے مدنظر مختلف ادوار میں حسبِ ضرورت انبیاء و مرسلین کو کمالات سے مزین فرما کر بگڑی ہوئی قوم کی اصلاح اور فلاح و بہبود کے لیے پیغامِ حق کے ساتھ بھیجا۔ دیگر انبیاء و مرسلین کے کمالات اور خوبیاں ہماری آنکھوں اور سر پر ہیں۔ ان مقدس اور پاک باز ہستیوں کے اعجاز و اکرام سے ہمیں انکار نہیں۔ لیکن نبیٔ آخر الزماں سیاحِ لامکاں صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جس آن بان اور شان و شوکت کے ساتھ ہماری ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا اس کی نظیر اور مثال دیگر انبیاء اور مرسلین میں نہیں ملتی ہے۔ وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا۔ ہمیں بھیک مانگنے کو تیرا آستاں بنایا۔ تجھے حمد ہے خدایا۔

اگر یہ کہا جائے کہ جملہ انبیاء اور مرسلین کے کمالات اور خوبیوں کو خداوند قدوس نے ایک محمد عربی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس میں سمو دیا تھا تو بالکل حق بجانب ہے۔ اس جملہ کی مزید وضاحت کی خاطر ایک جیتی جاگتی مثال پیشِ خدمت ہے:

تجربات اور مشاہدات شاہد ہیں کہ جنہیں باغ و باغیچہ سے اچھا خاصہ لگاؤ اور انس ہے صاحبِ باغ کی یہی خواہش ہوا کرتی ہے کہ ہمارے باغیچہ میں رنگ برنگ، گونا گوں اور طرح طرح کے پھول ہوں تا کہ نظارہ کرنے والی نگاہیں یہ نہ کہہ سکے کہ اس میں فلاں پھول نہیں ہے۔ کبھی جب احباب باغیچہ دیکھنے کے لیے آتے ہیں تو انھیں کیاری کیاری، روش روش گھما گھما کر تمام پھولوں کو دکھایا جاتا ہے۔ جس پھول کے پاس آپ کھڑے ہونگے اسی پھول کی خوشبو

پائیں گے۔ لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اپنے دوست کو گھومنے پھرنے کی زحمت کیوں دی جائے ـــــ باغ کا ایک گلدستہ تیار کیا جائے تاکہ ایک ہی جگہ کھڑے ہو کر پورے باغ کا معائنہ کر لیا جائے۔ اور یہ اندازہ کر لیا جائے کہ چمنستان میں کتنے پھول ہیں۔

بلاتشبیہ و تمثیل پروردگارِ عالم جلّ مجدہٗ نے باغ رسالت اور باغ نبوت کو سجایا سنوارا اسی چمنستانِ نبوت کی ایک کلی حضرت آدمؑ بن کر آئے۔ حضرت نوح علیہ السلام اسی کے پھول بن کر آئے۔ حضرت سلیمان، حضرت ابراھیم خلیل اللہ علیہم الصلوٰۃ والسلام یہ سب اسی باغِ رسالت اور باغ نبوت کی الگ الگ کلیاں اور رنگ برنگ کے پھول ہیں۔ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہ سب کے سب اسی باغ نبوت کے شاداب پھول ہیں۔ ہر ایک کا رنگ جدا جدا، ہر ایک کی مہک الگ الگ ہر ایک کی چمک دمک میں فرق ـــــ لیکن خالقِ کائنات نے جب یہ چاہا کہ باغِ رسالت اور باغِ نبوت کا ایک گلدستہ تیار کیا جائے تو ربِّ کریم نے ایک بہت ہی حسین و خوب صورت گلدستہ تیار کیا۔ جس کا نام نامی سرکارِ عربی محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے، یہ ایک ہی جلوہ نہیں ہے بلکہ اس ایک جلوہ میں ہزاروں جلوے سمو دیے گئے ہیں۔

بلبلِ شیراز علامہ سعدی علیہ الرحمہ والرضوان فرماتے ہیں: ؎

تو اصل وجود آمدی از نخست
دیگر ہر چہ موجود شد فرع تست

یارسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، آپ ساری کائنات کی جڑ ہیں، دوسری جتنی بھی چیزیں ہیں وہ سب آپ ﷺ کی فرع ہیں۔ اور ؎

اور کسی نے اظہارِ حقیقت یوں کیا: ؎

حُسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ، یدِ بیضا دارند
آن چہ خوبان ہمہ دارند تو تنہا داری

اب باغ کی سیر کرنا نہیں ہے، باغ کا خلاصہ اور نچوڑ سرکارِ دوعالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ علیحدہ علیحدہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حضرت مسیح علیہ السلام تک کے آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی میں جلوے نظر آئیں گے۔ ؎

ازل سے تا ابد کس کی دستگیری ہے
ہے کوئی آپ ﷺ کا ہمسر، کسی کا نام تو لو

اور کسی نے اس طرح فرمایا: ؎

تیرے ظہور میں مضمر تھی دہر کی تخلیق
تیرے سپرد ہوئی دہر کی نظامت بھی

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ؎

ہر رتبہ کے بود در امکان بر وست ختم
ہر نعمتے کہ داشت خدا شد بر و تمام

ہر مرتبۂ کمال جو مخلوق کے لیے ممکن تھا محمد مصطفےٰ

صلے اللہ تعالٰی کی ذات پر ختم ہے۔

اور ہر ہر نعمت سے خداوندِ قدوس نے نواز کر سرشار فرمایا : ؎

فرش والے تیری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا
میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

دیگر انبیاء کے معجزات و کمالات عارضی تھے اور سرورِ عالم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اعجاز و کمال مستقل ہے۔ جیساکہ صحیح بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے۔ چنانچہ نبیٔ کریم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم بیان فرماتے ہیں کہ ہر نبی کو اُن کے دَور کے مطابق معجزے عطا کئے گئے ہیں جنھیں دیکھ کر لوگ ان حضرات پر ایمان لاتے تھے۔ لیکن میرا معجزہ وحیٔ ربانی ہے جسے خداوند قدوس نے میری جانب نازل فرمائی۔ مثلاً موسیٰ علیہ السلام کی قوم جادوگری میں اپنا ہمسر نہیں رکھتی تھی۔ اللہ تعالٰی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یدِ بیضا اور عصا کا معجزہ عطا فرمایا۔ جس سے قوم بنی اسرائیل کا غرور ٹوٹ گیا۔ جادوگر بھی اقرارِ نبوت پر مجبور ہو گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام دنیا سے تشریف لے گئے اُن کا معجزہ بھی رخصت ہو گیا اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں فنِ طب اپنے کمال کو پہنچا ہوا تھا۔ مگر سفید داغ کا علاج، نابینا کو بینا کرنے کا فن، مردہ زندہ کرنے کا نسخہ ان کے پاس نہیں تھا خالقِ کائنات نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وہی کمالات عطا فرمایا جن سے آپ کی قوم محروم تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے محیر العقول کمال کو دیکھ کر قوم عیسیٰؑ کے پاس اقرارِ حق کے سوا کوئی سبیل نہ تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دنیا سے رخصت ہوتے ہی ان کا معجزہ بھی پردۂ عدم میں روپوش ہو گیا۔ اور جس وقت ہمارے آقا و مولیٰ جناب محمد الرسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس عالم کو اپنے قدم مبارک سے مزیّن و مشرف فرمایا اس وقت اہلِ عرب اپنے چار علوم میں اپنا جواب و مقابل نہیں رکھتے تھے۔ بلاغت، کہانت، تاریخ اور شاعری ـــــ اس میں کوئی شعبہ نہیں کہ وہ اہلِ زبان تھے، جن پر ان کا تفاخر بجا تھا۔ شعر و شاعری میں ان کا مقام اتنا بلند تھا کہ وہ اپنے قصیدے کو خانۂ کعبہ کے صدر دروازے کی پیشانی پر آویزاں کر کے دوسروں کو چیلنج کرتے کہ اگر کوئی ہمارا ہم پلّہ ہو تو اس کا جواب لائے۔

چنانچہ " سبعہ معلقہ " درسِ نظامیہ میں داخلِ نصاب ہے :

(سبعہ کے معنی سات، معلقہ کے معنی لٹکایا ہوا۔ یہ وہ سات قصیدے تھے جو کعبہ کی دیوار پر لٹکائے گئے تھے۔ اسی مناسبت سے اس مجموعہ

کا نام سبعہ معلقہ رکھا گیا۔) وہ اہلِ عرب کے اسی اظہارِ فن کی یادگار رہے۔

عرب شعراء میں امرأ لقیس جس کا نام سرفہرست ہے اس کے ایک واقعہ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اہلِ عرب اپنے فن میں کس قدر اونچا مقام حاصل کر چکے تھے۔

امراء القیس کو دو آدمیوں نے قتل کر دینے کا ارادہ کیا اور اسے یقین بھی ہو گیا کہ واقعی مجھے قتل کر ہی دیا جائے گا۔ تو اس نے ان دونوں سے کہا کہ میری آخری آرزو ہے کہ میری دو لڑکیاں ہیں، میرے قتل کے بعد میرا یہ پیغام ان دونوں کو پہنچا دینا، اس کا تم وعدہ کرو۔ ان لوگوں نے وعدہ کر لیا اور اہلِ عرب ایفائے عہد میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ پیغام کے طور پر امراء القیس نے شعر کا ایک مصرع دیا : ؏

الا ابنتا امرؤ القیس ابا کما

ان دونوں نے اس کے بعد اسے قتل کر دیا۔ وعدہ کے مطابق قاتلوں نے یہ پیغام اس کی لڑکیوں تک پہنچا دیا۔ لڑکیاں کچھ دیر کے بعد شور مچاتے ہوئے کہنے لگیں کہ انھیں گرفتار کر لیا جائے کہ یہ ہمارے باپ کے قاتل ہیں۔ جب ان سے استفسار کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا کہ ان کے ذریعہ ہمارے باپ نے مصرعہ کی شکل میں ایک پیغام بھیجا ہے۔ اس کا دوسرا اور ہم وزن مصرع صرف یہی ہو سکتا ہے : ؏

قد قُتِلَ وَ قَاتلاہ لدا کما

لہٰذا ہمیں پورا یقین ہے کہ یہی ہمارے باپ کے قاتل۔

اس مقام پر یہ کہانی قلم بند کرنے کا مقصد محض اتنا ہے کہ قرآن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا۔ عرب جنھیں زبان دانی فصاحت و بلاغت پر غرور تھا، وہ اپنے مقابل کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے اور نہ ہی اپنا ہمسر سمجھتے تھے۔ مگر قرآن کی فصاحت و بلاغت نے ان کے غرور کا شیش محل چکنا چور کر دیا۔ سنّتِ الٰہیہ بھی یہی ہے کہ جس قوم کو اپنی جس توانائی پر غرور ہوتا ہے پروردگارِ عالم نے اپنے نبی و رسول کو وہی طاقت بلکہ اس سے کہیں زیادہ طاقت و قوت عطا فرمایا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو قوموں کو جھکایا کیسے جاتا۔ چنانچہ سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم پر وحی کے نزول کا سلسلہ جب شروع ہونے لگا تو کفارانِ مکہ میں کھلبلی مچ گئی کہ جو ہمارا اصل سرمایہ تھا اس پر آنچ آرہی ہے بھلا اسے وہ کب برداشت کر سکتے تھے۔ انھوں نے نئے نئے حربے استعمال کئے تاکہ قرآن کی فوقیت و برتری نہ ماننی پڑے۔ آخرکار خاتم النبیین صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے انھیں کے حسب دستور قرآن مجید کی ایک چھوٹی سی سورت انا اعطینٰك الکوثر کو کعبہ کے

صدر دروازے پہ آویزاں کرا دیئے۔ جس کے معنے یہی تو تھے کہ تم اہلِ زبان ہو تو قرآن کی کسی بھی سورۃ کا اگر نہیں تو کم از کم اس مختصر سی سورۃ کا جواب لاؤ۔ مدتوں یہ سورۃ کعبہ کے صدر دروازے پہ آویزاں رہی۔ قرآن نے زبان کے فن کاروں اور بازی گروں کی قلعی کھول دی اور یہ ثابت کر دکھایا کہ کلامِ انسانی اور ہے اور کلامِ ربانی کا درجہ اور ہے۔ تمہارا کلام ایک مخلوق کا کلام ہے لیکن یہ کلام اس احکم الحاکمین کا کلام ہے جو تمہارا بھی خالق ہے اور زبان و بیان کا بھی خالق ہے۔

کفارانِ قریش کے ترکش سے آخری تیر بھی نکل گیا۔ اب یہ اپنا ہتھیار ڈال دیے لیکن آسانی سے نہیں۔ گاہے گاہے چیلنج دیتے رہے اور سرکارؐ ان کا چیلنج قبول بھی کرتے رہے جیسا کہ ان کے چیلنج کا حسبِ ذیل واقعہ بطورِ مثال عرض ہے۔

ایک بار کفارِ مکہ نے مناظرہ کی دھمکی دی۔ آقائے کائنات نے بآسانی قبول فرمایا۔ اور انھیں بھی ایک ایسے مناظر کی ضرورت تھی، جو میدانِ مناظرہ کے شہ سوار ہو۔ کافی دوڑ دھوپ کے بعد ایک دقیانوسی ادیب کو ڈھونڈ لائے اور اُسے لے کر چلے وہ جب آقائے دوجہاںؐ کی بارگاہ سے قریب پہنچا تو دیکھا کہ سرکارؐ قرآنِ پاک کی تلاوت فرما رہے تھے۔ وہ دقیانوسی ادیب قریب آتے ہی پیشانی کے بل گر پڑا۔ لوگوں نے سمجھا کہ بہت بوڑھا ہے۔ ضعف و ناتوانی کے سبب گر گیا ہے۔ ایک صاحب آگے بڑھے، پیشانی اٹھائی، پانی کا چھڑکاؤ کرنے لگے۔ ہائے ہائے کمزوری بہت بڑھ گئی چلا نہیں جاتا۔ بوڑھے نے تیور بدل کر کہا: نادانو! میں کمزوری کے باعث گر نہیں گیا بلکہ قرآن کی عظمت ولکم فی القصاص حیٰوۃ میرے کان کے پردے سے ٹکرائی تو میں اس کا سجدۂ فصاحت و بلاغت ادا کر رہا تھا۔ یہ تو کلامِ انسانی نہیں بلکہ کلامِ ربانی معلوم ہوتا ہے۔ ایک مختصر ٹکڑے میں انتہائی حسن و خوبی سے دو متضاد باتوں کا ذکر، پھر اس کا نباہ انسان کے بس کی بات نہیں۔

یعنی قرآن یہ کہہ رہا ہے کہ: اے لوگو! تمہاری زندگی قصاص میں ہے یعنی خون بہا میں ہے۔ یعنی خون کا بدلہ اور قتل کا بدلہ۔ حیرت ہے کہ خون بھی بہایا جائے اور زندگی کا سکون بھی حاصل ہو۔

آپ نے اندازہ کیا ہوگا کہ یہ بوڑھا ابھی بارگاہِ رسالتؐ میں پہنچا نہیں اور پہنچنے سے پہلے ہتھیار ڈال دیا۔ کہنا یہ ہے کہ عرب کے اہلِ زبان نے آسانی سے قرآن کی فصاحت و بلاغت کا لوہا نہیں مانا۔ آزمایا، جانچا، پرکھا

تب کہیں غلامی کا قلادہ گردن میں ڈالا۔ اگر یہ قرآن کسی ایسی زبان میں اتارا جاتا جو زبان سے کوری، تایلد اور نا آشنا ہوتی تو اس کا کوئی معیار نہ ہوتا۔ اور قرآن کو وہ اہمیت حاصل نہ ہوتی جو آج ہے۔

خالقِ کائنات نے آپؐ کو قرآنِ مقدس کا معجزہ عطا فرمایا جو مذکورہ علوم کا جامع ہی نہیں خارق بھی ہے۔ اور وہ فصاحت و بلاغت کے ایسے کمالات پر مشتمل ہے جس کی بو بھی اہلِ عرب کے کلام میں نہیں آتی۔ صدیوں کا غرور چند لمحوں میں ٹوٹ گیا، جیسا کہ امامِ اہلِ سنت فاضلِ بریلوی علیہ الرحمہ والرضوان نے فرمایا ہے کہ:

تیرے آگے یوں ہیں دبے لچے فصحاء عرب کے بڑے بڑے
کوئی جانے منہ میں زبان نہیں نہیں بلکہ جسم میں جان نہیں
(حدائقِ بخشش)

اہلِ عرب پیغمبرِ اسلام صلے اللہ تعالےٰ علیہ السلام کے سامنے بے بس ہو کر رہ گئے۔ مناظرہ اور چیلنج سے کوسوں دُور بھاگ گئے اور لامحالہ اعتراف کرنا پڑا

وہ کمالِ حسنِ حضور ہے کہ گمانِ نقص جہاں نہیں
وہی پھول خار سے دُور ہے وہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

سرکارِ دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا سے تشریف لے گئے ہوئے چودہ سو برس کا عرصہ ہو گیا مگر آپ کا معجزہ باقی ہے اور صبحِ قیامت تک باقی رہے گا۔ کیوں کہ ہمارے سامنے قرآنِ پاک کی یہ آیت کریمہ شاہد ہے: انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحفظون: اور اگر معجزاتِ سید المرسلین کو دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے ساتھ بطور تقابل ملاحظہ کیا جائے تو جملہ انبیاء کرامؑ کے معجزات بدرجۂ اتم اور بطریقِ احسن سرکارِ دوجہاں کے لیے ثابت ہیں۔

افہام و تفہیم کی غرض سے چند اشارات قلم بند کئے جا رہے ہیں۔

سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوۃ والسلام کا یہ واقعہ بہت مشہور ہے اور آج بھی منبر و محراب سے صدائیں بلند ہوتی ہیں کہ آپؑ نے اپنی قوم کے بتوں کو توڑ ڈالا اور خدائی کے دعوے دار نمرود کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر حقانیت و صداقت کا پرچم لہرایا اور آتشِ نمرود نے بھی آپؑ کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔ یقیناً یہ بہت بڑا کمال و اعجاز ہے۔

اس کے مقابلہ میں سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے تو تین سو ساٹھ (360) بتوں کو پامال کر دیا جو کعبۂ مقدسہ کے اندر نصب تھے یہاں تک کہ ولادتِ باسعادت کے وقت ہی تمام بت منھ کے بل گر پڑے تھے۔ ایوانِ کسریٰ لرز اٹھا اور اس کے چودہ کنگورے

گر گئے۔ آتش کدۂ فارس کی آگ بجھ گئی حالاں کہ قبل ازیں ہزار سال سے روشن تھی اور ایک لمحہ کے لیے اُسے بجھنے نہیں دیا گیا تھا۔

(دلائل النبوۃ)

جیسا کہ امام احمد اور بیہقی نے عرباض بن ساریہ اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے کہ: حضور صلے اللہ تعالے علیہ وسلم کی ولادتِ باسعادت کے وقت ایک نور نکلا۔ جس کی روشنی سے بصرے کے محلات نظر آگئے۔ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رض کی والدہ جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی دایہ تھیں فرماتی ہیں کہ جب حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میری گود میں دیے گئے تو کسی کہنے والے نے کہا: اللہ آپ پر رحم فرمائے۔ اس وقت میرے لیے مشرق و مغرب منوّر ہو گئے اور ہم نے روم کے محلات دیکھ لیے سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقابلہ میں رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ اعجاز نہایت ہی ارفع و اعلیٰ ہے۔ کسی شاعر نے نہایت ہی حسین انداز میں اس طرح تذکرہ کیا:۔ ؎

تیری آمد تھی کہ بیت اللہ مجرے کو جھکا
تیری ہیبت تھی کہ ہر بُت تھرتھرا کر گر گیا

اسی طرح سیدنا حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالے نے ایک عصا (لاٹھی) عطا فرمایا تھا۔ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اس لاٹھی کے ذریعہ بڑے بڑے حیرت انگیز کارنامے انجام دیا کرتے تھے۔ مثلاً جب جادوگروں کا مقابلہ ہوا تو وہ عصا تمام جادو کے سانپ ہضم کر گیا۔

قرآنِ مجید میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک مشہور واقعہ مذکور ہے کہ آپؑ نے خدا کے حکم سے پتھر پر اپنا عصا مارا تو فانفجرت منہ اثنتا عشرۃ عینًا تو اس پتھر سے بارہ چشمے جاری ہو گئے۔ اسی طرح ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دریا پر اپنا عصا مارا تو دریا پھٹ گیا اور درمیانِ دریا ایک قدرتی راستہ بن گیا۔ بنی اسرائیل سلامتی کے ساتھ اس راستہ پر چل کر دریا کے پار نکل گئے۔ فرعون اور اس کے ہم نوا غرقِ دریا ہو گئے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بہت بڑا معجزہ تھا مگر اعجازِ محمدیؐ کی بے مثالی کا جلوہ بھی ملاحظہ فرمائیں:۔

سیّدِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے دستِ حق پرست پر یہ بھی معجزہ اس طرح ظاہر ہوا کہ آپؐ نے پیالہ میں ہتھیلی رکھ دی تو آپؐ کی انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہو گئے۔ چناں چہ میدانِ حدیبیہ میں آدمیوں کی کثرت کے سبب حدیبیہ

کا کنواں خشک ہوگیا۔ حاضرین پانی کے ایک ایک قطرہ کے لیے محتاج ہو گئے۔ اس وقت رحمتِ عالم کے دریائے رحمت میں جوش آگیا اور آپؐ نے ایک پیالہ میں اپنا دستِ مبارک رکھ دیا تو آپؐ کی مقدس انگلیوں سے اس طرح پانی کی نہریں جاری ہو گئیں کہ پندرہ سو لشکر سیراب ہوگیا۔ لوگوں نے وضو و غسل کیا جانوروں کو بھی پلایا، تمام مشکوں اور برتنوں کو بھی پانی سے بھر لیا: ؎

انگلیاں ہیں جوش پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر
ندیاں پنجاب رحمت کی ہیں جاری واہ واہ

غور طلب امر یہ ہے کہ پتھر پر لاٹھی مار کر چشمے جاری کر دینا اگرچہ ایک بہت بڑا معجزہ ہے، مگر پھر بھی پتھر سے پانی کا چشمہ جاری ہونا اتنا عجیب و نادار الوجود نہیں جتنا انگلیوں سے پانی کا چشمہ جاری ہونا محیر العقول و عدیم المثال ہے۔ کیوں کہ پتھروں میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ ان سے چشمہ جاری ہو جائے۔ چنانچہ قرآنِ مجید گواہ ہے کہ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ط یعنی کچھ پتھروں میں سے نہریں نکل پڑتی ہیں اور کچھ پتھر پھٹ جاتے ہیں تو اس میں سے پانی نکل آتا ہے۔ مگر انسان کی انگلیوں میں ہرگز ہرگز یہ صلاحیت نہیں ہے کہ ان سے پانی نکلے۔ لہٰذا

عقلِ سلیم یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ اعجازِ موسوی اگرچہ ایک عظیم معجزہ ہے مگر اعجازِ محمدی کی شانِ بے مثالی کی اور ہی شان ہے۔ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا تصرف اگر دریا پر ہوا ہے تو سید عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تصرف چاند اور سورج پر ہوا ہے۔ اپنی انگلی سے اشارہ فرما دیا تو چاند پھٹ کر دو ٹکڑے ہوگیا۔ اعجازِ موسوی اور اعجازِ محمدی میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اسی لیے کسی نے کیا خوب نقشہ کھینچا ہے: ؎

انفلاق بحر کا برہانِ عظیم الشان تھا
انشقاق بدر کا لیکن نتیجہ اور ہے

سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ و التسلیم کے معجزے پر بھی ایک نظر ڈالیں چنانچہ اللہ تعالےٰ نے آپؑ کو مردے زندہ کرنے کا اعجاز و کمال عطا فرمایا تھا۔ آپؑ اللہ کے حکم سے مُردوں کو زندہ فرما دیا کرتے تھے مگر آپؑ نے چند مردوں کو زندہ فرمایا وہ سب انسان تھے۔ جن میں مدتوں زندگی رہ چکی تھی اور ان میں حیات کی صلاحیت تھی۔ لیکن سید عالم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے تو پکی ہوی ہڈیوں کو اور سوکھی لکڑی کے ستون اور کنکریوں کو باذن اللہ نہ صرف جان بلکہ زندگی کے ساتھ زبان و ایمان بھی عطا فرما دیا تھا۔ حالاں کہ ان چیزوں میں حیات کی صلاحیت بھی نہیں تھی

جیسا کہ یہ مشہور واقعہ ہے کہ ابوجہل کے ہاتھ میں کنکریوں نے اشارہ پاتے ہی کلمہ پڑھا۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کا اعجاز یقیناً بڑا ہے لیکن سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا اعجاز اس سے کہیں اعلیٰ وارفع ہے۔ ؎

سب سے اعلیٰ و اولیٰ ہمارا نبیؐ
سب سے بالا و والا ہمارا نبیؐ
جن کے تلووں کا دھوون آبِ حیات
ہے وہ جانِ مسیحا ہمارا نبیؐ
بجھ گئیں جس کے آگے سبھی مشعلیں
شمع وہ لے کر آیا ہمارا نبیؐ
غمزدوں کو رضاؔ مژدہ دیجیے کہ ہے
بے کسوں کا سہارا ہمارا نبیؐ

حضرت یوسف علیہ الصلوۃ والسلام کے تعلق سے یہ واقعہ بہت مشہور ہے کہ جب زلیخا نے آپؑ پہ بدنیتی کی تہمت لگائی اور عزیز مصر نے اس کے بارے میں آپؑ سے سوال کیا تو آپؑ نے فرمایا کہ میں پاک دامن ہوں اور بے گناہ ہوں۔ اتنے میں زلیخا کے چچا کا چار ماہ کا بچّہ جو اسی مکان کے اندر لیٹا ہوا تھا آپؑ کے پاک دامنی کی شہادت دی۔ جیسا کہ قرآنِ شریف میں یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ یوسف علیہ السلام کا یہ اعجاز ہے کہ چار ماہ کا بچّہ آپؑ کی پاک دامنی کی شہادت دی مگر یہی اعجاز سید عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے اس طرح سے اور اس شان سے عطا کیا گیا۔

وہاں اس بچّے نے آنکھ سے دیکھ کر شہادت دی تھی اور یہاں ایک دن کا بچّہ جو بغیر دیکھے ہوئے رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی شہادت دی ہے۔

چناں چہ امام بیہقی و حاکم و خطیب و وغیرہم محدّثین راوی ہیں کہ اہل یمامہ کا ایک بچّہ جو اسی دن میں پیدا ہوا تھا۔ ایک کپڑے میں لپیٹ کر رحمتِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا۔ آپؐ نے اس بچّے سے دریافت فرمایا کہ میں کون ہوں؟ قَالَ اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ تو اس بچّے نے نہایت فصاحت کے ساتھ باآواز بلند کہا کہ آپؐ اللہ کے رسولؐ ہیں۔

اسی طرح مولانا رومی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب "مثنوی شریف" میں ایک کافرہ عورت کے دو ماہ کے بچّے کا واقعہ نقل فرمایا ہے کہ وہ عورت اپنی چادر میں دو ماہ کے بچّے کو چھپا کر امتحانِ نبوت کے لیے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوی تو اس بچّے نے اپنی زبانِ قال سے چادر کے اندر ہی سے باآواز بلند عرض کیا: السلام علیك یارسول اللہ: سرکارؐ ہم حاضر دربار

ہو گئے ہیں! یہ آواز سن کر بچّہ کی ماں نے غصّہ بھرے انداز میں کہا: خبردار! چُپ رہ! ارے کس نے یہ کلمۂ شہادت تیرے کان میں ڈال دیا ہے؟

گفت آموخت وانگہ جبرئیل
درمیانِ باجبرئیلم من رسیل

بچّہ کہنے لگا کہ: اے ماں! اللہ تعالے نے مجھے یہ کلمۂ شہادت سکھایا ہے۔ اور اس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام میرے اور خدا کے درمیان قاصد بن کر مجھ سے یہ کلمۂ حق کہلا رہے ہیں۔

پس رسولش گفت اے طفلِ رضیع
چیست نامت بازگو، وشو مطیع

پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے شیرخوار بچّے! تیرا نام کیا ہے؟ یہ بتا اور تو اللہ اور رسول کا فرماں بردار بن جا۔ بچّے نے جواب دیا کہ: یا رسول اللہ! خدا کے نزدیک تو میرا نام عبدالعزیز ہے۔ لیکن میری اس کمینی ماں نے میرا نام عبدالعزیٰ رکھ دیا ہے

من ز عزیٰ پاک و بیزار و بری
حق آں کہ دادت ایں پیغمبری

یا رسول اللہ! عزیٰ بت سے پاک اور بیزار و بری ہوں میں اس اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس نے آپؑ کو پیغمبری عطا فرمائی ہے

بہرحال اعجازِ یوسفی ایک اعجازِ عظیم ہے۔ مگر اعجازِ محمدیؐ یقیناً اس سے عظیم ہے

حُسنِ یوسفؑ پر بھی ایک نگاہ ڈالیں

اللہ تعالے نے آپؑ کو حسن و جمال کا پیکر بنایا تھا اور آپؑ کو یہ اعجاز اور شرف بھی حاصل تھا کہ حُسن و جمال میں یکتائے روزگار تھے۔ عرب و عجم میں آپؑ کے حُسن کی دھوم مچی تھی۔

جیسا کہ ملکۂ عزیزِ مصر زلیخا نے اُن عورتوں کو اپنے گھر مدعو کیا، جو عورتیں زلیخا کو طعنے دے رہی تھیں۔ کہ تو شہزادی ہو کر ایک غلام پر عاشق ہوگئی۔ زلیخا نے کہا کہ اگر تم میرے یوسفؑ کو ایک نظر دیکھ لو تو پھر کبھی طعن میں زبان نہ کھول سکو گی۔ عورتوں نے کہا: آج ہم یوسفؑ کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ موصوفہ نے حضرت یوسف علیہ السلام سے درخواست کی کہ آپؑ ہمارے مہمان عورتوں کے روبرو تشریف لائیں۔

تفسیرِ نعیمی میں علّامہ صدرالافاضل سید نعیم الدین رحمۃ اللہ علیہ مرادآبادی فرماتے ہیں کہ زلیخا نے چالیس معزز اور اشراف عورتوں کو مدعو کیا تھا۔ وہ سب تھیں جنہوں نے اس پہ ملامت کی تھی۔ زلیخا نے ان عورتوں کو نہایت ہی عزّت و احترام کے ساتھ مہمان بنایا۔ اور دسترخوان بچھائے گئے اور قسم قسم

کے کھانے اور میوے چنے گئے۔ ساتھ ہی ہر ایک عورت کے ہاتھ میں ایک ایک چھری دے دی تاکہ اس چھری سے گوشت کاٹیں اور میوے تراشیں۔ قرآن اس کا واضح بیان فرمایا ہے۔

فَلَمَّا رَأَيْنَهُ أَكْبَرْنَهُ وَقَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا هَٰذَا بَشَرًا إِنْ هَٰذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ

جب عورتوں نے یوسفؑ کو دیکھا اس کی بڑائی بولنے لگیں اور اپنے ہاتھ کاٹ لیے اور بولیں اللہ کو پاکی ہے یہ تو جنسِ بشر سے نہیں یہ تو نہیں مگر کوئی معزز فرشتہ۔ (کنز الایمان)

وہ عورتیں یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال میں اس قدر محو ہوگئیں کہ بجائے میوہ تراشنے کے ہاتھ کاٹ لیں۔ مگر یہی اعجاز نبیٔ کریم صلے اللہ تعالے علیہ والسلم کے لیے اس طرح سے ہے:

علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ الباری اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ بیان نقل فرماتے ہیں کہ

لَوَّامِي زليخا لو رأين جبينه لآثرن بالقطع القلوب على الأيدي

اگر مصر کی عورتیں سیدِ عالم صلے اللہ تعالے علیہ وسلم کو دیکھ لیتیں تو ہاتھ کاٹنے کی بجائے اپنا دل کاٹ کر رکھ دیتیں۔ اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی امام اہلِ سُنّت علیہ الرحمۃ والرضوان نے کیا ہی خوب فرمایا ہے کہ: ؎

حُسنِ یوسفؑ پہ کٹیں مصر میں انگشتِ زناں
سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردانِ عرب

حُسنِ یوسف میں محو ہو کر مصر کی عورتیں اپنی انگلیاں کاٹ لیں تو عرب کے شیدائیانِ نبیؐ آپؐ کے نام پہ اپنا سر قربان کرتے تھے۔ اُدھر انگلیاں کٹ رہی ہیں اِدھر سر کٹائے جا رہے ہیں۔ کٹنا بغیر الاختیار اور کٹانا بالاختیار ہے۔ کٹ جانا کوئی بڑی بات نہیں۔ مگر کٹانا مشکل ہوتا ہے۔

حُسنِ یوسفؑ یقیناً بہت بڑا اعجاز و اکرام ہے لیکن سیدِ عالم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا حُسن و جمال حُسنِ یوسفؑ سے کہیں بڑھ کر ہے۔ سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم خود اپنی زبانِ حق ترجمان سے ارشاد فرماتے ہیں کہ

اللہ تعالےٰ نے سب سے پہلے میرے نُور کو پیدا کیا اور میرے نُور سے ساری کائنات کو وجود بخشا۔ گویا ساری کائنات کو جو حُسن و جمال ملا وہ صدقہ ہے رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا۔ یہی وجہ ہے کہ کسی نے آپؐ کے روئے منوّر کو چودھویں رات سے تشبیہ دی تو یہ کہا کہ

؎ :

(بقیہ صفحہ 28 پر ملاحظہ ہو)

خطیب قادر بادشاہ

وانمباڑی کا اوّلین صاحبِ دیوان شاعر

ڈاکٹر جلال عرفان : اسلامیہ کالج۔ وانمباڑی

وانم باڑی میں شاعری کی روایت کافی قدیم ہے۔ غالبؔ و مومنؔ ابھی حیات تھے اور میر تقی میرؔ کو دنیا سے رخصت ہوئے ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ وانم باڑی کے اوّلین صاحبِ دیوان شاعر خطیب قادر بادشاہ پیدا ہوئے تھے گرچہ بادشاہ کو اولین صاحبِ دیوان شاعر کی حیثیت سے فضیلت حاصل ہے۔ تاہم ان کی شعرگوئی کے آغاز سے پہلے ہی یہاں متعدد مقامی و بیرونی شعراء اور موزوں طبیعت کے حامل علماء و اساتذہ بھی موجود تھے۔ جن کی محفلوں میں شعر و ادب کے چرچے تھے۔ مولوی حافظ محمد بدیع الزماں بدیعؔ لکھنوی یہاں منصب امامت پر فائز تھے۔ مولوی حافظ شاہ ولی اللہ قادری ولیؔ حکیم سید محسن علی آرکاٹی، سید برہان الدین بادشاہ افسرؔ، محمد عبدالرحمٰن فاروقی تسکینؔ، جعفر خاں عرف مولانا مہرؔ وغیرہ خطابت و امامت یا درس و تدریس کے عہدوں پر فائز تھے۔ یہ حضرت اعلیٰ درجے کے شاعر تھے اور اپنے اپنے علاقہ سے بہترین شعری روایات کا گراں قدر تجربہ اپنے ساتھ لائے تھے۔ یہ صورت حال تھی جب حکیم سید عقیل علی آرکاٹی نے وانم باڑی میں ادبی ماحول کو سازگار پاکر مشاعرہ کی داغ بیل ڈالی تھی۔ ۱۳۰۴ھ/1886ء میں منعقد ہونے والے اس مشاعرہ میں نوعمر خطیب قادر بادشاہ بھی شامل تھے[1] اس وقت انھوں نے محزوںؔ تخلص اختیار کر رکھا تھا۔ نوعمری کے اُس تعارفی دور کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔[2]

دل لگا نا ہی نہ تھا زلفِ دوتا سے پہلے
سابقہ مجھ کو پڑا کالی بلا سے پہلے
ولولہ ہے یہ فقط طبع کا اپنے محزوںؔ
کب یہ نکلے تھے سخن فکرِ رسا سے پہلے

- حزن و یاس اور افسردگی نوجوانوں کا ایک مستقل مسئلہ ہے۔ بادشاہ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ ان کی طبیعت میں بھی افسردگی بہت بڑھ گئی تھی شاید یہی وجہ تھی کہ انھوں نے اپنے لیے محزوںؔ تخلص منتخب

کیا تھا۔ مگر بعد میں یہ تخلص کیوں ترک ہوا۔ انہوں نے خود اس کا سبب ایک مقطع میں بتایا ہے:[۵]

یادشاہ تھا یہی تبدیل تخلص کا سبب
سب لگے کہنے نہیں اچھا، غم ناک

اس موقعہ پر بادشاہ کے حالات پر ایک نظر ڈال لینا مناسب ہوگا۔ ان کا پورا نام خطیب قادر بادشاہ تھا۔ والد کا نام خطیب محمد قاسم تھا۔ بادشاہ 1854ء میں وانم باڑی میں پیدا ہوئے۔ ان کے مورثِ اعلیٰ شیخ احمد فقیہہ بیجاپور کے باشندے تھے۔ جنھیں نوابانِ آرکاٹ کے دور میں نواب سعادت اللہ خان نے وانم باڑی میں خطابت کے منصب پر مامور کیا تھا۔ بادشاہ نے قرآن شریف، اردو، فارسی کی ابتدائی تعلیم وانم باڑی میں حاصل کی تھی۔ ان کے والد کی کپڑے کی تجارت چوں کہ مدراس میں تھی۔ اس لیے بادشاہ کی تعلیم کی تکمیل بھی وہیں ہوی۔ بادشاہ کے اساتذہ چوں کہ باذوق شعراء تھے اس لیے بچپن ہی سے بادشاہ کی طبیعت بھی شاعری کی طرف مائل ہوگئی۔ اردو و فارسی کے باکمال شعراء کے دواوین کا بڑی رغبت اور شغف کے ساتھ گہرا مطالعہ کیا۔ اور جب طبیعت میں شعر گوئی کی تحریک پیدا ہوی تو بیس بائیس برس کی عمر سے شعر کہنا شروع کیا۔ شاعری میں باقاعدہ کسی کے شاگرد نہیں ہوے سینتیس[۳۷] سال کی عمر میں اپنا پہلا دیوان بہ عنوان "دیوانِ بادشاہ" شائع کیا۔ بادشاہ بہت پُرگو شاعر تھے۔ طبیعت میں بلا کی آمد تھی۔ چھ شعری مجموعے اور ایک نثری کتاب "سفرنامۂ حج" ان کی یادگار ہیں۔ ان کی تصانیف کی تفصیل یوں ہے:

۱۔ دیوانِ بادشاہ	۲۔ یادگارِ بادشاہ
۳۔ گلزارِ بادشاہ	۴۔ جوہرِ خیال
۵۔ مدحِ پیغمبرِ الٰہ	۶۔ نعتِ خیر البشر

اور ۷۔ سفرنامۂ حجاز

شاعری کا سب سے مہتم بالشان موضوع عشق ہے۔ دیوانِ بادشاہ میں اس موضوع کو دوسرے تمام موضوع پر غالب پاتے ہیں۔ ان کے یہاں عشق کا ایک باقاعدہ ارتقاء ملتا ہے۔ مگر بہت جلد وہ کوچۂ عشق سے نکل آتے ہیں۔ حج بیت اللہ سے مشرف ہونے کے بعد انھوں نے اپنی ساری شاعرانہ صلاحیتیں نعت گوئی اور قومی شاعری کے لیے وقف کردی چناں چہ "گلزارِ بادشاہ" کا ایک قابلِ لحاظ حصّہ نعتیہ کلام پر مشتمل ہے۔ جب کہ "مدحِ پیغمبرِ الٰہ" اور "نعتِ خیر البشر" تو نعتوں ہی کے مجموعے ہیں۔

بادشاہ کو ملّی مسائل سے بہت دلچسپی تھی۔ مسلمانوں کی تعلیمی پس ماندگی سے وہ بہت فکر مند رہا کرتے تھے۔ وہ مسلمانوں کے لیے دینی تعلیم کے ساتھ عصری تعلیم و تربیت کو بہت

ضروری سمجھتے تھے۔ لہٰذا مسلمانوں کے اندر تعلیم
کو عام کرنے کے لیے انہوں نے نہ صرف اپنی شاعری
کو اس عظیم مقصد کے حصول کے لیے وقف کر دیا
بلکہ نثر میں بھی مضامین کا ایک سلسلہ ملک کے
بڑے بڑے اخبارات میں شائع کروائے۔ تعلیم
نسواں کے بڑے حامی تھے۔ مسلمانوں میں
اشاعتِ تعلیم کے ضمن میں لڑکیوں کی تعلیم
کو وہ بڑی اہمیت دیتے تھے۔ اس سلسلہ میں
بادشاہ نے بڑی جد و جہد کی۔ مدرسۂ نسوان
مسلم پور اور مدرسۂ اعظم قلعہ، کے قیام میں
بادشاہ کی مساعیِ جمیلہ کو بہت دخل تھا۔

بادشاہ نے نسبتاً ایک طویل
زندگی پائی۔ جسے انھوں نے ایک طرف تو
شعر و ادب کی خدمت میں صرف کئے تو دوسری
طرف قوم و ملت کی مفید تعلیمی خدمت کے لیے
مختص کر دیا۔ آخری ایام میں فالج کے شکار
ہوئے اور بالآخر ۵ ستمبر 1915ء کو انتقال
فرمایا۔[۳] وانم باڑی کی مسجدِ قدیم والے قبرستان
میں تدفین عمل میں آئی۔ لوحِ مزار آج بھی
یادگار ہے۔

اب ایک نظر بادشاہ کے شاعرانہ
کمال پر ڈالنا چاہیے۔

بنیادی طور پر شاعری عشقیہ مضامین
کے لیے مختص ہے۔ عشق ایک ایسا شیریں
پُر قوت اور دل کش جذبہ ہے جو اپنے اظہار کے
لیے نت نئے پیرایے، نئے نئے سانچے، اور نئے
نئے اسالیب کا مطالبہ کرتا ہے۔ اسی جذبہ کے
اظہار کے لیے بنیادی طور پر شاعر شعر کہنا
شروع کرتا ہے۔ لہٰذا بادشاہ کے یہاں بھی
اس کا بہت خوب صورت اظہار ہوا ہے۔
ان کا سب سے پہلا دیوان یعنی "دیوان بادشاہ"
عشقیہ شاعری کا بہت بڑا مخزن ہے۔ عشق
کا مضمون یہاں پوری آب و تاب کے ساتھ
جلوہ گر ہے۔

بادشاہ کی شاعری میں بھی کلام میر کی
طرح عشق کا ایک با قاعدہ ارتقاء ملتا ہے اور کلام
سر تا سر سوز و گداز میں ڈوبا ہوا ہے۔ عشق سے
بچنے کی ان کی ساری کوششیں بے سود ثابت ہوتی
ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں: ؎

- اے بادشہ احسن ہے حذر شعلہ رخوں سے
  یہ خرمنِ دل تیرا جلا دیں گے کسی دن
- بادشہ رہتے ہو تم اس گلِ تر پہ مفتوں
  نہیں جز داغِ جگر اس کا نتیجہ دیکھو

آغازِ محبت میں شوقِ دید بڑھ جاتا ہے۔ رخِ انور
کے شیدائی، مصحفِ رخسار کا کس کس زاویہ سے
مطالعہ کیا ہے، ملاحظہ ہو: ؎

- تو وہ ہوش ربا دیکھیں اگر ایک نظر
  کفر کافر میں، نہ دین داروں میں ایمان رہے
- شمعِ رخسار پہ کیوں کر نہ فدا ہو جاؤں
  کچھ بھی جل جانے کی پروا نہیں پروانے کو

• آنچل رُخِ اَبر نور پہ لانا نہیں اچھا
خورشید کو بادل میں چھپانا نہیں اچھا[۴۲]

دیوانِ بادشاہ میں وارداتِ قلبی کی جملہ کیفیات کی مصوّری حقیقت کے رنگ میں ہوئی ہے۔ ان کے کلام میں تشبیہات و استعارات ایک احساس ندرت و فرحت پیدا کرتے ہیں۔

حجِ کعبہ و زیارتِ مدینہ نے بادشاہ کی سوچ و فکر کی دنیا بدل ڈالی۔ مذہبی گھرانے کے تو وہ چشم و چراغ تھے ہی، اب خود کو مذہب کے لیے فدا کر دینے کا جذبۂ سرشار ان کے اندر پیدا ہوا۔ جذبۂ عشق رسولؐ نے دفعتًا اتنی شدّت سے انھیں مسحور و مسخّر کیا کہ وہ اسی کے لیے وقف ہو کر رہ گئے۔ وہ اس جذبہ کو اس قدر مقدّس و محترم سمجھتے تھے کہ بے اختیار کہہ اٹھتے ہیں: ؎

مبارک ہے وہ دل جس میں تری معمور الفت ہے
مبارک وہ زباں ہے جس سے مدحت ہوتی والا ہے

جس طرح عرض کو جوہر سے جُدا نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح بادشاہ کے دل سے حضور اکرم صلعم کی محبت کو جُدا نہیں کیا جاسکتا بلکہ جس دل میں نبیٔ اکرم کی محبت جلوہ گر ہو وہاں غیر کی محبت کا کیا کام؟ چند اشعار ملاحظہ ہوں: ؎

• مرے دل کو ہے نسبت اس طرح عشقِ پیمبر سے
جدائی غیر ممکن ہے عرض کو جیسے جوہر سے
• مجھے کیا کام فرضی حسن سے اور فرضی دلبر سے
میں سچّا ہوں، مجھے سچّی محبت ہے پیمبر سے

• عشقِ احمدؐ نے مٹایا دل سے میرے عشقِ غیر
آشنا قائم رہا، نا آشنا جاتا رہا

۱۹۰۶ء میں بادشاہ کو حج بیت اللہ کا اور زیارت روضۂ پاک نصیب ہوئی تو اس مسعود و مبارک موقعہ پہ یہ اشعار ان کی زبان پر جاری ہوئے

• بر آئی ہے تمنّا بعد مدت یا رسول اللہؐ
میسر آج ہے تیری زیارت یا رسول اللہؐ
نہ تھا میں بندۂ ناچیز قابل ایسی نعمت کا
فقط اللہ کی ہے یہ عنایت یا رسول اللہؐ

بادشاہ کے دل میں حضورؐ پرنور کی عظمت کا گہرا احساس تھا۔ انھوں نے جابجا عظمتِ رسولؐ کی مدحت فرمائی ہے اور شفاعت کے طالب ہوئے ہیں: ؎

• خدا کے بعد ہو تم سب سے افضل و اعلیٰ
میں کیا بتاؤں کہ یا افتخار کیسے ہو
• تمھیں ہو باعثِ عالم، ہو تم فخر بنی آدمؐ
نبیٔ اعظم و اکرم، رسول رہنما تم ہو
• شفیع المذنبیں تم ہو، محمد مصطفٰے تم ہو
مریضانِ گنہ ہم ہیں، دوا تم ہو شفا تم ہو

بادشاہ کی نعتیں جذبۂ عشق رسول میں سرشار نہایت سچّی اور پاکیزہ ہوتی ہیں۔ تڑپ اور والہانہ پن ہی میں ان کی مقبولیت کا راز مضمر ہے۔

بادشاہ کو تاریخ گوئی میں ایک اعلیٰ درجہ کا ملکہ حاصل تھا۔ بلکہ اس فن میں ان کی مہارت

درجۂ کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔ سیکڑوں قطعات تاریخ تمام فنی باریکیوں اور لطافتوں سمیت اس سلاست سے رقم کئے ہیں کہ ان کی استادی اور کمالِ فن کا اعتراف ناگزیر ہو جاتا ہے۔ صرف گلزارِ بادشاہ میں کل ایک سو اکیاسی (۱۸۱) قطعاتِ تاریخ شامل ہیں۔[۵]

شاعری میں تاریخ گوئی ایک دلچسپ اور اہم فن ہے۔ جس کے ذریعہ اہم تاریخیں محفوظ کر لی جاتی ہیں۔ تاریخ گوئی کا تعلق فنِ جمل سے ہے جس میں مقررہ اعداد حروف سے تاریخ اخذ کی جاتی ہے۔ قدرتِ کلام کے علاوہ یہ فن خاصی ریاضت کا بھی متقاضی ہے۔ جس کے عام شعرا متحمل نہیں ہوا کرتے۔

بادشاہ کو اس فن سے دلچسپی بھی ہے اور خاص طبعی مناسبت بھی۔ اِن قطعات میں مادۂ تاریخ اکثر سالم مصرعوں میں اس سادگی اور روانی سے بیان کئے ہوئے ملتے ہیں کہ بجائے خود شاعر کے کمال کا ثبوت بن گئے ہیں۔ مادۂ تاریخ میں حشو کا نام نہ ہوتا تھا۔ بادشاہ کا تخرجہ اور تعمیہ کو ناپسند کرتے تھے۔ اور ان کے مادہ ہائے تاریخ عموماً سالم ہوتے ہیں۔

بادشاہ کے ان مادہ ہائے تاریخ کی بعض دلچسپ خصوصیات ہیں۔ وہ شادی کی تاریخ میں "نکاح" کا لفظ بھی ضرور لاتے ہیں اور دولہا کا نام بھی۔ اسی طرح مادۂ تاریخ وفات میں رحلت کا لفظ بھی ہوگا اور متوفی کا نام بھی۔ اسی طرح ہر قطعہ میں کوئی نہ کوئی لفظ ایسا ضرور لاتے تھے جس سے اس تقریب پر روشنی پڑ جاتی تھی۔

مثلاً

۱۔ "نکاحِ خطیب عبدالرشید" (1321ھ)

۲۔ "داغ کی رحلت ہوئی افسوس آج" (1322ھ)

بادشاہ کو اس فن میں ایسی قدرت حاصل ہے کہ صاف اور روشن مادے بڑی سہولت کے ساتھ نکال لاتے ہیں۔

بادشاہ نے فن شاعری کو اپنے جذبات و محسوسات کی کامیاب مصوری کے لیے بھی استعمال کیا اور اہم تاریخوں کو محفوظ کرنے کے لیے بھی ایک اہم کام اس سے نعت گوئی کے ضمن میں لے کر اپنی عاقبت بھی سنوار لی۔ ان تمام سے مہتم بالشان کام بادشاہ نے اپنی شاعری سے قومی خدمت کے سلسلہ میں لیا ہے۔ اور یہ آخر الذکر کام اتنا اہم اور رفیع الشان ہے کہ بادشاہ کا نام کم سے کم اس سبب سے ہمیشہ زندہ رہے گا۔

بادشاہ اپنی قوم کے ایک سچے ہمدرد تھے۔ معاشی، معاشرتی اور تعلیمی میدانوں میں قوم کی ابتری انھیں خون کے آنسو رُلاتی تھی۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ جہالت، معاشی بدحالی اور اخلاقی پستی میں ڈوبی ہوئی ہے۔ قوم کو آپس کی نااتفاقی، تعصب اور خود غرضی نے ترقی

انھیں دل سے عزیز تھی۔ چناں چہ سر سید احمد خان کی طرح بادشاہ نے بھی قوم کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔ جو مسائل سر سید کو درپیش تھے تقریباً ویسے ہی مسائل کا سامنا بادشاہ کو بھی کرنا پڑا۔

ہندوستان کی دیگر اقوام نے تعلیم کی برکت سے معاشی خوش حالی اور سماجی عزت حاصل کر لی تھی مگر مسلمان قوم ہنوز جہالت و گمرہی اور معاشی بدحالی کا شکار تھی۔ بادشاہ نے جب یہ صورت حال دیکھی تو ان کا دل تڑپ اٹھا اور انھوں نے قوم کو اس کی کم زوریوں کی طرف متوجہ کیا۔

ے

اے قلم کیجیے رقم کچھ آج حالت قوم کی
اے طبیعت کر اعانت گر ہے الفت قوم کی
غرق ہے بحرِ تنزل میں یہ کیا سر تا بہ پا
کچھ نہیں اب تک ابھرنے کی ہے صورت قوم کی
خود پسندی اور خود غرضی ہے ہر اک کا شعار
حیف عادت قوم کی، افسوس قسمت قوم کی
اے ترقی ہم ترستے ہیں ترے دیدار کو
اے تنزل تا بہ کے تجھ سے رفاقت قوم کی

قوم کی ترقی میں کیا رکاوٹیں درپیش ہیں؟

بادشاہ نے ایک ماہر نباض کی طرح قوم کو لاحق مرض کی تشخیص کی اور اس نتیجے پر پہنچے کہ نا اتفاقی اور تعصب کے ساتھ جہالت اور تعلیم سے دوری ہی اس کے حقیقی اسباب ہیں۔ چناں چہ کہتے ہیں: ے

- تھی فقط نا اتفاقی مدتوں سے قوم میں
  جب تعصب آیا سونے پہ سہاگا ہو گیا
- دو ہی چیزیں ہیں جس سے ہے ہمیں ذلت نصیب
  ایک بے علمی ہے دیگر ہے جہالت قوم کی

چناں چہ علم کی فضیلت خوب بیان کرتے ہیں اور حصولِ تعلیم کی ترغیب دیتے ہیں۔ مسلمانوں کے سارے مسائل کا حل انھیں تعلیم میں نظر آتا ہے۔ عبدالرحمٰن فاروقی تسلیم نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ "قلعۂ وانمباڑی کے تاجر حضرات نے 1304ھ میں مدرسۂ اعظم بادشاہ کی تحریک پر قائم کیا تھا"[۲]

بادشاہ اس بات کے قائل تھے کہ لڑکے اور لڑکیاں دونوں زیورِ تعلیم سے مزین ہوں۔ لڑکیوں کی تعلیم میں امورِ خانہ داری بھی شامل ہوں جب کہ لڑکوں کی تعلیم میں صنعت و حرفت کا نصاب بھی شامل ہو۔ دینی تعلیم کے وہ قائل تھے۔ مگر اس کے ساتھ ایسے فنون کو بھی وہ طلبا کے لیے لازمی سمجھتے تھے جن سے حصولِ معاش آسان ہو سکے۔ ے

- دین کے علم سے بہتر کوئی صورت کیا ہے
  اس ضرورت سے فزوں اور ضرورت کیا ہے
  دین ہے صورتِ جاں جسم کے مانند ہیں ہم
  جسمِ بے جاں کی بھلا دہر میں وقعت کیا ہے
- دین کو دنیا سے جیسا ربط ہے شام و سحر
  یوں ہی دنیا کو تعلق دیں سے ہے بے گماں

گر نہ ہو دنیا تو کیوں کر دین کی ہوگی نمود
مثلِ قالب ہے یہ دنیا، دین ہے مانندِ جاں

• بے شک ہے ضرور تر یہی کام
عقبیٰ کا ہو جس سے نیک انجام
اے کاش جو اس کے ساتھ کامل
تعلیم فنون سو وے شامل
انساں کو تنگئ معیشت
ہے سب سے بڑی جہاں میں آفت
حاصل ہو اگر فراغ اس سے
دین و دنیا ہیں دونوں اچھے
جب تک نہ معاش کی ہو صورت
اس علم کی کیا ہو زیب و زینت[۸]

بادشاہ بہت دین دار آدمی تھے مگر باوقار اور خوش حال معیشت کے لیے انگریزی تعلیم کو ضروری سمجھتے تھے۔ چناں چہ اکبر الہ آبادی کی طرح انھوں نے بھی قوم کے نوجوانوں سے یہی کہا کہ دین کی حفاظت کرو ہوئے انگریزی تعلیم کی طرف متوجہ ہوں: ؎

پڑھو انگریزی مگر دین کے پابند رہو
حشر میں پیشِ خدا تم نہ اٹھاؤ خجلت

آخر عمر میں بھی بادشاہ نے قومی سرگرمیوں سے کنارہ کشی اختیار نہ کی۔ محمد عبدالرحمٰن تسلیم نے گلزارِ بادشاہ کی تقریظ میں انھیں "حالیِ مدراس" قرار دیا ہے۔[۹]

محمد عبدالمجید شررؔ، ایڈیٹر "قومی رپورٹ" نے بادشاہ کے انتقال پر "قطراتِ اشک" کے نام سے جو اداریہ لکھا تھا اس ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

" بزرگ خطیب کے ساتھ مدراس میں پیری و زندہ دلی کا خاتمہ ہو گیا۔ بعض لوگ کہتے تھے اور شاید سچ کہتے تھے کہ وہ مدراسیوں کا حالی تھا۔ وہ قوم کی صلاح و فلاح کے لیے اپنی صحت تک سے بے خبر رہتا تھا۔۔۔۔"[۱۰]

بہر حال اپنے دلکش تغزل، فکر انگیز اصلاحی کلام، روح پرور نعتیہ شاعری، فنی پختگی اور دیگر محاسن کلام کی بنا پر بادشاہ نے اپنے عہد کو تو خوب متاثر کیا تھا۔ ان کی قدر و قیمت میں آج بھی کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ علمی، ادبی اور معاشرتی ترقی کے میدانوں میں ان کی بصیرت آج بھی ہمارے لیے مشعلِ راہ ثابت ہو سکتی ہے۔ •

حواشی:

۱ گلزارِ سخن: مرتبہ حکیم سید عقیل علی: مطبوعہ مطبع احمدی مدراس: 1304ھ: ص 4۔
۲ معارفِ بادشاہ: از ابوالعرفان محمد عبدالرحمٰن فاروقی تسلیم مطبع سلطانی۔ مدراس: 1335: ص 5۔
۳ آئینۂ وانمباڑی: مرتبہ خطیب عبدالجمیل: 1970ء: ص 258
۴ دیوانِ بادشاہ: مطبع احمدی: 1309ھ م 1891ء
۵ اور ۶ گلزارِ بادشاہ: 1337ھ م 1919ء
یہ مجموعہ بادشاہ کے انتقال کے بعد ان کے فرزند نے مدحِ پیغمبر الہ اور نعتِ خیر البشر کے ساتھ شائع کیا تھا۔
۷ معارفِ بادشاہ۔ ۸۔ گلزارِ بادشاہ: ص 97
۹ گلزارِ بادشاہ
۱۰ قومی رپورٹ اقتباس مشمولۂ معارفِ بادشاہ: ص 54

تفسیرِ آمری

علامہ الحاج سید شاہ محمد عمر آمر کلیمی حسنی الحسینی چشتی قادری نوری دامت برکاتہم ۔ مدراس

ناظرینِ کرام!
سیدی و مرشدی والدِ ماجد شمس المفسرین حضرت علامہ الحاج سید شاہ محمد عمر آمر کلیمی حسنی الحسینی چشتی القادری نوری دامت برکاتہم کی تفسیر قرآن مجید کا ایک نمونہ حضور پُرنور اعلیٰ حضرت عظیم البرکت قبلہ سید شاہ عثمان پاشاہ قادری، ناظم دار العلوم لطیفیہ، حضرت مکان ویلور، کے حکم کے مطابق آپ حضرات کی موقر خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

رضاء الحق آمری

اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطانِ الرَّجِیم

بیں نکالے ہوئے شیطان سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔

قرآن کھولتے ہی ایک ایسی عبارت زبان پر آجاتی ہے جو دیکھنے کی نہیں بلکہ ماننے کی بات ہے یہ جملہ جو اَعُوذُ سے رَجِیم تک ہے وہ کاغذ پر نہیں ہے۔ پھر بھی اس کو ادا کرنا پڑتا ہے۔ اس میں خیرِ محض اور شرِ محض کا تذکرہ ہے۔ ایک سے واسطہ اور دوسرے سے دوری ضروری ہے۔ ان دونوں کا پہچاننا ایمان پر منحصر ہے۔

مثال: بچّے کو علم کے فضائل کیا معلوم ہوں اور جہل کی برائی کا کیا اندازہ ہو۔ صرف یہ ماننا پڑے گا کہ میں علم کی فضیلت کا دامن تھامتا ہوں اور

جہل کے شر سے دور ہونا چاہتا ہوں۔

اسی طرح بھلائی کو محض دیکھنے سے اس کا اکتساب اور برائی کو صرف دیکھنے سے اس سے اجتناب غیر ممکن ہے بلکہ پہلے مرتبہ میں بھلائی کو بھلائی اور برائی کو برائی ماننے کی ضرورت ہے۔ پھر عمل شروع کردینے کی ضرورت ہے۔

پانی ایک ہی ہے۔ دونوں کام کرتا ہے۔ دیکھو طہارت کو لانا اور نجاست کو دور کرنا یہ دونوں کام اسی سے ہوتے ہیں۔

چراغ ایک ہی چیز بس ہے دو کام کرنے کے لیے۔ روشنی کو لانے اور اندھیرے کو دور کرنے کے لیے۔ دوا ایک ہی چیز ہے دو کام کرتی ہے۔ شفا لاتی ہے اور مرض کو دفع کرتی ہے۔ اسی طرح جو اللہ کا ہوجائے اس کے لیے اللہ بس ہے شیطان سے بچانے کے لیے۔ وہ خدا کی ہدایت بھی پالے گا اور شیطان کی گمراہی سے بھی بچ جائے گا۔

ہر معاملہ خیر کی طرف جو داعیہ یا داعی بلائے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور اس سے جو روکے وہ شیطان کی طرف سے ہے۔

اوامر کے امتثال میں نواہی سے اجتناب ہوجاتا ہے۔ مثلاً سچ بولنے میں جھوٹ چھوٹ جاتا ہے حلال کے حصول سے حرام نکل جاتا ہے۔ عدل کے حصول سے ظلم چھوٹ جاتا ہے۔ خیر کی طرف خدا بلاتا ہے اور شر کی دعوت شیطان دیتا ہے تو خیر کی طرف بڑھو گے تو شر سے پناہ میں رہو گے۔

ہر پناہ کے لیے ایک سبب ہے، ایک ذریعہ ہے اور اس سبب یا ذریعہ سے پناہ ملتی ہے۔ اس عالَمِ اسباب میں ہم کو مصیبت سے کسی نہ کسی سبب سے پناہ ملتی ہے۔ مثلاً پیاس ایک ایسی مصیبت ہے جس کی وجہ سے موت واقع ہوسکتی ہے۔ اس سے بچنے کے لیے پانی کی ضرورت ہے۔ مصیبتِ موت سے نجات پانی کے ذریعہ ملتی ہے اور اطمینان حاصل ہوجاتا ہے۔ پانی پینے والا کہتا ہے کہ:

نَجَوْتُ مِنْ مُصِیْبَۃِ الْمَوْتِ بِالْمَآءِ (میں نے موت کی مصیبت سے پانی کے ذریعہ نجات حاصل کرلی) اسی طرح بھوک ایک ایسی مصیبت ہے جو موت کا سبب بن سکتی ہے تو بھوکا شخص کھانا کھا کر کہتا ہے:

نَجَوْتُ مِنْ مُصِیْبَۃِ الْمَوْتِ بِالطَّعَامِ (میں نے موت کی مصیبت سے کھانے کے ذریعہ نجات پالی) مگر حقیقت بین حضرات کہیں گے کہ یہ بِالْمَآءِ و بِالطَّعَامِ حقیقت میں، بِاللّٰہِ ہے۔ یعنی درحقیقت مصیبت سے بچنے والے نے پانی اور کھانے کے سبب سے مصیبت سے نجات حاصل نہیں کی بلکہ اللہ تعالے نے اس کی حاجت روائی کی اور اسے مصیبت سے بچایا۔ پانی اور کھانے کو پیدا کرنا خدا ہی کا کام ہے۔ وہی ہر شئے کا خالق ہے تو ہماری توجّہ اسباب کی طرف ہونے کی بجائے مسبّب کی طرف ہونی چاہیے۔ جب یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ درحقیقت اللہ ہی ہر مصیبت

سے بچانے والا ہے تو شیطانِ مردود کے مکر و فریب سے بچانا دراصل اسی کا کام ہے۔ یہ صداقت بھی کسی سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔

جس طرح مختلف اسباب کے ذریعہ حق تعالیٰ اپنے بندوں کو مصائب سے بچاتے ہیں، پریشانیوں اور تکالیف سے نجات عطا فرماتے ہیں اسی طرح اربابِ رشد و ہدایت اور خاصانِ خدا کو، مخلوق کو شیطانِ رجیم کی شر انگیزیوں سے اپنی پناہ میں رکھنے کا ذریعہ بھی بناتے ہیں تو مقدّر سے اگر کوئی رہبرِ دین مل جائے تو اسے اپنے حق میں حق تعالیٰ کی نعمتِ غیر مترقبہ تصور کریں۔

اور اسے اللہ کی رسّی
جان کر
مضبوطی سے تھام لیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

بہت مہربان رحمت والے اللہ کے نام سے شروع

اسم، فعل، صفت، ذات یہ مراتبِ اربعہ ہیں جنھیں وصول الی اللہ کے زینے کہا جا سکتا ہے۔

اوّلین مرحلہ اسم کا ہے۔ خدا کے اسمائے حسنیٰ کی معرفت خدا کی ذات سے قریب ہونے کے لیے از حد ضروری ہے۔ پھر اسم سے فعل کی طرف بڑھتے ہیں۔ اور افعالِ خداوندی کی معرفت حاصل کرتے ہیں۔ اسماء کی شناخت افعال کی معرفت کا زینہ بنتی ہے اس کے بعد صفات کی منزل ہے۔ صفات کی معرفت افعال کی معرفت کے لیے لازمی سمجھی گئی ہے۔ پھر عرفانِ ذات کے لیے عرفانِ صفات اوّلین شرط تسلیم کی گئی ہے۔ قرآن نے ابتداء میں اسم کا ذکر کیا ہے۔

قرآن کو خدا کے نام سے شروع کیا گیا ہے۔ اس میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ بندہ کو خود نمائی سے دُور و نفور رہنا چاہیے۔ نام وری کی طلب میں دینی کام انجام دینے سے خدا کا قرب حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ ریا کاری اور حبِّ جاہ ایسی آفت ہے جو طالبِ حق کو منزلِ مقصود تک پہنچنے نہیں دیتی۔ سالک کو چاہیے کہ خدا کے نام کو اپنی نام وری اور شہرت کا ذریعہ نہ بنائے۔ صرف اللہ کے نام کو پیش کرے۔

صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر کسی پر بائے بسم اللہ کا راز منکشف ہو جائے تو وہ اپنے وقت کا بایزید بن جائے۔ کیوں کہ بائے بسم اللہ کے نقطہ میں حقائق و معارف کا ناپیدا کنار سمندر موج زن ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

میں دوہری رحمت کا ذکر ہوا ہے۔ یعنی خدا رحمانیت اور رحیمیت دونوں صفات سے متصف ہے۔

رحیمیت طلب پر طالب کو رحمتوں اور نعمتوں سے

مالا مال کرتی ہے اور رحمانیت غیر طالب کو بھی
محروم دیکھنا پسند نہیں کرتی۔ وہ بے طلب
محتاج کا دامن بھرتی ہے۔

رحمان ورحیم دونوں اسمائے وصفیہ
ہیں۔ اللہ عزّوجل کے یہ دونوں نام ہر لحظہ بندوں
کے کام آتے ہیں۔ اللہ کی رحمانیت و رحیمیت
ہی کی وجہ سے بندوں کے جملہ مسائل حل ہوتے ہیں
ان کی تمام مشکلیں آسان ہوتی ہیں۔ دینی حوائج
ہوں یا دنیاوی مقاصد، ان دو صفتوں کی کرم
فرمائیوں سے بر آتے ہیں۔ لہٰذا خدا کی یہ دونوں
صفات اس کے اسمِ ذات (اللہ) کی طرف بندوں
کی توجہ مبذول کرتی ہیں۔ اور رفتہ رفتہ بندہ اس
کے اسمِ ذات کا ذاکر بن جاتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کی آیت ہمیں
یہ تعلیم دیتی ہے کہ جب بھی کوئی نیک کام شروع
کرو تو رجوع الی اللہ کو ضروری سمجھو اور
اللہ کی طرف متوجّہ ہو جاؤ اور پھر کام کا آغاز
کرو۔ نماز جیسی عبادت میں لوگ آیت توجیہہ
تو زبان سے پڑھ لیتے ہیں اِنِّی وَجَّھْتُ کہہ لیتے ہیں
مگر خدا کی طرف متوجّہ نہیں ہوتے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سب تعریف اللہ رب العالمین کے لیے ہے

ہر شئی کی تعریف حقیقت میں اللہ
ہی کی تعریف ہے۔ مثلاً کوئی شخص گھی کی تعریف
کرے تو وہ تعریف درحقیقت مسکہ کی تعریف
ہوگی۔ کیوں کہ مسکہ نہ ہوتا تو گھی کہاں سے آتا۔ گھی
مسکہ سے بنا ہے۔ لہٰذا گھی کی تعریف مسکہ کی تعریف
ہوئی۔

پھر غور کیجیے تو مسکہ کی تعریف درحقیقت
دہی کی تعریف ہے کیوں کہ دہی سے مسکہ بنا ہے۔
دہی نہ ہوتا تو مسکہ کہاں ہوتا۔ اب عقل سے پوچھیے
کہ دہی کی تعریف کس چیز کی طرف ہے۔ تو عقل
فوراً بول پڑے گی کہ دہی دودھ سے بنتا ہے۔
لہٰذا دہی کی تعریف حقیقت میں دودھ کی تعریف ہے۔
ہر ذی شعور اچھی طرح جانتا ہے کہ دودھ کے لیے
گائے کا وجود لازمی ہے۔ گائے نہ ہوتی تو گائے
کا دودھ کہاں ہوتا۔ تو دودھ کی تعریف نہ ہوئی
بلکہ فی الحقیقت گائے کی تعریف ہوئی۔ اور ذرا
سوچیے کہ گائے کی تعریف کی مستحق کہاں ہے۔
تعریف کا مستحق تو وہ ہے جس نے گائے کو پیدا
فرمایا۔

اس مثال نے یہ بات بخوبی واضح کردی
کہ مخلوقات کی تعریف حقیقت میں ان کے خالق
کی تعریف ہے اور وہی ہر طرح کی حمد وستائش
کا مستحق بھی ہے۔

اس گفتگو سے یہ بات روزِ روشن کی

طرح عیاں ہوگئی کہ بالواسطہ یا بلاواسطہ تعریف خدا ہی کی ہو رہی ہے۔

تعریف اسی کے لیے ہوتی ہے جو واحد ہوتے ہوئے ہژدہ ہزار عالموں کو پال رہا ہے۔ پلنے والے بے شمار ہیں اور پالنے والا ایک ہے۔

حضرت سعدی علیہ الرحمہ نے کیا خوب فرمایا ہے: ؎

اے کریمے کہ از خزانۂ غیب
گبر و ترسا وظیفہ خود داری
دوستاں را کجا کنی محروم
تو کہ با دشمناں نظر داری

(ترجمہ)

اے وہ کریم کہ تو اپنے خزانۂ غیب سے آتش پرستوں اور عیسائیوں کو روزی عطا کر رہا ہے تو اپنے دوستوں کو اپنے جود و کرم سے کہاں محروم کرے گا۔ جب کہ تو اپنے دشمنوں پر بھی (رحمتِ عامّہ) کی نظر رکھتا ہے۔

ایک بچّے کو باپ تو کیا اس کی ماں بھی نہیں پال سکتی۔ ماں اپنے بچّے کو دودھ پلاتی تو ہے، مگر کیا وہ دودھ سینے میں پیدا کر سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ یہ حقیقت ہمیں اس صداقت کو ماننے پر مجبور کرتی ہے کہ ماں کا کام ربوبیت نہیں ہے ربوبیت صرف خدائے لایزال کی خصوصیت ہے جو اٹھارہ ہزار عالموں کا واحد روزی رساں ہے وہی حقیقی پالنے والا ہے۔

پرندوں کو دیکھیے! زمین پر اُن کے دشمن بے شمار موجود رہتے ہیں اور ہر وقت منتظر رہتے ہیں کہ کب کوئی پرندہ ہاتھ لگے گا۔ اس کے باوصف پرندے فضا سے زمین پر اتر آتے ہیں اور اپنے حصّہ کا دانہ چگ کر پھر سے فضا میں اونچا اڑنے لگتے ہیں یہ منظر ہمیں رَبُّ الْعَالَمِیْن کی ربوبیت کو یاد کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ انسان کو سوچنا چاہیے کہ جب وہ پروردگار سانپ اور بچھو جیسے موذی جانوروں کو پال رہا ہے تو اس کی ربوبیت صرف انسانات کے لیے نہیں بلکہ جمیع مخلوقات اس کی ربوبیت کے فیضان سے مالامال ہو رہے ہیں اور ہر مخلوق اس کی ربوبیت کی محتاج ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

کی آیت ہمیں ایک عجیب نکتہ سمجھاتی ہے۔ ہر شخص اس حقیقت سے بخوبی واقف ہے کہ صانع اپنی صنعت کی تعریف چاہتا ہے اور کوئی اس کی مصنوعہ چیز کی تعریف کر دے تو بہت خوش ہوتا ہے۔ اور کاتب اپنی کتابت کی تعریف سننے کے لیے بیتاب رہتا ہے۔ اس مثال سے یہ بات واضح ہوگئی کہ خدا اپنی مخلوق کی تعریف چاہتا ہے جو درحقیقت اس کی خالقیت کی تعریف و توصیف ہے۔ اور خدا کی تمام مخلوق میں سب سے افضل و برتر ذات سیّد المرسلین صلے اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین ہے۔

جن کا نام نامی احمد و محمّد صلے اللہ

علیہ وسلم ہے۔ آپؐ کی تعریف حقیقت میں رب العالمین کی تعریف ہے۔ رحمۃ للعالمین کی جتنی بھی تعریف کی جائے بہت مبارک و مقدس اور مستحسن ہے۔ کیوں کہ رحمۃ للعالمین صلے اللہ علیہ سلم کی مدحت رب العالمین کی حمد و ستائش کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ ؎

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

خدا ربّ ہے ربوبیت اس کا خاصہ ہے اور نبئ رحمت، سرکارِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم رب نہیں ہیں مگر مُربّی ہیں۔ ربّ العالمین نے مخلوق کی تربیت آپؐ کے ذمّہ کردی۔

خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاق اور

قرآن مجید نے آپؐ کے اخلاقِ حمیدہ کی تعریف ان لفظوں میں کی ہے۔ کہ

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم

یقیناً آپؐ عظیم اخلاق پہ فائز ہیں) ربّ العالمین نے آپؐ کو "جن والنس" کا مربّی بنایا۔ خدا نے آپؐ کو ہدایت سے سرفراز فرمایا اور ایک ہادئ کل بنکر مبعوث ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ اوّلین و آخرین نے آپؐ ہی کی رہنمائی اور رہبری کے وسیلہ سے منزلِ مقصود پائی ہے اور پاتے ہیں۔

چناں چہ خدا نے آپؐ کو عالم گیر ہدایت دے کر عالمِ ہست و بود میں بھیجا۔ لہٰذا حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے راستہ کو چھوڑ کر کوئی خدا تک پہنچنا چاہے تو اس کا یہ خواب ہرگز ہرگز شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ اسی حقیقت کی طرف سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس شعر میں اشارہ فرمایا ہے: کہ ؎

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بہ منزل نخواہد رسید

اور علّامہ اقبالؔ علیہ الرحمہ نے بھی اسی سچائی کو اپنے لفظوں میں بیان کیا ہے: ؎

بہ مصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

دیوانِ شاہ خاموش

سید شاہ معین الدین حسینی المعروف بہ شاہ خاموز

کفر کافر کو بھلا، شیخ کو اسلام بھلا
عاشقاں آپ بھلے اپنا دلارام بھلا

ساقیا ایسا پلادے مجھے اک جام بھلا
جس کے پیتے ہی رہوں بےخود و گمنام بھلا

باخبر ہو کے نہیں میری خبر لیتا ہے
قاصدا! یار کو اب کیا لکھوں پیغام بھلا

وصل کی فکر میں ہوں رہتا ہے بس تیرا خیال
شام سے صبح تلک صبح تا شام بھلا

وہ تو باہر نہیں نکلے ہے کبھی پردہ سے
مجھے کو بن دیکھے تو اک دم نہیں آرام بھلا

کارِ دنیا کے میں چھوڑ کے رہنا خاموش
اور کا موس سے بہ بیکاری کا ہے کام بھلا

پیش کش: سید مشتاق پیر قادری متعلم دارالعلوم

ارمغانِ نعت

سلطان العارفین شمس المفسرین علامہ سید شاہ محمد عمر آمر کلیمی حسنی الحسینی چشتی القادری نوری

کسے بولوں کہ حالت کیا بنی ہے یارسول اللہ
ہر اک ساعت مری اب کچھ نئی ہے یارسول اللہ

کسی سے بات کرنا کیا کسی کے ساتھ رہنا کیا
تمہیں سے رات دن اب لو لگی ہے یارسول اللہ

نگاہیں ڈھونڈتی ہیں آپؐ کو ہر سمت عالم میں
مری اب ٹکٹکی یوں ہی بندھی ہے یارسول اللہ

سکونِ دل کہیں بھی آج تک پایا نہیں میں نے
ادائے خلق اب تو دیکھ لی ہے یارسول اللہ

جہاں سے ہاتھ دھو کر گزاری رات رو رو کر
عجب درد و الم ہے بے کلی ہے یارسول اللہ

ملے جس کو ہو تمؐ اس کو یقیناً مل گیا سب کچھ
خدا اور خلق ساری مل گئی ہے یارسول اللہ

بلا لو سوئے طیبہ اب کہاں تک ہند میں ٹھہروں
مدینہ علم کا تمؐ، درعلیؓ ہے یارسول اللہ

خدا نے مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ جب ہے فرمایا
خدا کا فعل خود فعلِ نبیؐ ہے یارسول اللہ

یدُ اللہ کو خدا نے خود کہا ہے فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ
خدا کا ہاتھ ہی دستِ نبیؐ ہے یارسول اللہ

جہاں تک یہ خدائی ہے وہاں تک مصطفائی ہے
جدھر دیکھوں خدا ہے اور نبیؐ ہے یارسول اللہ

مرے نوری پیا آمرؔ تو تجھ میں حق کو پاتا ہے
نبیؐ ہے اور علیؓ ہے اور ولی ہے یارسول اللہ

رسمِ بسم اللہ خوانی کی شرعی حیثیت

ادارہ

بتاریخ 2؍ مئی 1997ء مطابق ۵؍ محرم الحرام سنہ ۱۴۱۸ھ روز دو شنبہ حضرت مولانا سید شاہ ھلال احمد قادری شطاری، نائب ناظم دارالعلوم لطیفیہ کی دوسری صاحب زادی سیدہ عزیز النساء بیگم عرف شہزادی سلمہا کی مکتب و بسم اللہ خوانی کی تقریب منعقد ہوئی جس میں خانوادۂ حضرت قطب ویلور کے رشتہ دار و اقارب، مریدین و متوسلین، علماء و مشائخ، روساء و عمائدین، دارالعلوم لطیفیہ کے اساتذۂ کرام و طلباءِ عزیز اور مقامی و بیرونی حضرات شریک رہے اس موقع پر مولوی حافظ ابو النعمان بشیر الحق ایم اے، استاذِ دارالعلوم لطیفیہ نے بسم اللہ خوانی کی رسم اور طریقہ سے متعلق اظہارِ خیال فرمایا۔ صاحبِ موصوف کی تحریر افادۂ عام کے خیال سے ناظرینِ ''اللطیف'' کی خدمت میں پیش ہے۔

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم!

معزز حضرات!!

میرے لیے بسم اللہ خوانی کی تقریب میں شرکت کا یہ کوئی نیا اور پہلا موقع نہیں ہے۔ اس قسم کی مجلسوں اور تقریبوں میں نہ صرف شریک ہوا ہوں بلکہ متعدد مرتبہ مجھے خود بچوں کی مکتب اور بسم اللہ خوانی کی

شروعات کرانے کا موقعہ ملا ہے۔ لیکن اس تقریب سے پہلے کبھی یہ خیال نہیں آیا کہ رسمِ بسم اللہ کی حقیقت اور مقصد کیا ہے؟ اور اس کے تعلق سے کیا شرعی تصریحات ہیں؟

یہ پہلی تقریب ہے جس میں اس خیال کے ساتھ حاضر ہوا ہوں کہ بسم اللہ خوانی کی شرعی حیثیت کے بارے میں لوگوں کے سامنے کچھ باتیں عرض کروں۔ اسی ارادہ کے تحت ایک مختصر سی تحریر لیے ہوئے آپ حضرات کی خدمت میں حاضر ہوں۔ اور آپ کے گوش گزار کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ وباللہ التوفیق وھو یھدی سبیل الرشاد۔

محترم حضرات!

ہندوستانی مسلمانوں میں بسم اللہ خوانی اور مکتب کی رسم اور عادت سے متعلق اظہارِ خیال سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک اصولی بحث پیش کی جائے تاکہ اس کی روشنی میں مکتب اور بسم اللہ خوانی کی شرعی حیثیت معلوم ہو سکے

ہمیشہ یہ حقیقت ہمارے پیشِ نظر رہنا چاہیے کہ نبیٔ کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد ہر نئے فعل اور عمل اور ہر مقام کی عادت وعرف اور رواج کی شرعی حیثیت کتاب و سنّت ہی سے متعین ہوگی۔ جو بھی فعل وعمل، رسم وعادت اور رواج شریعتِ مطہرہ سے متصادم اور مخالف ہو یا جس سے کسی حلال کی حرمت اور کسی حرام کی حلت لازم آتی ہو وہ ناقابلِ قبول اور متروک سمجھا جائے گا۔ البتہ جو چیزیں شریعت کی روح سے مناسبت رکھتی ہیں اور امت کی فلاح وبہبودی میں معاون ومددگار ہیں اور دین میں اصلاحِ معاش ومعاد کے لیے ضروری ہیں تو ان کو قبول کرنے میں کوئی شرعی قباحت لازم نہیں آتی اور ہر چیز اپنی اصلیت کے لحاظ سے اباحت کا درجہ رکھتی ہے۔ جب تک کہ اس کے اندر کوئی فساد اور برائی شامل نہ ہو جائے۔ چنانچہ فقہ کا اصول اور ضابطہ ہے: الاصل فی الاشیاء الاباحۃ۔

اسی نقطۂ نظر سے بدعت، عادت عرف اور رواج کا جائزہ لینا چاہیے۔ کسی نئے فعل اور عمل کا معرضِ وجود میں آجانا یہ کسی زمانے اور عہد کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ وہ تو قیامت تک غیر محدود ہے۔ ایسی صورت میں ہر نئے فعل وعمل کے تعلق سے جمہور فقہاء کا موقف اختیار کرنا چاہیے، جن کے نزدیک ہر وہ عمل قابلِ قبول ہے جس میں خیر وبھلائی کا پہلو موجود ہے۔ اور ہر وہ عمل چھوڑ دینے کے قابل ہے جس میں شر وبرائی کا عنصر موجود ہے۔

علامہ جزری "النھایہ" میں فرماتے ہیں:-

البدعۃ بدعتان بدعۃ ھدی وبدعۃ ضلالۃ فما کان فی خلاف

ما امراللہ بہ ورسولہ فھو حین الذم وما کان واقعاً تحت عموم ما ندب اللہ الیہ وحض علیہ ورسولہ فھو حین المدح

بدعت دو ہیں ایک بدعتِ حسنہ دوسری بدعتِ سیئہ۔ اللہ اور اس کے رسول نے جو حکم دیا ہے اس کے خلاف جو بھی نیا عمل اور فعل ہوگا وہ مذموم و مردود اور نا قابلِ قبول ہوگا اور جس چیز کی طرف اللہ اور اس کے رسول نے دعوت دی اور اس کی جانب رغبت دلائی اس عموم میں جو بھی نیا فعل اور عمل ہوگا وہ قابلِ قبول ہوگا اور مدح کے مقام میں ہوگا۔

کسی کے ذہن میں یہ اشکال پیدا ہو سکتا ہے کہ جب نئے فعل اور عمل یعنی بدعت میں خیر و بھلائی کا عنصر بھی موجود ہے تو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ہر بدعت کو گم راہ کیوں کہا ؟

اس کا مفصل و مدلل جواب مجددِ جنوب حضرت قطب ؒ ویلور کی زبانِ مبارک سے سنئے جو انھوں نے اپنی فارسی تصنیف "فصل الخطاب" میں پیش کیا ہے :

حدیث کل بدعۃ ضلالۃ و کل ضلالۃ فی النار عام مخصوص البعض است و تخصیصِ عمومات بادلہ شرعیہ یا عقلیہ در شرع شریف مشہور و در کتبِ اصول مفصلاً مذکور است۔

پس معنئ حدیثِ مذکور کل بدعۃ سیئۃ ضلالۃ بود و مخصص وے است حدیث من سن فی الاسلام وحدیث من احدث فی امرنا وحدیث من ابتدع بدعۃ ضلالۃ و در حدیثِ اول امر مستحدث را حسن ہم فرمودند و در حدیثِ ثانی مردود بودن بدعت بقید مالیس منہ محضور د۔ پس مذموم و مردود ہمیں بدعت ضلالت باشد نہ نفس بدعت

کل بدعۃ ضلالۃ کی حدیث عام ہے۔ جس میں سے بعض مستثنیٰ ہیں۔ اور ان عمومات میں استثناء دلیلِ شرعیہ یا عقلیہ کے ذریعہ سے ہے جو شریعتِ مطہرہ میں مشہور ہے اور اصول کی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔ لہٰذا مذکورہ حدیث یعنی ہر بدعت گمراہی ہے کا معنی و مفہوم یہ ہوگا کہ ہر وہ بدعت جو سئیہ ہے وہی گم راہی اور ضلالت ہے اور اس میں استثناء کرنی والی حدیثیں یہ ہیں :

۱۔ من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ فلہ اجرھا واجر من عمل بھا من غیر ان ینقص من اجورھم شیئ ومن سن فی الاسلام سنۃ سئیۃ کان علیہ وزرھا و وزر من عمل بھا من غیر ان ینقص من اوزارھم شیئ۔

جو شخص اسلام میں کوئی مفید طریقہ جاری کرے گا اس کو اس کا ثواب ملے گا اور ان لوگوں کا ثواب بھی اُسے ملے گا جو اس پر عمل کریں گے ۔ بغیر اس کے کہ ان کے ثواب میں کوئی کمی ہو اور جو شخص دین میں کوئی مضر طریقہ جاری کرے گا اس پر اس کا گناہ ہوگا اور ان لوگوں کا گناہ بھی اس پر ہوگا جو اس پر عمل کریں گے بغیر اس کے کہ ان کے عذاب میں کوئی کمی ہو۔

(۲) من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رد ۔

جو شخص ہمارے دین میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کرے جو دین میں نہیں ہے ، وہ نا قابلِ قبول اور متروک سمجھی جائے گی ۔

(۳) من ابتدع بدعة ضلالة لا یرضاها الله ورسوله ۔

جس کسی نے بھی بدعتِ ضلالت جاری کی اس سے اللہ اور رسول ﷺ ناخوش ہوں گے ۔

پہلی حدیث میں امرِ مستحدث (نئی پیدا کردہ چیز) کو احسن قرار دیا گیا ہے اور دوسری حدیث میں بدعت کا گم راہ ہونا ما لیس منه کی قید کے ساتھ مقید ہے ۔ اور تیسری حدیث میں بدعت کی اضافت گمراہی کی طرف کی گئی ہے ۔ لہذا وہی فعل اور عمل نا قابلِ قبول سمجھا جائے گا جو گم راہی کا سبب بن رہا ہو نہ کہ ہر کوئی نیا فعل اور عمل ۔

کل بدعة ضلالة سے متعلق

حضرت قطب ویلوری کی مذکورہ تفصیل کے بعد شارحِ مسلم امام نووی کی تصریح بھی ملاحظہ کیجیے : کل بدعة ضلالة عام مخصوص والمراد غالب البدع ۔ ہر بدعت گم راہی ہے ۔ یہ حدیث عام مخصوص ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ اکثر بدعات گم راہی کا باعث ہیں ۔

حاصل کلام !

ہر نئے فعل اور عمل سے متعلق یہی موقف درست اور صحیح معلوم ہوتا ہے کہ جو بھی امرِ مستحدث یعنی نئی پیدا کردہ چیز اگر وہ کسی خرابی اور فساد کا سبب نہ بن رہی ہو تو اس کو گم راہ نہ سمجھا جائے اور اگر وہ کسی خرابی اور فساد کا سبب بن رہی ہو اور شریعتِ مطہرہ کے قواعد سے متصادم ہو تو اس کو گم راہ سمجھا جائے اور اس کو قبول نہ کیا جائے ۔

بدعت کے علاوہ ایک اور چیز یہ دیکھنا ہے کہ لوگوں میں جو فعل اور عمل رواج پکڑ گیا ہے اور اسے عقل اور طبائع سلیمہ نے قبول کر لیا ہے تو یہ عرف اور عادت ہے ۔ چناں چہ بعض فقہا کے نزدیک عرف اور عادت دونوں ایک ہی چیز ہے ۔ علامہ نسفی حنفی ، علامہ ابن عابدین علامہ رمادی اور علامہ ابن نجیم اس کے قائل ہیں

اسلام میں عرف وعادات کا اعتبار ہے۔ اس کی حجیت پر کتاب وسنت اور اجماع وقیاس سے استدلال کیا گیا ہے۔

صاحب کتاب "الاشباہ والنظائر" کا بیان ہے کہ: اعلم ان اعتبار العادۃ والعرف ترجع الیہ فی الفقہ فی مسائل کثیرۃ حتی جعلوا ذلک اصلا خامسا۔

جان لیجیے!

فقہ میں بہت سے مسائل میں عرف وعادت کا اعتبار کیا جاتا ہے اور عادت کی جانب رجوع ہونا پڑتا ہے۔ یہاں تک کہ فقہائے کتاب وسنت اور اجماع وقیاس یہ چار اصول دین کے ساتھ عادات کو پانچویں اصل گردانا ہے۔

اس مقام پر عرف وعادت کے بارے میں قرآن وحدیث اور اجماع وقیاس کی مختصر سی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے۔

اللہ تعالٰی کا فرمان ہے:

خذ العفو وامر بالمعروف واعرض عن الجاھلین (الاعراف)

عفوودرگزر کی عادت بنا لیجیے اور نیک کام کرنے کا حکم دیجیے اور جاہلوں سے اعراض وکنارہ کشی اختیار کیجیے۔

اس آیت طیبہ میں لوگوں کو عرف یعنی مستحسن وپسندیدہ چیز کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں

ماراہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن: جس کام کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے پاس بھی اچھا ہے۔

امام شاطبی نے اجماعِ علماء سے یہ استدلال کیا ہے، شریعتِ اسلامیہ کی آمد لوگوں کے مصالح کی رعایت کے لیے ہوئی ہے اس لیے لوگوں کے رواج اور عادات کی رعایت بھی ضروری ہے کہ ان کی رعایت سے مصالح کی تکمیل ہوتی ہے۔ قبل از اسلام چلے آرہے بعض عرف ورواج کو شریعت میں برقرار رکھا گیا۔ جیسے بیع سلم، عرایا، مضاربت وغیرہ اسلام کے زیر سایہ جو عرف برقرار رہ سکتا تھا شریعت نے اُسے باقی رکھا اور جو اسلامی اصولوں سے متعارض تھا جیسے سود اور غرر کے معاملات۔ انھیں شریعت نے کالعدم کر دیا۔ (مجلۂ بحث ونظر: شمارہ ۳۷)

اس تفصیل سے یہ حقیقت نمایاں ہوگئی کہ رسوم وعادات اور رواج کے اندر مستحسن پہلو اور مفید عنصر شامل ہو تو ان کے قبول کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔ ہاں اگر کوئی عرف وعادت اور رسم ورواج قواعدِ شریعت سے متصادم ہو جائے تو اس کو چھوڑ دینا چاہیے۔ جیسا کہ

علامہ ابن نجیم نے "البصائر حاشیۃ الاشتباہ والنظائر" میں لکھا ہے: المراد بالعرف عرف المؤمنین مالم یخالف قواعد الشرع فان خالف فلا اعتبار بہ اصلاً۔

عادت اور عرف سے مؤمنین کا عرف مراد ہے جو شرعی قواعد کے مخالف نہ ہو۔ اگر مخالف ہوگا تو عرف کا اصلاً اعتبار نہ ہوگا۔

معزز حضرات!

آمدم بر سر مطلب! مذکورہ اصولی و فقہی اور علمی بحث و گفتگو سے آپ کافی حد تک سمجھ چکے ہوں گے کہ رسم بسم اللہ کی حیثیت کیا ہے!

زندگی کے مختلف مراحل اور مواقع پر منعقد ہونے والی تقریبات میں سے ایک بسم اللہ خوانی کی تقریب ہے۔ اور اس کے انعقاد کی غرض وغایت صرف یہی ہوتی ہے کہ بچوں کی تعلیم کی ابتدا بسم اللہ سے کی جائے تاکہ اُن کے دینی و دنیاوی تعلیم حسن وخوبی اور کمالیت و جامعیت کے ساتھ مکمل ہوسکے۔ نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے۔

کل امر ذی بال لم یبدأ فیہ بسم اللہ فھو اقطع: ہر وہ کام جس کی شروعات بسم اللہ سے نہ کی جائے وہ نا مکمل اورا دھورا رہ جائے گا۔

اسلام میں علم کی جو اہمیت وعظمت اور وقعت ہے وہ کوئی ڈھکی چھپی اور مستور بات نہیں ہے۔ قرآنِ کریم کا آغاز ہی علم وقلم کے ذکر سے ہوا ہے اور قلم ہی وہ واسطہ اور ذریعہ ہے جو انسانی تہذیب و تمدّن، علم و فن اور دین و مذہب کا محافظ ہے۔ اسی لیے پیغمبر آخر الزماں سیدنا محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم نے ہر مسلمان مرد اور عورت پر حصول علم کو لازم قرار دیا۔ طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم ومسلمۃ اور یہاں تک فرمایا اطلبوا العلم من المھد الی اللحد الکلمۃ الحکمۃ ضالۃ المؤمن اینما وجد فھو احق بھا۔ مہد سے لحد اور گود سے گور تک علم سیکھتے رہو اور یہ نعمت جہاں کہیں ملے اس کو حاصل کر کے رہو۔

اس دولتِ عظیمہ اور نعمتِ عظمیٰ کے حاصل کرنے کا نقطۂ آغاز بسم اللہ خوانی اور مکتب سے ہے۔ بسم اللہ خوانی کا یہ مروجہ طریقہ اور رواج کب اور کہاں سے شروع ہوا۔ اس کی وضاحت تو مشکل ہے۔ اس کے ذکر سے صحابۂ کرامؓ اور حضرات تابعینؒ اور اُن کے قریبی دور کی تاریخ خاموش ہے اس باب میں قرینِ قیاس بات یہ کہی جاسکتی ہے کہ بچے جب عمر کے چوتھے اور پانچویں سال میں قدم رکھتے ہیں تو عام طور پر اسی دور میں

ان کی تعلیم و تربیت کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ اسی لیے بزرگوں نے یہ طریقہ جاری کیا ہو کہ بچّوں کی تعلیم کی ابتدا بسم اللہ اور کلامِ الٰہی کی اولین آیات اقراء باسم ربک الذی خلق کی تلاوت سے کی جائے تاکہ اس حسنِ عمل کی برکت و تاثیر سے بچّہ علم و ادب اور حسنِ اخلاق سے آراستہ ہوجائے۔ آں حضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادتِ شریفہ بھی تھی جب بچّے بولنے لگتے تو آپؐ سورۂ فرقان کی ابتدائی دو آیات زبانی یاد دلایا کرتے تھے۔ اور شریعت کا حکم یہ بھی ہے کہ بچّہ دنیا میں آتے ہی سب سے پہلے ان کے کان میں اذان اور اقامت کے کلمات کہہ دیں۔

نیک اور صالح آدمی کے ذریعہ نومولود کے کان میں اذان و اقامت کہنے کلمات کہنے اور کھجور چبوا کر بچّے کے تالو میں لگواتے اور اس کے لیے خیر و برکت کی دعا کرانے کا ثبوت عہدِ نبویؐ سے ملتا ہے۔ چناں چہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا فرماتی ہیں:

نبیٔ کریم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے پاس بچّے لائے جاتے تھے اور آپؐ تحنیک[1] فرماتے اور اُن کے حق میں خیر و برکت کی دُعا فرماتے۔ (مسلم)

حضرت اسماء رضی اللہ تعالےٰ عنہا فرماتی ہیں: عبداللہ بن زبیر پیدا ہوئے تو میں نے اُن کو نبیٔ کریم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے گود میں دیا۔ آپ نے خرما منگوایا اور چبا کر لعابِ مبارک عبداللہ بن زبیر کے منہ میں لگا دیا، خرما ان کے تالو میں ملا اور ان کے حق میں خیر و برکت کی دُعا فرمائی۔

احمد ابن حنبلؒ کے یہاں بچّے کی پیدائش ہوی تو آپ نے ایک نیک خاتون حضرت ام علی سے تحنیک کی درخواست کی اور بچّہ کی تحنیک کے لیے مکۂ مکرمہ کی کھجور منگوائی جو آپ کے گھر میں موجود تھی۔

ظاہر ہے کہ نومولود کے کان میں اذان و اقامت کہنے اور تحنیک اور دُعا کرانے اور بچّہ بولنے لگتے ہی سورۂ فرقان کی اولیں آیتیں ازبر و حفظ کرانے کا مقصد بجز اس کے اور کیا ہوسکتا ہے کہ بچّہ ان کلماتِ طیبات کی تاثیر اور صالح شخص کی تحنیک و دُعا کی برکت سے پھلے پھولے اور دینِ قیم پر قائم رہ سکے۔

بسم اللہ خوانی کی عادت و رسم چار سال، چار مہینے چار دن اور دن کے چوتھے پہر ادا کی جاتی ہے۔ جس میں بچّے کی تعلیم کی شروعات کسی نیک و صالح بزرگ سے کی جاتی ہے۔ اس

---

[1] کھجور وغیرہ کو چبا کر خوب نرم کے بچّے کے تالو میں لگانے کو تحنیک کہتے ہیں۔

کے بعد تقسیم شیرنی، دعا، ضیافت اور مصافحہ و مبارکبادی کے ساتھ مکمل ہو جاتی ہے۔ اور یہ رسم جن امور اور اشغال پر مشتمل ہے وہ اصل کے اعتبار سے مستحسن اور مباح ہیں۔ تاہم سال، ماہ، یوم اور وقت کی تخصیص کی عرفی اور عقلی توجیہہ پیش کرنے سے راقم الحروف عاجز ہے

حاصل کلام!

بسم اللہ خوانی کا تعلق بھی عادت و عرف اور رواج سے ہے اور اس کا حکم بھی وہی ہے جو دوسرے عرف و عادت اور رواج کا ہے اور جب کبھی عرف و عادت اور رواج و بدعت حسنہ اپنے اندر ایسے امور کو سمو لے جو قواعد شریعت سے متصادم ہو جائے اس کا اعتبار نہ ہوگا بلکہ وہ ترک کرنے کے قابل ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

آج کی یہ تقریب جس میں محب محترم حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد صاحب قادری شطاری دام اقبالہٗ کی دوسری صاحب زادی عزیزۃ النساء بیگم عرف شاہزادی کی بسم اللہ خوانی حضرت مولانا سید شاہ عثمان پاشاہ قادری عرف فصیح پاشاہ صاحب ایم۔اے؛ دامت برکاتہم ناظم دارالعلوم لطیفیہ کی زبانِ مبارک سے ہو رہی ہے۔

اس پُر مسرت موقعہ پر خانوادۂ عالیہ کے تمام حضرات و خواتین کی خدمت میں ہدیہ تبریک پیش کرتے ہوئے بارگاہِ ایزدی میں دست بہ دعا ہوں کہ اللہ تعالےٰ شاہزادی سلمہا کو علم کی دولت سے سرفراز فرمائے اور ایک مثالی خاتونِ اسلام بنائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

صد ۱۵۵ کا بقیہ

اس بندہ میں اپنے نور ذاتی کا ظہور کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اس پر اسم ربّ کا نزول ہوتا ہے تو جب اسم رب کا ظہور ہوتا ہے تو اس پر ان اسماء کا بھی ظہور ہوتا ہے جو اسم رب کے تحت ہیں مثلاً علیم قدیر اور اس کی مثل۔ یہاں تک کہ اس پر اسم ملک کی تجلّی ہوتی ہے۔ تو جب اس تجلّی کو قبول کرنے کی استعداد اس میں ہو جاتی ہے۔ باقی اسماء کی تجلیات ایک ایک کرکے پورے کمال کے ساتھ اس پر ظاہر ہوتی ہیں۔ اور آخر میں اسمِ قیوم کی تجلّی اس پر ظاہر ہوتی ہے تو جب اللہ نے اس کو قوی کر دیا اور حق اپنے اسم قیوم کی تجلّی کے ساتھ اس پر ظاہر ہوا تو اب وہ تجلیات اسماء سے تجلیات صفات کی طرف منتقل ہوا (اس کے بعد کے فائدہ میں تجلّیات صفات کا بیان ہے۔)

•••

○ تعارف روحانی علاج ـ ہومیو پیتھی

ڈاکٹر زکریا ۔ بی ایس سی، ڈی ایچ ایم، راڈر ہومیو کلینک ۔ ابرکامپلکس، گاندھی روڈ ۔ وسیلور ۔

ہومیو پیتھی ایک جدید اور مکمل طریقۂ علاج ہے ۔ اس طریقہ کو "علاج بالمثل" بھی کہتے ہیں دراصل الوپیتھی کی سراسر ناکامیوں کو دیکھتے ہوئے الوپیتھی ہی کے ایک "جرمن" ڈاکٹر "ہنی مین" نے ہومیو پیتھی کے اصول مرتب کیے ۔ یہ اصول حقائق پہ مبنی ہیں ۔ آج دنیا بھر میں ہومیو پیتھی مقبول عام ہوگئی ہے ۔ اس کی پیدائش کو صرف دوسو 200 سال ہی ہوئے ہیں ۔

ہومیو پیتھک علاج کی حمایت

سرسید احمد خان جیسی بزرگ ہستی نے 1867ء یعنی آج سے 130 سال پہلے بنارس شہر میں "ہومیو پیتھک ڈسپنسری اینڈ ہاسپٹل" کھولا تھا ۔ ان کے خیال میں ہومیو پیتھک علاج کے طریقہ سے کوئی بہتر طریقۂ علاج عمدہ اور بے خطر نہیں ہے ۔ "پاپونیر" کے پرچے مورخہ 4 دسمبر 1867ء میں اس شفاخانہ کی نسبت یہ چھپا تھا کہ "پہلے ہی مہینے میں پانچ سو سولہ (516) بیمار معالجہ کے لیے آئے تھے ۔ حالاں کہ اس سے پہلے کوئی اس طریقۂ علاج سے مطلق واقف نہ تھا ۔"

سرسید نے ہر طریقہ سے جو ان کے اختیار میں تھا لوگوں کو اس کی طرف توجہ دلائی ۔

17 دسمبر 1867ء کو سرسید نے ایک طول طویل لکچر ہومیو پیتھی طبابت کی تاریخ اور اس کے اصول پر اور اس بات پہ کہ یہ طریقۂ علاج تمام طریقوں سے زیادہ مفید اور بے خطر ہے ۔ کمیٹی کے عام جلسہ میں دیا ۔

1868ء میں ایک رسالہ ہیضہ کے علاج پر بموجب اصول ہومیو پیتھک کے لکھا ۔ یہ لکچر اور یہ رسالہ سوسائٹی اخبار کی جلدوں میں چھپا ہوا موجود ہے ۔

ہنی مین 1755 - 1843ء

ڈاکٹر سیمول کرسچین ہنی مین کی پیدائش جرمنی کے ایک قصبے (MESSEIN) مسئین میں 10 اپریل 1755ء کو ہوئی ۔ غربت کی وجہ

سے ہنی مین کو اپنے والد کے ساتھ چینی کے برتنوں پہ نقش ونگاری اور رنگ سازی کے کام میں بچپن ہی سے جُٹا رہنا پڑا اور کڑی محنت سے اپنی ابتدائی تعلیم مکمل کرلی اور ساتھ ہی مختلف زبانوں پر بھی عبور حاصل کرلیا۔ جن میں عربی، انگریزی، جرمن یونانی، عبرانی، اطالوی، لاطینی، اسپینی اور سیریانی بھی شامل ہیں۔

کم عمری ہی میں ان تمام زبانوں میں مہارت حاصل کرنے کی وجہ سے آگے چل کر ایک بہترین مترجم ثابت ہوئے۔

ان کی ذہانت اور محنت سے متاثر ہوکر یونیورسٹی کے ایک پروفیسر ان کی مزید تعلیم کے لئے اسکالرشپ کا انتظام کیا۔ جس کی بدولت 1775ء میں طبّی یونیورسٹی میں داخلہ حاصل کیا۔ اس کے بعد 1777ء میں وی ینّا یونیورسٹی میں داخل ہوکر 24 سال کی عمر میں ڈاکٹر آف میڈیسن (M.D) کی ڈگری ایرلنجن ERLENGEN یونیورسٹی سے حاصل کرلی۔ 1784ء میں ڈاکٹر آف کیمسٹری کی ڈگری بھی حاصل کرلی۔ پس وہ ایک قابل ڈاکٹر ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ایک اعلیٰ درجے کے دوا ساز، ماہرِ علمِ معدنیات اور ماہرِ نباتات بھی تھے۔

تصنیفات

ہنی مین اپنی زندگی میں کیمیا۔ chemist اور طب پر 70 ذاتی تصنیفات اور دوسرے 24 مصنفوں کی تصانیف کو فرانسیسی، لاطینی اور جرمن زبانوں میں ترجمے کئے ہیں۔ یہ سب الوپیتھی طریقۂ علاج سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ 116 ضخیم کتابیں اور 120 پرچوں کے مصنف بھی ہیں اور یہ سب ایک نئے طبّی فلسفے ہومیوپیتھی سے تعلق رکھتے ہیں۔

انتقال

88 سال کی عمر میں 2 رجولائی 1843ء میں ہنی مین کا پُرسکون انتقال ہوا اور ان کو مانٹ مارٹے قبرستان میں دفنایا گیا۔ مگر ۱۸۹۹ء میں یعنی 56 سال بعد ان کے جسد خاکی کو پیرس کے پری لاچز کے قبرستان میں منتقل کیا گیا۔ ان کی قبر پہ ایک کتبہ نصب ہے جس پہ یہ الفاظ لکھے ہیں:

"میری زندگی رائیگاں نہیں ہوئی"

ڈاکٹر بننے کے بعد ہنی مین اپنے پیشہ سے مطمئن نہیں تھے۔ ان کے مشاہدہ کے مطابق الوپیتھک طریقۂ علاج میں بیماری کا ازالہ ہونے کی بجائے بیماری جسم کے اندر مزید گہرائی میں داخل ہونے لگتی ہے جس کے سبب مرض پیچیدہ اور لاعلاج ہوتا جاتا ہے۔ اس قسم کے علاج سے مایوس ہوکر اپنا ڈاکٹری پیشہ ترک کرکے یونیورسٹی میں مترجم کا کام کرنے لگے۔ اس دوران ہنی مین کی نظروں سے ایک مقالہ گزرا جس میں لکھا تھا کہ سنکونا درخت کی چھال استعمال کرنے کی وجہ سے ملیریا بخار ہوتا

ہے۔ یہ عجیب بات تھی۔ کیوں کہ ہنی مین جانتے تھے کہ کونین دوائی جو سنکونا درخت کی چھال سے بنتی ہے ملیریا بخار درست کرنے میں کام آتی ہے ہنی مین نے خود پر تجربہ کرنے کا فیصلہ کیا اور عرق سنکونہ استعمال کرنے لگے تو ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب ان کو جاڑا بخار۔ بالکل ملیریا جیسا نمودار ہوگیا یہ بخار بذریعہ مچھر پھیلتا ہے مگر یہاں تو صرف دوا کے استعمال سے آگیا تھا۔ یہ بڑی دل چسپ بات تھی اور یہیں سے ایک نئی طبی فلسفہ کی ایجاد ہوتی ہے۔ جس کی بناء پر ایک نئے طریقۂ علاج ہومیو پیتھی کی بنیاد وجود میں آئی۔

ہنی مین اور اس کے ساتھی ڈاکٹر میوان سے متفق تھے مزید تجربات کا سلسلہ جاری رکھا جس کی بدولت یہ بات واضح طور پر سامنے آگئی کہ ”وہی دوا جو مرض کی علامت پیدا کر سکتی ہے، اس مرض کا ازالہ کر سکتی ہے“

ہنی مین خود اپنی ذات پر 99 ادویات استعمال کر کے ان کے مکمل خواص دریافت کئے ہیں 1796ء قانونِ ہومیو پیتھی کا بنیادی اصول سمیلیا سمی لی بس کیوراں ٹر Similia Similibus Curantur یعنی بالمثل کا اصول ایک طبی رسالہ میں شائع کر دیا۔

اپنے خصوصی طریقۂ علاج ہومیو پیتھی کے تمام اصول مرتب کرنے کے بعد ہنی مین نے اس طریقۂ علاج کو رائج کیا تو الوپیتھک طریقہ علاج والوں کی طرف سے ان کا مذاق اڑا گیا اور ان کو باغی کا لقب دیا گیا۔ جب ہومیو پیتھی کی خوبیاں ظاہر ہونے لگیں تو طبی پیشہ لوگ مسلسل ان کی مخالفت کرتے رہے مگر ہنی مین ان سب کا جواب بڑی مستعدی سے دیتے رہے مگر جب حالات بگڑنے لگے تو ہنی مین لی پیزگ چھوڑ کر کوتھن چلے گئے اور پھر وہاں سے پیرس چلے گئے۔ جہاں ان کے لیے حالات بہت ساز گار ثابت ہوئے۔

فلسفہ ہومیو پیتھی

ہنی مین نے ہومیو پیتھی کے مختلف پہلوؤں پر ہر زاویہ سے تحقیقات کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے آخر کار 1810ء ہومیو پیتھی اصولوں کو سمجھانے والی کتاب آرگانن ORGANAN کو عوام کے سامنے پیش کیا۔

اس کتاب میں تین اہم اصولوں پر مفصل بحث کی گئی ہے۔

۱۔ بیماری یا اس کی علامات، شفایاب ہونے کے لیے دوا کا بالمثل ہونا لازمی ہے۔

۲۔ دوا کی مقدار گھٹانے سے دوا کی طاقت میں اضافہ ہوتا ہے۔

۳۔ ہر انسان کے اندر ایک ”قوتِ حیات“ ہوتی ہے۔ اس کے اندر چھوٹی سی ہلچل جسم کے اندر علامات یا بیماری پیدا کرتی ہے۔

ہنی مین بالکل حقیقت پسند تھے اور وہ

مادہ پرستی کے بالکل مخالف تھے۔ ان کے فلسفیانہ تخیل میں یہ بات بالکل ناقابلِ قبول معلوم ہوتی تھی کہ مرض کی تشخیص اور اس کے علاج کے لیے تجربہ گاہ کی تحقیقاتی نتائج کسی بھی قسم سے مددگار ثابت ہوں گے۔ آج اس حقیقت کو ہر کوئی آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔

بقول ہنی مین" انسان کا وجود تین (3) چیزوں سے ہوتا ہے۔

1۔ روح : جو حقیقی انسان ہے۔

2۔ جسم : جو روح کے لیے مکان (رہائش گاہ) ہے

3۔ قوتِ حیات : یہ ایک نمائندہ AGENT ہے جو روح اور مادی جسم کے بیچ تعلق پیدا کرتی ہے۔ تاکہ روح اپنے مقررہ وقت تک اس خاکی لبادہ میں محفوظ رہ سکے۔ بیماری کی حالت میں سب سے پہلے یہ قوتِ حیات ہی متاثر ہوتی ہے۔ اس کے بعد ہی اعضاء کے افعال اور پھر ان کے اشکال میں تبدیلیاں آتی ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ بیماری ایک ایسا متحرک سبب ہے جو قوتِ حیات کو متاثر کر سکتا ہے۔ یہ متحرک اسباب اکثر ذہنی کیفیت "جذبات" اخلاقی گراوٹ انفرادی ہو یا قومی، منسلک ہوتی ہے۔

نام نہاد اسباب جیسے جراثیم وغیرہ جسم پر اسی وقت اثر انداز ہوتے ہیں۔ جب کہ قوتِ حیات کم زور ہو چکی ہو اور اس کی قوتِ مدافعت ماند پڑ چکی ہو۔ جسم ایک مادی شئے ہے اور قوتِ حیات ایک غیر مادی طاقت ہے جو صحت کی حالت میں تمام جسم پر حاوی رہتی ہے اور جسم کے تمام اعضاء کے افعال اور احساسات کے درمیان ایک قابلِ رشک ربط قائم کرتی ہے۔ تاکہ جسم کے اندر محفوظ روح ہمارے اعلیٰ وارفع مقصدِ حیات کو پورا کرنے کے لیے آزادی کے ساتھ اس صحت مند جسم کا استعمال کر سکے۔ ہمارا مادی جسم اگر قوتِ حیات نہ ہو تو تمام حسّیات تمام حرکات وسکنات اور ذاتی تحفظ سے محروم ہو جاتا ہے۔ قوتِ حیات کم زور ہونے کے بعد ہی تمام مضر اثرات اپنا عمل شروع کرتے ہیں۔ اور جسمانی اعضاء میں غیر فطری عمل پیدا کرتے ہیں اور جسم کی بیمار حالت مختلف اعضاء میں علامات کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔

غیر مادی طاقت یعنی قوتِ حیات کے وجود میں جب کوئی ہلچل پیدا ہوتی ہے تو بیماری کی ایجاد ہوتی ہے اور ہمیشہ بیماری صرف علامات کی شکل میں محسوس کی جاتی ہے۔

جب قوتِ حیات جیسی غیر مادی شئے ہی بیماری کا مخزن ہے تو دوا بھی ایسی ہی غیر مادی ہونی چاہیے تاکہ وہ قوتِ حیات میں داخل ہو کر بیماری کو نکال سکے۔ اسی لیے مادی دوا کے بجائے دوا کی غیر مادی طاقت کا استعمال ہونا چاہیے مکمل شفاء کی قابلیت رکھنے والی یہ طاقت ہر

دوا میں اس کی انفرادیت اور مخصوص پہچان کے ساتھ اس میں موجود ہوتی ہے۔

ہومیوپیتھک طریقۂ علاج میں اسی قوت کا استعمال ہوتا ہے۔ جب تک قوت حیات کے اندر پیدا شدہ ہیجان کو اعتدال پر نہیں لایا جاتا بیماری کا ہرگز علاج نہیں ہوسکتا۔

قانونِ ہومیوپیتھی

۱۔ وہ دوا جو ایک صحت مند شخص کے اندر بیماری کی علامات پیدا کرسکتی ہے، اس بیماری کو وہی دوا درست کرسکتی ہے۔

2 دوا کی مقدار کم سے کم ہونی چاہیے

3 بیک وقت صرف ایک ہی دوا کا استعمال ہونا چاہیے۔

یہ تین بنیادی اصول ہیں۔ ہومیوپیتھک علاج ان میں سے ایک بھی اصول رد کرنے سے ہومیوپیتھی باقی نہیں رہتی۔ تینوں اہم اور ضروری اصول ہیں۔

پہلا اصول بالمثل کی تشریح کرتا ہے ایلوپیتھی اور دیگر طریقۂ علاج کو علاج بالضد کہا جاتا ہے۔ بیماری کا جو سبب ہے اس کی ضد دوا دی جاتی ہے۔ مخالف دوائیاں بیماری کو دبائے رکھتی ہیں۔ اور بالمثل دوائیاں ابھار کر بیماری کو نکال باہر کرتی ہیں۔ اور بیماری کا ازالہ ہوجاتا ہے۔

دوسرا اصول دوا کی کم سے کم مقدار کی وکالت کرتا ہے۔ تجربات کے تحت یہ پتا چلا ہے کہ کسی بھی ادویاتی شئے کے اندر چھپی ہوئی شفا کی خصوصیات اسی وقت کارآمد ثابت ہوتی ہیں۔ جب اس کی مادی شکل کو گھٹا کر آٹمی (ذرّہ) شکل میں لایا جاتا ہے۔ یعنی حقیقت میں دوا کی آٹمی طاقت ہی شفا پہنچانے کے لیے لازمی ہے۔ اس سے ہٹ کر اگر دوا کی مادی مقدار دی جائے تو بے سود ثابت ہوگی۔ اگر دوا ملی گرام، گرام یا c.c کے حساب سے استعمال کی جائے تو بجائے فائدہ پہنچانے کے دوا کے مضر اثرات نئی بیماری کی شکل میں ظاہر ہونے لگتے ہیں۔

تیسرا اصول یہ ظاہر کرتا ہے کہ بیماری کا اصل سبب تو ایک ہی ہے مگر اس کے اثرات مختلف اعضاء میں مختلف علامات کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں ان مجموعی علامات کی رہبری میں اس اصل سبب تک پہنچ سکتے ہیں۔ اس کے لیے ایک ایسی دوا کا انتخاب کرنا چاہیے جو اُن مجموعی علامات کو درست کرسکے۔ جب یہ علامات درست ہوجائیں گے تو سبب بھی درست ہوجائے گا۔

علاج کیسے ہوتا ہے!

بالمثل دوا جو مجموعی علامات کی مناسبت سے منتخب کی گئی ہو جیسے ہی مریض

کے جسم میں داخل ہوتی ہے۔ فوراً مرض کو جہاں اور جس حالت میں ہے وہیں روک دیتی ہے۔ یہی اس کا پہلا کام ہے۔

اس کے بعد بیماری کو پیچھے کی طرف لوٹاتی ہے۔ یہ علاج کا دوسرا مرحلہ ہے۔ ایک مقررہ اصول کے تحت بالمثل دوا مرض کا علاج جسم کے اوپری حصّہ کی طرف اندرونی اعضاء سے بیرونی اعضاء کی طرف، زیادہ اہمیت والے اعضاء کم اہمیت والے اعضاء کی طرف، علامات اپنے ظاہر ہونے کی ترتیب سے الٹے درست ہونے لگتے ہیں۔ جو علامت سب سے پہلے ظاہر ہوئی تھی وہ سب سے آخر میں درست ہوگی۔ اور جو علامت سب سے پہلے میں ظاہر ہوئی تھی وہی سب سے پہلے درست ہوگی۔

یہ علاج کا اہم اصول ہے علامات کا غائب ہونا ہرگز ہرگز علاج نہیں ہے۔ مذکورہ بالا اصول کے تحت درست ہونا ہی صحیح علاج ہے۔

ہومیوپیتھی میں تمام امراض کا علاج ممکن ہے۔ یہ ہینی مین کا دعوٰی ہے۔ کیوں کہ یہاں علاج روح جیسی غیرمادی طاقت یعنی قوت حیات ہی کیا جاتا ہے۔

مرض کہنہ ہونے کے ساتھ ساتھ قوتِ حیات کمزور ہوتی جاتی ہے۔ اور اس کے اندر موجود بیماری پہ قابو پانے کی صلاحیت اگر ختم ہوجائے تو پھر شفا ایک ناممکن بات ہے اس لیے علاج میں تاخیر کرنا یا بالضد علاج کرنا قوتِ حیات کے لیے مضر ہے اور مرض لا علاج ہوتا جاتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے جس کا مشاہدہ ہم ہر روز کرتے ہیں۔

گذارشِ عام

جب سچ آپ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے تو اس سے منہ مت پھیرئیے۔ یہ گمراہی ہے مادی جسم کا علاج اسی وقت ممکن ہے۔ جب روح صحت مند ہوجاتی ہے۔ اور یہ کام ہومیوپیتھی ہی کے احاطہ میں ہے۔ آزما کے دیکھیے۔

گذارشِ خاص

ہومیوپیتھی کو عام بنانے اور عوام کو اس سے روشناس کرانے کے لیے ہومیوپیتھی کی جو بے شمار کتابیں انگریزی زبان میں شائع ہوچکی ہیں ان کا ترجمہ اردو زبان میں ہونا ضروری ہے۔ مال دار طبقہ اگر اس طرف متوجہ ہوجائے تو یہ قوم اور ملّت کے لیے بہت فائدہ مند ثابت ہوگا۔ اس کے علاوہ ہومیوپیتھک کالج کا قائم کرنا بھی اشد ضروری ہے۔

زندگی

سیّد سراج الدّین منیرؔ حیدرآبادی

تجھ سے کس نے کہا زندگی جواب ہے بادۂ ناب ہے سِحرِ آواز ہے
پیکرِ خاک میں جوہرِ زندگی، برق و سیماب ہے، ذوقِ پرواز ہے

تُو اسیرِ طلسماتِ شام و سحر فطرتِ زندگی سے نہیں باخبر
فطرتِ زندگی زندگی کی قسم، فطرتِ شیر و شاہین و شہباز ہے

زندگی جلوہ گر نُور میں نار میں، رزم و پیکار میں تیغ و تلوار میں
تونے دیکھا کہاں؛ جلوۂ زندگی جستجو ہے، تگ و تاز ہے

اے شہیدِ غم، جلوۂ زندگی، زندگی کی لہو سے ہے تابندگی
سرخیٔ خوں سے رنگیں ہے، دشتِ وفا خونِ دل حرفِ انجام و آغاز ہے

اے طلب گارِ فیضانِ نُورِ قدمِ رکھ شہادت گہہ زندگی میں قدم
زندگی کر نثارِ رُخِ زندگی عظمتِ زندگی کا یہی راز ہے

موت کیا ہے جلالِ رُخِ زندگی، موت کیا ہے عناصر کی آسودگی
موت سے ڈرنے والو خدا را سنو، موت بھی زندگی کا اک انداز ہے

زندگی رزم بھی، زندگی بزم بھی، بربط و چنگ بھی نغمہ و جنگ بھی
کوئی آتش بجاں، سربکف، تیغ زن کوئی آسودۂ نغمہ و ساز ہے

زندگی راکبِ مرکبِ دوجہاں، زندگی عزمِ تسخیرِ کون و مکاں
زندگی ہے حریفِ مہ و مشتری، زندگی زندگی کا ہی اعجاز ہے

زندگی پرتوِ جلوۂ معتبر، زندگی مظہرِ نورِ خیر البشرؐ
زندگی سے منیرؔ آپ واقف نہیں زندگی جلوۂ حق کی غمّاز ہے

نعتِ شریف

منیرؔ القادری لطیفی، ریسرچ اسکالر، شعبہ اردو، ایس۔ وی۔ یونیورسٹی۔ تروپتی (اے۔ پی)

بہاریں دین کی پھیلائے ہے گلشن محمدؐ کا
بڑا ہی پُر فضا ہے دیکھیے آنگن محمدؐ کا

ملے گا اس کو کیوں چین اور سکون اس بزمِ عالم میں
بھٹکتا ہے بھٹکتا ہی رہے دشمن محمدؐ کا

ہے قرباں رحمتِ حق سادگی پر آپؐ کے گھر کی
ہے سونے سے زیادہ قیمتی برتن محمدؐ کا

جواب اس کا مثال اس کی کہاں شاہی محل ہوں گے
بہت سادہ ہے اعلیٰ ہے مگر مسکن محمدؐ کا

دل و جاں سے فدا تھی حسنِ یوسفؑ پر بجا لیکن
زلیخا نے کہاں دیکھا رُخِ روشن محمدؐ کا

بڑے ہی مطمئن ہم اُمتی ہیں شاہِ بطحیٰؐ کے
سرِ محشر ہمارے سر پہ ہے دامن محمدؐ کا

نہ چھیڑو تذکرہ شانِ لباسِ بادشاہی کا
ہمارے سامنے ہے پاک پیراہن محمدؐ کا

منیرؔ اس کا مقدّر خوب ہے جس نے اُسے پایا
بڑا ہی رحمتوں والا ہے یہ دامن محمدؐ کا

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

سیدّ تنویر الزماں ۔ ویلور (تمل ناڈو) متعلم دار العلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور

فَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

جب تم قرآن پڑھو تو اللہ کے دشمن شیطان سے پناہ مانگو۔

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ قرآن شروع کرتے وقت اعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم کہو۔

آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان پر اعوذ سے زیادہ سخت اور دشوار شئے کوئی نہیں۔

اعوذ کے معنی اللہ تعالےٰ سے پناہ مانگنا، خلاصی پانا اور اللہ کی طرف رجوع کرنا

شیطان کے معنی شیطان، شطن سے نکلا ہے ۔ شطن وہ رسّی ہے جو لمبی اور کانپنے والی ہوتی ہے ۔ اور شطن کے معنی دوری کے بھی ہیں ۔ مراد یہ کہ شیطان نیکی سے دور ہو گیا اور بدی میں دراز ہو گیا ۔

شیطان آسمان سے لعنت کے ساتھ راندہ گیا ۔ یہ سزا اس لیے دی گئی کہ اس نے حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کو سجدہ نہیں کیا اور اللہ کے حکم سے نافرمانی کی ۔ جب شیطان نے نافرمانی کا جرم کیا تو فرشتوں نے اسے نیزے مارے اور آسمانوں سے زمین پر پھینک دیا ۔ اور وہ رہتی دنیا تک ملعون قرار پایا ۔

چناں چہ قرآن کریم میں کئی مقامات پر تخلیق آدمؑ اور نافرمانی شیطان کا ذکر موجود ہے ۔ جس کی تفصیل سورۃ الحجر میں اس طرح ہے :

"اور یاد کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا : کہ میں آدمی کو بنانے والا ہوں ۔ بجتی مٹی سے جو بدبودار سیاہ گارے سے ہے تو جب میں اسے ٹھیک کرلوں اور اس میں اپنی طرف کی خاص روح پھونک دوں تو اس کے لیے سجدے میں گر پڑنا تو جتنے فرشتے تھے سب کے سب سجدے میں گرے ۔ سوائے ابلیس

تجھے کیا ہوا کہ سجدہ کرنے والوں سے الگ رہا۔
بولا: مجھے زیبا نہیں کہ بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے بجتی مٹی سے بنایا جو سیاہ بدبودار گارے سے تھی۔ فرمایا: تو جنت سے نکل جا کہ تو مردود ہے۔ اور بے شک قیامت تک تجھ پر لعنت ہے
بولا: اے میرے رب تو مجھے مہلت دے اس دن تک کہ وہ اٹھائے جائیں۔ فرمایا تو اُن میں ہے جن کو اس معلوم وقت کے دن تک مہلت ہے۔ بولا: اے رب میرے! قسم اس کی کہ تو نے مجھے گم راہ کیا۔ میں انھیں زمین میں بھلاوے دوں گا اور ضرور میں ان سب کو بے راہ کروں گا۔ مگر جو ان میں تیرے چُنے ہوئے بندے ہیں۔"

اللہ تعالٰے نے نبی کریمؐ اور آپؐ کی اُمّت کو حکم دیا کہ تم مردود شیطان سے پناہ مانگو ہر مومن کو گم راہ کرنے کے لیے شیطان روزانہ تین سو ساٹھ کا لشکر بھیجتا ہے۔ مگر جب وہ بندہ اللہ سے پناہ مانگتا ہے تو اللہ تعالٰے تین سو ساٹھ مرتبہ اس بندے کے دل کی طرف دیکھتا ہے اور ہر نظر میں شیطان کے ایک ایک لشکر کو ہلاک کر دیتا ہے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب شیطان کو علم ہو جاتا ہے کہ فلاں شخص سچّا ہے، میرا دشمن ہے تو نا امید ہو کر اس کو چھوڑ دیتا ہے۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہٗ رات میں آرام فرما رہے تھے۔ جب فجر کا وقت شروع ہوا تو شیطان نے آپؓ کو نماز سے غافل کر دیا اور آپؓ میٹھی نیند سو گئے۔ جب اٹھے تو فجر کا وقت ختم ہو چکا تھا۔ آپ نے وہ سارا دن توبہ و استغفار و عبادت میں گزار دیا۔ (دوسرے دن توبہ و استغفار و عبادت میں گزار دیا۔)

دوسرے دن جب فجر کا وقت ہوا تو حضرت معاویہؓ کو خود شیطان اٹھانے لگا۔ حضرت معاویہؓ اٹھے اور پوچھنے لگے کہ تم کون ہو؟ یہ سن کر کہنے لگا میں شیطان ہوں یہ سن کر حضرتؓ کو بڑا تعجب ہوا۔ کہنے لگے تیرا کام تو سلانا تھا لیکن تو نے مجھے جگا دیا۔ یہ سن کر شیطان کہنے لگا: کل میں نے آپؓ کو بہت دیر سلا دیا اور نمازِ فجر قضا کرا دی۔ تو آپؓ نے سارا دن عبادت میں گزار دیا۔ جس کی وجہ سے خدائے تعالٰے آپؓ سے خوش ہو کر آپؓ کے حق میں بہت زیادہ ثواب لکھ دیا، جو ایک فرض نماز کے اجر و ثواب سے کہیں زیادہ تھا۔ اس لیے آپؓ کو سلانے سے بہتر یہی ہے کہ اٹھا دیا جائے تاکہ آپؓ کو صرف فجر کا ثواب ملے۔

آں حضرت صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ کے حق میں فرمایا: کہ اے عمرؓ! شیطان بھی تمہارے سائے سے

بھاگتا ہے۔ نیز فرمایا: کہ تم جس جنگل میں پہنچتے ہو وہاں سے شیطان بھاگ کر دوسرے جنگل میں چلا جاتا ہے۔

سات شیاطین

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی روایت ہے کہ ایک رات چند صحابہ کرامؓ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کرتے ہوئے آئے اسی اثنا میں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی آ پہنچے تو آپؐ کے چہرے پر موتیوں کی طرح پسینہ نظر آرہا تھا۔ جیسے بخار آرہا ہو۔ آپؐ نے تین مرتبہ پیشانی سے پسینہ صاف کیا اور فرمایا کہ اس ملعون پر خدا کی لعنت ہو۔ پھر سرِ مبارک جھکا لیا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ نے پوچھا: یا رسول اللہؐ! آپ کس پر لعنت بھیج رہے ہیں؟

آپؐ نے جواب دیا! شیطان لعین پر دشمن خدا پر، اس مردود نے اپنی دم کو اپنی مقعد داخل کیا اور سات انڈے دیے ان سے اس کے سات بچے پیدا ہوئے۔ پھر ان میں سے ہر بچہ آدم علیہ السلام کی اولاد کو گمراہ کرنے پر مامور ہوا۔

ایک کا نام (مدحش) ہے جو علماء کو ہوا و ہوس اور حرص کی ترغیب دینے پر مقرر ہے۔

دوسرے کا نام حدیث ہے جو نمازیوں کو نماز سے غافل کرنے اور کھیل کود میں مشغول کرنے پر مقرر ہے۔

تیسرے شیطان کا نام ذلنبون ہے جس کے سپرد بازاروں کا انتظام ہے اور یہ رات دن بازاروں میں رہتا ہے اور لوگوں کو کم تولنے اور کم ناپنے کی ترغیب دیتا ہے۔

چوتھے شیطان کا نام بترؔ ہے جو مصیبت کے وقت لوگوں کو اپنے گریبان پھاڑنے اور واویلا مچانے کی ترغیب دلاتا ہے۔ تاکہ صبر کرنے سے جو ثواب ملے گا اس سے وہ محروم رہے۔

پانچویں شیطان کا نام منشوط ہے۔ یہ لوگوں کو جھوٹ بولنے، چغلی کھانے، طعن و تشنع کرنے اور اسی قسم کے دوسرے گناہوں کی ترغیب دیتا ہے۔

چھٹے شیطان کا نام واسم ہے جو مرد کے ذکر اور عورت کی سرین میں پھونک مارتا ہے۔ تاکہ یہ زنا کریں۔

ساتویں شیطان کا نام اعور ہے جو چوری کرنا سکھاتا ہے۔ چور سے کہتا ہے کہ چوری کرنے سے تمہارا فاقہ دور ہوگا، تمہارا قرض ادا ہوگا، کپڑے پہن سکو گے۔ چوری کرنے کے بعد توبہ کر لینا۔

(ماخوذ از غنیۃ الطالبین: ص: ۲۱۷)

رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ولہان نام کا ایک شیطان وضو پر مقرر ہے۔ اس سے بھی پناہ مانگو۔ آپؐ نے فرمایا کہ نماز کے وقت صف میں ایک دوسرے کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر کھڑا ہو جاؤ کیوں کہ درمیان میں جگہ خالی ہو تو شیطان بکری کے بچّے کے مانند اس میں گھس جاتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر شخص کے ساتھ ایک شیطان لگا ہے۔ بی بی عائشہؓ نے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا آپؐ کے ساتھ بھی؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں! مگر اللہ نے مجھے اس شیطان پر غلبہ کیا ہے اور میں اس کے شر اور فتنہ سے محفوظ و مامون ہوں

مقاتل کا کہنا ہے کہ شیطان خنزیر کی شکل میں انسان کے دل سے چمٹا ہوا رہتا ہے اور خون کی طرح اس کی رگوں میں دوڑتا رہتا ہے۔ خدا نے اسے انسان پر مقرر کر رکھا ہے۔ پس اللہ تعالےٰ کے اس قول:

یُوَسْوِسُ فِی صُدُوْرِ النَّاسِ

انسانوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے۔

جب انسان اللہ کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے تو اس کے دل میں وسوسہ ڈال دیتا ہے۔ رفتہ رفتہ اس کے دل پر مکمل قبضہ جما لیتا ہے۔ جب انسان اللہ کو یاد کرتا ہے تو شیطان اس کے بدن سے نکل جاتا ہے۔

ابلیس شیطانوں کا سردار ہے اور وہ انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے۔ وہ اور اس کے چیلے انسان کو گمراہ کرنے کے لیے ہر دم کمربستہ رہتے ہیں۔

روزانہ عصر کے وقت ابلیس کا تخت بچھتا ہے اور اس کے ارد گرد تمام شیاطین جمع ہوتے ہیں اور اپنے اپنے دن بھر کی کارروائی ابلیس کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ کی بات ہے کہ تمام شیاطین اپنے اپنے کارنامے سنانے کے لیے ابلیس کے دربار میں جمع تھے۔ ان میں سے ایک شیطان نے کہا کہ میں نے اتنے لوگوں کو بہکایا اور اُن سے حرام فعل کروایا۔ دوسرا شیطان کہنے لگا کہ میں دو نو بھائیوں کو آپس میں لڑا دیا۔ اسی طرح ہر شیطان نے اپنی اپنی کارگزاری سنائی۔

ابلیس نے سب کی باتیں سُنیں۔ اور خاموش رہا۔ کسی کو کسی بات پر شاباشی نہیں دی۔۔ پھر آخر میں ایک شیطان نے کہا کہ آج میں نے فلاں طالب علم کو بہکا کر پڑھنے سے روک دیا۔ اتنا سننا ہی تھا کہ ابلیس خوشی سے اپنے تخت سے نیچے اُتر آیا اور اس کو اپنے گلے سے لگا لیا اور کہا کہ تو نے جو کیا ہے وہ قابلِ تعریف ہے۔ دوسرے شیاطین اس منظر کو دیکھ کر جل بھن گئے اور ابلیس سے

ہم لوگوں نے اتنے بڑے بڑے کام کئے۔ لیکن ہماری کچھ تعریف نہیں اور اس نے ایک لڑکے کو پڑھنے سے روک دیا تو اس معمولی کام پہ شاباشی کے قابل ہو گیا۔

ابلیس نے کہا کہ تمہیں معلوم نہیں تم لوگوں کے سارے کام اسی شیطان کی بدولت انجام پا رہے ہیں۔ اگر یہ انسان کو علم سے باز نہیں رکھتا تو تم لوگ انسان کو ہرگز بہکا نہیں پاتے۔

ابلیس نے ان سے پوچھا: اچھا وہ جگہ بتاؤ جہاں سب سے بڑا عابد رہتا ہے؟

شیاطین نے ایک مقام کا نام لیا۔

ابلیس صبح سویرے آفتاب نکلنے سے پہلے اپنے تمام شیاطین کو لیے ہوئے اس مقام پہ پہنچا۔ اور ایک انسان کی شکل میں راستہ پہ کھڑا ہو گیا۔ عابد صاحب تہجد کی نماز کے بعد فجر کی نماز کے لیے مسجد کی طرف جا رہے تھے ابلیس راستے میں کھڑا ہی تھا۔ دیکھ کر کہا: السلام علیکم!

عابد نے جواب دیا: وعلیکم السلام!

ابلیس: حضرت مجھے آپ سے ایک مسئلہ پوچھنا ہے۔

عابد: جلد پوچھو مجھے نماز کے لیے جانا ہے۔

ابلیس نے اپنی جیب سے ایک چھوٹی سی شیشی نکالتا ہے اور دکھا کر کہتا ہے: حضرت کیا اللہ تعالیٰ اس بات کی قدرت رکھتا ہے کہ اس چھوٹی سی شیشی میں آسمان و زمین داخل کر دے؟

عابد: کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر کہا: کہاں یہ زمین و آسمان اور کہاں یہ چھوٹی سی شیشی بھلا کیسے ممکن ہے۔

ابلیس نے کہا: بس حضرت مجھے اتنا ہی پوچھنا تھا۔ اب آپ تشریف لے جائیں

شیاطین کھڑے ہوئے یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔ ابلیس نے ان سے کہا: تم نے دیکھا ہیں نے اس کی ساری عبادت ملیا میٹ کر دی۔ یہ عابد اپنی بے علمی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی قدرت ہی کا انکار کر بیٹھا۔ خدا کی قدرت پر اس کا ایمان مضبوط نہیں ہے۔ اب اس کی عبادت کس کام کی

پھر ابلیس آگے بڑھا۔ سورج نکلنے میں کچھ دیر تھی۔ ایک عالم صاحب تیز تیز چلتے ہوئے نماز ادا کرنے مسجد کی طرف جا رہے تھے۔ ابلیس ان کے سامنے آ پہنچا اور کہا: السلام علیکم!

عالم: وعلیکم السلام!

ابلیس: مجھے آپ سے ایک مسئلہ پوچھنا ہے۔

عالم: جلدی سے پوچھیے نماز کا وقت بہت ہی کم رہ گیا ہے۔

ابلیس: حضرت اللہ تعالیٰ اس پہ قادر ہے کہ آسمان و زمین (وہی چھوٹی سی شیشی دکھا کر) اس چھوٹی سی شیشی میں جمع کر دے۔

(بقیہ صفحہ 187 پر دیکھیے۔)

جنّت اور دوزخ کی حقیقت

سیّد قادر بادشاہ کنڈے پلّی (کرناٹکا) متعلم دارالعلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور

عمل سے زندگی بنتی ہے جنّت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

اہل سنّت والجماعت کا اعتقاد ہے کہ دوزخ اور بہشت دونوں مخلوق ہیں اور دونوں گھر ہیں۔ ایک کو اللہ نے اہلِ ایمان کے لیے بنایا ہے اور دوسرے کو کفّار اور مشرکین کے لیے یہ دونوں ازل سے ابد تک ہیں۔ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے:

عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

بہشت جس کی وسعت زمین و آسمان کے برابر ہے۔ یہ ہیز گاروں کے لیے بنائی گئی ہے[۱]۔ اس کے متعلق ہر صاحبِ عقل یقین کر لیتا ہے کہ وہ موجود ہے۔ چناں چہ اس بیان سے ثابت ہے کہ یہ دونوں چیزیں جنّت اور دوزخ مخلوق ہیں اور موجود ہیں۔ وہ کون مسلمان ہوگا جو جنّت میں جانے کی تمنّا نہ رکھتا ہو۔ جس کے دل میں یہ جذبہ اور خواہش نہ ہو کہ جنّت کی ابدی اور سرمدی نعمتوں سے لطف اندوز ہو۔ جنّت ہر مسلمان کی مرکزِ نگاہ اور مرکزِ توجّہ ہے۔ جنّت ہر مسلمان کی آخری خواہش ہے۔ جنّت ہر مسلمان کا مطلوب و مقصود ہے۔

آخر جنّت میں وہ کیا چیز ہے کہ ہر مسلمان اُسے حاصل کرنے کے لیے بے چین و بے تاب رہتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہٗ روایت کرتے ہیں۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: جنّت کس چیز سے بنائی گئی ہے؟ آپؐ نے فرمایا: اس کی اینٹیں سونے اور چاندی کی ہیں۔ اور خوش بودار مشک کا گارہ ہے۔ یاقوت اور مروارید اس کے سنگ ریزے ہیں۔ زعفران اور ورس کی طرح اس کی زمین خوش بودار ہے۔ اس جنّت کی وسعت اور چوڑائی کو سورۂ حدید میں یوں بیان کیا گیا ہے:

سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ

[۲] جہنم [illegible] اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لیے بنائی گئی ہے۔

وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۔

(ترجمہ) بڑھ کر چلو اپنے رب کی بخشش اور اس جنّت کی طرف جس کی چوڑائی جیسے آسمان اور زمین کا پھیلاؤ تیار ہوی ہے اُن کے لیے جو اللہ اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لائے (کنزالایمان)

بہشت میں داخل ہونے والا اس میں ہمیشہ رہے گا۔ کبھی نہیں مرے گا۔ اس میں خوش رہے گا۔ کبھی کسی مصیبت میں نہ پڑے گا نہ اس کے کپڑے پرانے ہوں گے نہ جوانی میں کمی آے گی۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے نیک فرماں بردار بندوں کے لیے جنّت میں ایسی ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں کہ:

لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ ۔

قرآنِ کریم میں ایک مقام پہ جنّت کا دلنواز نقشہ اور اس کا دل فریب ماحول ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ پارہ: ۲۶

(کنزالایمان)

ترجمہ: احوال اس جنّت کا وعدہ پرہیزگاروں سے ہے۔ اس میں ایسے پانی کی نہریں ہیں جو کبھی نہ بگڑے اور ایسے دودھ کی نہریں ہیں جس کا مزہ نہ بدلا اور ایسی شراب کی نہریں ہیں جس کے پینے میں لذّت ہی لذّت ہے اور ایسی شہد کی نہریں ہیں جو صاف کی گئی ہو۔ اور ان کے لیے اس میں ہر قسم کے پھل ہیں اور اپنے رب سے مغفرت کیا ایسے چین والے ان کی برابر ہو جائیں گی۔ جنھیں ہمیشہ آگ میں رہنا اور انھیں کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا کہ آنتوں کے ٹکڑے کر دے۔

تشریح:۔

یعنی ایسا لطیف کہ نہ سڑے نہ اس سے بدبو بدلے نہ اس کے ذائقہ میں فرق آئے بخلاف دنیا کے دودھ کے کہ خراب ہو جاتے ہیں۔ خالص لذّت ہی لذّت نہ دنیا کی شرابوں کی طرح اس کا ذائقہ خراب ہو نہ اس میں میل کچیل نہ خراب چیزوں کی آمیزش نہ وہ سڑ کر بنی نہ اس کے پینے سے عقل زائل ہو نہ سر چکرائے

نہ خمار آئے نہ دردِ سر پیدا ہو ۔ یہ سب آفتیں دنیا ہی کی شراب میں ہیں ۔ وہاں کی شراب ان سب عیوب سے پاک نہایت لذیذ، مفرح خوش گوار بیدا الٹس میں یعنی صاف آمیزش ہوتی ہے کہ وہ رب ان پر احسان فرماتا ہے اوران سے راضی ہے اوران پر سے تمام تکلیفی احکام اٹھا لیے گئے ہیں ۔ جو چاہیں کھائیں ، جتنا چاہیں کھائیں نہ حساب نہ عقاب ۔

نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا نہ کسی کے دل میں ان کا خیال گزرا ہے ۔ جنت میں ایک درخت ہے جس کا نام شجرۂ طوبیٰ ہے ۔ اس کا سایہ ، اتنا طویل وعریض ہے کہ چلنے والا سو سال تک چلتا رہے تب بھی سایہ ختم نہ ہوگا ۔ جنت میں جانے والے ہمیشہ ناز ونعمت میں رہیں گے ۔ نہ انھیں کبھی محتاجگی گھیرے گی نہ ان کے کپڑے پرانے ہوں گے نہ ان کی جوانی فنا ہوگی ۔ ادنیٰ جنتی کا بھی یہ حال ہوگا ۔

اللہ تعالیٰ اس سے ارشاد فرمائے گا تمنا کر وہ تمنا کرے گا ۔ اللہ تعالیٰ اس کی آرزو کو پورا کرے گا ۔ اسی طرح اس سے بار بار تمنا کرنے کے لیے کہا جائے گا ۔ جب اس کی تمناؤں کا سلسلہ ختم ہو جائے گا اللہ تعالیٰ فرمائے گا : تم کو میں نے وہ سب دیا جس کی تمنا تم نے کی ۔

آتشِ جہنم کی ہولناکیاں :

طبرانی نے اوسط میں روایت کی ہے کہ : ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ایسے وقت تشریف لائے کہ اس وقت میں اس سے قبل کسی وقت میں نہیں آئے تھے ۔ حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے فرمایا : جبرئیلؑ کیا بات ہے کہ میں تم کو متغیّر دیکھ رہا ہوں ۔ جبرئیل نے عرض کیا : میں اس وقت آپؐ کے پاس آیا ہوں جب کہ اللہ تعالےٰ نے جہنم کو دہکا دینے کا حکم دیا ہے آپؐ نے فرمایا : جبرئیلؑ ! مجھے اس آگ یا جہنم کے بارے میں بتلاؤ :

جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اللہ تعالےٰ نے جہنم کو حکم دیا اور اس میں ایک ہزار سال تک آگ دہکائی گئی یہاں تک کہ وہ سفید ہو گئی پھر اسے ہزار سال تک مزید بھڑکانے کا حکم یہاں تک کہ وہ سرخ ہو گئی ۔ پھر اسے حکمِ خداوندی سے ہزار سال تک اور بھڑکایا گیا وہ بالکل سیاہ ہو گئی اب وہ سیاہ اور تاریک ہے نہ اس میں چنگاری روشن ہوتی ہے اور نہ ہی اس کا بھڑکنا ختم ہوتا ہے اور نہ اس کے شعلے بجھتے ہیں ۔

اس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو نبیٔ برحق بنا کر مبعوث فرمایا :

اگر سوئی کے ناکے کے برابر بھی جہنم کو کھول دیا جائے تو تمام اہلِ زمین فنا ہو جائیں

اور قسم ہے اس ذات کی جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ۔ اگر جہنم کے فرشتوں میں سے ایک فرشتہ دنیا والوں پر ظاہر ہو جائے تو زمین کی تمام مخلوق اس کی بدصورتی اور بدبو کی وجہ سے ہلاک ہو جائے ۔

اور قسم ہے اس ذات کی جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا : اگر جہنم کی زنجیروں کا ایک حلقہ جس کا اللہ تعالےٰ نے قرآن میں ذکر کیا ہے ، دنیا کے پہاڑوں پر رکھ دیا جائے تو وہ ریزہ ریزہ ہو جائیں اور وہ حلقہ تحت الثریٰ میں جا ٹھہرے ۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا :

بس جبرئیلؑ بس ! اتنا تذکرہ ہی کافی ہے ۔ میرے لیے یہ بات انتہائی پریشان کن ہے ۔

راوی کہتے ہیں کہ تب حضور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے جبرئیل امینؑ کو دیکھا کہ وہ رو رہے ہیں ۔ آپؐ نے فرمایا : جبرئیلؑ تم کیوں روتے ہو ؟ حالاں کہ تمہارا تو اللہ کے ہاں بہت بڑا مقام ہے ۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا : میں کیوں نہ روؤں ! میں ہی رونے کا زیادہ حق دار ہوں ، کیا خبر علم خدا میں میرا اس مقام کے علاوہ کوئی اور مقام ہو ۔ کیا خبر مجھے کہیں ابلیس کی طرح نہ آزمایا جائے ۔ وہ بھی تو فرشتوں میں رہتا تھا ۔ اور کیا خبر مجھے ہاروت ماروت کی طرح آزمائش میں نہ ڈال دیا جائے ۔

تب حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور جبرئیل علیہ السلام دونوں اشک بار ہو گئے اور یہ اشک باری برابر جاری رہی یہاں تک کہ آواز آئی :

اے جبرئیلؑ ! اے محمدؐ ! اللہ تعالےٰ تم دونوں کو اپنی نافرمانی سے محفوظ کر لیا ہے ۔ بس اس کے بعد جبرئیل علیہ السلام آسمانوں کی طرف پرواز کر گئے ۔

اللہ اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے ہم کو دوزخ کے عذاب سے بار بار ڈرایا ہے ۔ دوزخ بڑی خوف ناک جگہ ہے ۔ دوزخ بہت برا ٹھکانہ ہے ۔ دوزخ میں آگ ہے اژدھے اور بچھو اور قسم قسم کے زہریلے جانور ہیں ۔ طرح طرح کے خطرناک عذاب ہیں ۔ دوزخ کی آگ اندھیری رات کی طرح بالکل سیاہ ہے ۔ اس کی لپیٹ میں روشنی نہیں ہے ۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تمہاری آگ جسے تم اپنے گھروں میں جلاتے ہو دوزخ کی آگ کے ستر (۷۰) حصوں میں سے

ایک حصّہ ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے
عرض کیا:
اللہ کے رسولؐ! جلانے کے لیے تو
یہی آگ کافی تھی۔

حضور نے فرمایا:
مگر دوزخ کی اس آگ سے انہتر (۶۹)
گنا بڑھ کر ہے۔ یہ تو دوزخ کی آگ کا عالم ہے
اور دوزخ کی گہرائی کا یہ عالم ہے۔ کہ
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ
روایت کرتے ہیں کہ:
ایک مرتبہ ہم لوگ رسول اللہ صلے اللہ
علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ہم نے
کسی چیز کے گرنے کی آواز سُنی۔
حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم
جانتے ہو! یہ کس کی آواز ہے؟
ہم نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسولؐ
ہی زیادہ جانتے ہیں۔
حضورؐ نے فرمایا: یہ جہنم کی تہ میں
پتھر گرنے کی آواز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس
پتھر کو ستر (۷۰) سال پہلے جہنم کے منھ پر
گرنے کے لیے چھوڑا تھا۔ اب یہ جہنم کی تہ میں
پہنچا ہے۔

جہنمیوں کو دیکھ کر جہنم بھڑک اٹھے
گی اور اس کے شعلے بلند ہونے لگیں گے۔ سورۂ
ملک میں ہے:

وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ
جَهَنَّمَ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ اِذَآ اُلْقُوْا
فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِىَ
تَفُوْرُ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ط

ترجمہ:-
اور جنھوں نے اپنے ربّ کے ساتھ کفر
کیا اُن کے لیے جہنّم کا عذاب ہے۔ اور کیا
ہی برا انجام جب اس میں ڈالے جائیں گے۔
اس کا رینکنا سنیں گے کہ جوش مارتی ہے معلوم
ہوتا ہے کہ شدّتِ غضب میں پھٹ جائے گی
(کنز الایمان)

دوزخ میں سب سے ہلکا عذاب یہ
ہوگا کہ دوزخی کو آگ کا جوتا پہنایا جائے گا، جس
کی گرمی سے اس کا دماغ کھولے گا۔ سمجھے گا کہ
سب سے زیادہ عذاب مجھ کو ہو رہا ہے۔ حالاں کہ
وہی سب سے ہلکا عذاب ہوگا۔

جہنمی انتہائی بدصورت اور سیاہ بنے
ہوئے ہوں گے۔ وہ موت کو پکاریں گے مگر
انھیں موت نہ آئے گی۔ وہ رونا چاہیں گے
تو رو نہ سکیں گے۔ کیوں کہ آنسو ختم ہو چکے ہوں
گے۔ لہٰذا آنسو کی جگہ آنکھوں سے خون بہے
گا۔ وہ بھوک بھوک چلّائیں گے تو انھیں
کھانے کے لیے آگ کے کانٹے دیے جائیں گے
جس سے پیٹ بھرے گا نہ بھوک مٹے گی۔ پھر
چلائیں گے انھیں گلے میں اٹکنے والا کھانا دیا

جائے گا۔ لہٰذا اس اٹکے ہوئے کھانے کو نیچے اتارنے کے لیے پانی مانگیں گے۔ اس پر انھیں کھولتا ہوا پانی دیا جائے گا۔ کہ چہرے کے قریب آتے ہی وہ چہرہ کو بھون ڈالے گا اور وہ جب پیٹ میں پہونچے گا تو پیٹ کی آنتوں کو کاٹ کر رکھ دے گا۔ جہنمیوں کو پیپ اور خون اور کڑوے پھل کھانے کو دیے جائیں گے۔ اونٹ کے برابر سانپ اور خچر کے برابر بچھو اس پر ڈسنے کے لیے مسلط کر دیے جائیں گے۔ گرم گرم پانی سر پر ڈالا جائے گا۔ لوہے کے گرز سے پٹائی ہوگی۔ کھال پلٹ دی جائے گی۔ لمبی لمبی زنجیروں میں جکڑے جائیں گے۔ گلے میں طوق پڑا ہوگا۔ گندھک کے کپڑے پہنائے جائیں گے۔ تاکہ آگ تیزی کے لگی تھ لگے گی۔ جہنمی کو اگر یہ اجازت مل جائے کہ وہ دنیا اور دنیا کی ساری چیزوں کو دے کر اپنے آپ کو جہنم سے بچالے تو وہ اس کے لیے دل وجان سے تیار ہوگا مگر یہ وہاں سب کچھ نہ ہوگا۔ جہنم سے نجات پانے کی کوئی راہ نہ ہوگی۔

قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں جنّت اور دوزخ کے حالات اور کیفیات تفصیل کے ساتھ موجود ہیں۔ جن کے مطالعہ سے ہر صاحب فہم آدمی ایمان اور عملِ صالح کی جانب راغب اور متوجّہ ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ایمان اور نیک عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ اور جنّت کی لازوال نعمتوں سے بہرور فرمائے اور کفر و شرک اور بداعمال سے محفوظ رکھّے اور دوزخ کے عذاب و عتاب سے محفوظ رکھّے۔ امین ثم آمین •

نعت شریف

شماس آدونی

فدائم بحسن وجمال محمدؐ   منم بیکس با کمالِ محمدؐ
فدا کُل جہاں بر جمال محمدؐ

نثارم بچشم غـزالِ محمدؐ   خرد بُرد سوئے خیالِ محمدؐ
دلـم گشت محو جمالِ محمدؐ

آں محبوب اعظم متاع دو عالم   کہ بعد از خدا اسم او اسم اعظم
سکونِ دل وجاں خیالِ محمدؐ

عیاں تر بود ساعت لیل اسریٰ   بچشم زدن رفتہ بر عرش اعلیٰ
خوشا رفعت و پر کمال محمدؐ

چرا فکر برزخ چہ بیم و رجائم   جواب نکیرین شمّاس دارم
سوال خدا و سوال محمدؐ

حمد باری تعالےٰ

تری ذات پاک ہے اے خدا تیری شان جَلَّ جلالہٗ
تیرا نام مالک دوسرا تیری شان جَلَّ جلالہٗ

جسے چاہے مردہ بنائے تُو جسے چاہے زندہ اٹھائے تُو
تیرے ہاتھ میں ہے فنا بقا تیری شان جَلَّ جلالہٗ

کوئی شاہ کوئی امیر ہے کوئی بے نوا و فقیر ہے
جسے چاہے ویسا بنا دیا تیری شان جَلَّ جلالہٗ

کوئی لیتا رب تیرا نام ہے کوئی کہتا ہے کہ تو رام ہے
غرض ایک سب کا ہے مدّعا تیری شان جَلَّ جلالہٗ

ہے ہر ایک چمن میں تو رنگ و بو ہے زباں پہ طوطی کے تُو ہی تُو
پڑھے کیوں نہ بلبلِ خوش نوا تیری شان جَلَّ جلالہٗ

نعتِ احمدؐ

محمدؐ سرِّ قدرت کوئی رمز اس کی کیا جانے
شریعت میں تو بندہ ہے حقیقت میں خدا جانے

خدا و مصطفےٰؐ کے فرق میں ادراک عاجز ہے
محمدؐ کو خدا جانے، خدا کو مصطفےٰ جانے

احد نے صورتِ احمدؐ میں اپنا جلوہ دکھلایا
بھلا پھر کس طرح سے کوئی اس کا مرتبہ جانے

وہی ہے ایک دریا اور دو عالم اس کی موجیں ہیں
غریقِ بحرِ عرفاں ہو تو جب یہ ماجرا جانے

محمدؐ فی الحقیقت آفتابِ لایزالی ہے
اُسی کے نور کا دونوں جہاں کو پرتوا جانے

پیشکش

سید شاہ محمد جمال اللہ بادشاہ قادری (مرادیہ) کرنولی - مدرس
دار العلوم لطیفیہ - حضرت مکان - ویلور

خصائل وعادات، بال اور ناخن

جمیل احمد شریف (نیجن گڈھ کرناٹکا) متعلم دارالعلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور

دس اچھی خصلتیں

ہر آدمی کو دس خصلتیں اختیار کرنی ضروری ہیں۔ ان میں پانچ خصلتیں سر سے تعلق رکھتی ہیں اور باقی پانچ سارے جسم سے تعلق رکھتی ہیں۔

سر سے متعلق خصلتیں یہ ہیں:۔

۱۔ کلی کرنا۔ ۲۔ ناک میں پانی ڈال کر اچھی طرح صاف کرنا۔ ۳۔ مسواک کرنا۔ ۴۔ مونچھیں کترنا۔ ۵۔ داڑھی رکھنا۔

جسم سے متعلق خصلتیں یہ ہیں:

۱۔ زیر ناف کے بال صاف کرنا۔ ۲۔ بغلوں کے بال صاف کرنا۔ ۳۔ ناخن کٹوانا ۴۔ پانی سے استنجا کرنا۔ ۵۔ ختنہ کرنا۔

مونچھیں اور داڑھی

مونچھیں کتروانے کے تعلق سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

خالفوا المشرکین اوفروا اللحی واحفوا الشوارب: (متفق علیہ)

مشرکین کی مخالفت کرو اور داڑھی بڑھاؤ اور مونچھ کٹواؤ۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ بالوں کو ان کی جڑوں کے پاس سے قینچی کے ذریعہ کاٹو۔ انھیں استرے سے مونڈنا مکروہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنی مونچھیں منڈاتا ہے وہ ہم میں سے نہیں۔

مونچھیں مونڈنے سے خلقت بدل جاتی ہے۔ منہ کی آبرو اور حسن چھن جاتا ہے۔ بالوں کی جڑیں نمایاں رکھی جائیں تو منہ کا حسن وزینت اور وقار قائم رہتا ہے۔

معتبر روایات ہے کہ صحابہ کرام رض

اپنی مونچھیں کاٹا کرتے تھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اپنی ریشِ مبارک کو مشت میں پکڑ لیتے تھے اور جس قدر بال مشت سے زیادہ ہوتے انھیں کتر ڈالتے تھے۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ فرماتے تھے کہ اپنی مٹھی کے نیچے سے داڑھی کتروادو۔

بالوں کو ترشوانے کی میعاد

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ نے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ چالیس دن گزرنے سے پہلے مونچھیں کترواؤ، ناخن کٹواؤ، بغل کے بال صاف کرواور شرم گاہ کے بال صاف کردو۔

بعض اصحاب بیان کرتے ہیں کہ یہ حکم مسافروں کے لیے ہے۔ مقیم کے لیے بیس دن سے زیادہ نہیں گزرنا چاہیے۔ ورنہ اسے تارکِ مستحب سمجھا جائے گا۔

سفید بال اکھاڑنا

سفید بالوں کا اکھاڑنا مکروہ ہے۔

حضرت شعیب رضی اللہ عنہٗ اپنے پردادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سفید بال نہ اکھاڑا کرو۔ کیوں کہ یہ مسلمانوں کا نُور ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ سفید بال نہ اکھاڑا کرو کیوں کہ قیامت کے روز مسلمان کے سفید بال اس کے لیے نُور کا سبب ہوں گے۔

یحییٰ کی روایت میں ہے کہ قیامت کے روز بالوں کی سفیدی مسلمان کے لیے نیکی اور اس کے گناہوں کی مغفرت کا سبب ہوگی۔

بعض مفسرین کرام نے اللہ تعالےٰ کے اس فرمان کو اسی بات کی تائید میں پیش کیا ہے۔

وجاءکم النذیر انہٗ ھوالشیب

(تمہارے پاس ڈرانے والا آیا اور بے شک وہ ڈرانے والا بڑھاپا ہے۔)

لہٰذا ایسی چیز کا دور کرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے جو آدمی کو موت سے ڈرائے اور اسے موت کی یاد دلائے۔ دنیا کی لذتوں اور خواہشوں کو مٹائے۔ سامانِ آخرت کے لیے آمادہ کرے اور ہمیشہ کے گھر کی آبادی کا باعث بنے

سفید بال مسلمان کے لیے نورانی پیراہن ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کی سنّت ہے۔ روایت ہے کہ جو مسلمان ہوتے ہوئے سب سے پہلے بوڑھا ہوا وہ حضرت ابراھیم علیہ السلام ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے

ان اللہ یستحیی من ذی الشیبۃ۔

(اللہ تعالیٰ بوڑھے آدمی سے شرم کرتا ہے۔) مطلب یہ کہ اُسے عذاب دینے میں شرم کرتا ہے۔

ناخن

جمعہ کے روز (بڑھے ہوئے) ناخن کاٹنا مستحب ہے۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

من قصّ اظفار امتحالفًا لم یرفی عینہ رمدًا (جو کوئی مقرر ترتیب کے خلاف ناخن کاٹتا ہے وہ اپنی آنکھ میں رمد کی بیماری نہیں دیکھتا۔)

حمید بن عبد الرحمٰن اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جمعہ کے دن اپنے ناخن کاٹنے والا تندرست رہتا ہے۔ بیماری اس سے دور رہتی ہے۔ بروز پنجشنبہ بعد نماز عصر کے بعد کی بھی یہی فضیلت ہے۔

ناخن کاٹنے کا طریقہ

ناخن کاٹنے کی ترتیب اور طریقہ یہ ہے کہ پہلے داہنے ہاتھ کی چھنگلی کے ناخن کاٹے پھر بیچ کی انگلی پھر انگوٹھے کے پھر اس انگلی کے ناخن کاٹے جو چھنگلی کے پاس ہے پھر انگشت شہادت۔ اس طرح عمل کرنے سے فلاح حاصل ہوتی ہے۔

ناخن ہمیشہ تیز چاقو یعنی قلمتراش، پتی، نیل کٹر، بلیڈ سے کاٹے جائیں۔ دانتوں سے ناخن کاٹنا مکروہ ہے۔ ناخن کاٹنے کے بعد انگلیوں کے سرے دھو دیے جائیں۔ کٹے ہوئے دفن کر دیے جائیں۔ اسی طرح بدن کے تراشے ہوئے بال زمین میں دبا دیں۔ کیوں کہ حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وسلم کا حکم یہی ہے۔

سر منڈوانا

حج، عمرہ اور ضرورت کے سوا سر منڈوانا امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مکروہ ہے۔ اور علید بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے سر منڈوایا وہ مجھ سے نہیں۔ دار قطنی نے جابر بن عبد اللہ سے روایت کی ہے: آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حج اور عمرہ کے سوا بال نہیں اُتارے۔

سر کے بال منڈوانے والے میں خارجیوں کی علامت پائی جاتی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ اگر کسی کا سر منڈا ہوا دیکھ لو تو سمجھ لو کہ اس میں شیطان کی خاصیت ہے کیوں کہ سر منڈوانے والا اپنے آپ کو عجمی کا ہم صورت بناتا ہے۔

آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو شخص اپنی صورت کو دوسری قوم کی مشابہ بنائے وہ اسی قوم کا ہے۔

محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخر میں اپنے سر کے بال منڈوائے تھے اس وقت سر مبارک کے بال دونوں شانوں تک لٹکے ہوئے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سر کے بال کانوں کی لو تک تھے۔ بعض صحابہؓ کرام کبھی کبھی سر منڈوایا کرتے تھے اور کسی نے ان پر اعتراض نہ کیا۔ وجہ یہ ہے کہ بال رکھنا بوجھ اور تکلیف کا باعث تھا۔ چنانچہ ان صحابہ کو اس کی رخصت اور اجازت تھی۔

زلفیں رکھنا

اپنے رخساروں پر (عورتوں کی طرح) لمبی زلفیں چھوڑ دینا مکروہ ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ عورتوں کا زلفیں رکھنا جائز ہے مگر مرد کے لیے مکروہ ہے۔ موچنے سے منہ کے بال نوچنا مرد اور عورت دونوں کے لیے مکروہ ہے۔

ابو عبیدہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ان عورتوں پر لعنت کی ہے جو موچنے سے منہ کے بال نوچتی ہیں۔ استرے سے پیشانی اور منہ کے بال صاف کرنا بھی عورت کے لیے مکروہ ہے۔ اگر شوہر اس بات کو پسند کرے اور اس کی رضامندی سے ایسا کرنا جائز ہے۔ اور یہ محض اس لیے جائز کیا گیا ہے کہ عورت یہ سوچے کہ اگر منہ صاف کئے بغیر جاؤں گی تو اس کو میری طرف رغبت نہ ہوگی۔ اور وہ کسی دوسری عورت کی فکر کرنے لگے گا۔

اسی طرح عورتوں کے لیے یہ افعال بھی جائز ہیں کہ وہ قسم قسم کے کپڑے پہنیں، خوشبو لگائیں، ناز و ادا سے شوہر کا دل لبھائیں اور انھیں اپنی طرف راغب کریں۔

جو عورتیں اپنے منہ کے بال موچنے وغیرہ سے صاف کرکے اپنے آپ کو اس لیے خوب صورت بناتی ہیں تاکہ غیروں سے اپنی نفسانی خواہش کو پوری کریں ان پر سرکار دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے۔

بالوں کو سیاہ کرنا

سفید بال کو سیاہ رنگ میں رنگنا مکروہ ہے۔ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ روایت کرتے ہیں: بعض لوگ سفید بالوں کو سیاہی میں بدل رہے تھے، آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے انھیں دیکھ کر فرمایا: اللہ تعالےٰ قیامت کے دن ان کے چہرے سیاہ کرے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہٗ کی روایت میں ہے: نبیٔ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ یہ لوگ بہشت کی خوشبو نہ سونگھیں گے۔

جو جو شخص لڑائی میں اپنے دشمن سے اپنی ضعیفی کو چھپانے کے لیے بالوں کو سیاہ

اس کے لیے جائز ہے۔ اپنی منکوحہ عورت کو خوش کر کے اپنا تابعدار بنائے اس کے لیے بھی جائز ہے۔

خضاب لگانا

بالوں کو سیاہ کرنے کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ مہندی یا خضاب کرے۔

امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ نے تینتیس برس کی عمر میں اپنے بالوں کو رنگین کیا اس وقت ان کے چچا نے ان سے کہا: احمد تو نے خضاب لگانے میں جلدی کی ہے۔ اس پر انھوں نے جواب دیا کہ یہ رنگ پیارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی سنّت ہے۔

ابی ذر رضی اللہ تعالےٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ بڑھاپے کو تبدیل کرنے والی چیزوں میں مہندی اور نیل افضل ہیں۔

پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے خضاب لگانے کے متعلق اختلاف ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں کہ حضور پرنور صلے اللہ علیہ وسلم زیادہ بوڑھے نہ تھے اور آں حضرت کے بعد حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہم نے مہندی اور نیل سے خضاب کیا ہے۔

روایت ہے کہ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بال لوگوں کو نیل سے رنگے ہوئے دکھائے تھے۔

لہٰذا آپ رضؓ کے بیان سے ثابت ہوا کہ سرکارِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے خضاب کیا۔

اس کی دلیل یہ لی ہے کہ ابی مالک اشعری رضی اللہ عنہٗ کی حدیث کے مطابق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ورس اور زعفران سے خضاب کیا کرتے تھے۔

لہٰذا سر کے بالوں کو خضاب لگانا ثابت ہے۔ اسی طرح داڑھی میں خضاب لگانا بھی جائز ثابت ہوتا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بڑھاپے کو تبدیل کرو مگر یہودیوں جیسی صورت نہ بناؤ۔

ابی ذر رضی اللہ عنہٗ نے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ جن چیزوں سے بڑھاپا تبدیل کیا جاتا ہے ان میں سے بہتر مہندی اور نیل سے داڑھی اور سر کے بالوں کو خضاب کرنا بھی اسی روایت کے ماتحت آتا ہے۔

فتح مکہ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ اپنے والد ابو قحافہ کو ساتھ لے کر سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضؓ کی دل جوئی فرماتے ہوئے کہا: ابوبکر اتم ان بڑے میاں کو گھر ہی میں رہنے دیتے، میں خود وہاں چلا آتا۔ اس وقت ابو قحافہ مسلمان ہو گئے تھے۔ ان کے سر اور ڈاڑھی کے بال پھول

کے مانند سفید تھے۔ حضور اکرمؐ نے حضرت ابو بکرؓ
سے فرمایا: ان کے سر اور داڑھی کے بالوں کو
رنگ سے بدل دو مگر اس کو سیاہ رنگ سے
بچاؤ۔ اور یہ نص ہے داڑھی کے بال سر کے
بالوں کے مانند ہونے اور بالوں کو سیاہ کرنے سے

سُرمہ لگانا

سرمہ طاق سلائیوں سے لگانا چاہیے
حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ کی
روایت کے بموجب آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم
اپنی آنکھوں میں طاق سلائیاں سُرمہ لگاتے تھے
طاق سلائیوں کی تعریف میں اکثر اختلاف ہے۔
حضرت انسؓ کا قول تو یہ ہے کہ نبی کریم صلے اللہ
علیہ وسلم اپنی دائیں آنکھ میں تین سلائیاں اور
بائیں میں دو سلائیاں لگایا کرتے تھے مگر حضرت
ابنِ عباس رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں کہ حضور پرنور
صلے اللہ علیہ وسلم اپنی دونوں آنکھوں میں تین
تین سلائیاں لگایا کرتے تھے۔

بالوں میں تیل لگانا

ایک دن چھوڑ کر دوسرے دن بالوں
میں تیل لگانا چاہیے۔
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کی روایت ہے کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ہر روز
تیل لگانے سے منع فرمایا ہے اور حکم دیا ہے کہ
ایک چھوڑ کر دوسرے دن تیل لگایا جائے۔ اور
کنگھی بھی ایک دن چھوڑ کر دوسرے دن کرے۔
بالوں کو روغن بنفشہ لگانا زیادہ افضل ہے۔
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں کہ
سرکار مدینہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: روغن
بنفشہ کو دوسرے روغنوں پر اس طرح فضیلت
حاصل ہے۔ جیسے مجھے دوسرے لوگوں پر۔
شریعتِ مطہرہ نے مذکورہ فضائل و
عادات کی پابندی کا حکم دیا ہے جس میں ہماری
دنیاوی اور دینی فلاح مضمر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں
ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

بقیہ صفحہ 174 کا "اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم"
عالم: یہ شیشی تو بہت بڑی ہے اللہ تعالیٰ ایسا قادر ہے
کہ اگر چاہے تو کروڑوں زمین و آسمان کو سوئی کے ناکے کے اندر
داخل کر سکتا ہے۔ قرآن صاف صاف کہہ رہا ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی
کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر: بے شک اللہ ہر شئے پر قادر ہے۔
عالم صاحب کے تشریف لے جانے کے بعد ابلیس نے اپنے چیلوں سے کہا
دیکھا تم نے علم کی بدولت یہ عالم میرے ہتھکنڈوں سے صاف بچ کر
نکل گیا۔
غرض شیطان آدمی کو گمراہ کرنے کے لیے ہر وقت
کوئی نہ کوئی ہتھکنڈہ استعمال کرتا ہے۔ مگر اللہ کے فضل و کرم اور
علم کی بدولت انسان اس کے جھانسے میں نہیں آتا۔
اللہ ہم سب کو ابلیس ملعون کے مکر و فریب سے محفوظ رکھے آمین

● حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام و مرتبہ

سید امجد القادری تاڑپتری۔ آندھرا متعلم دارالعلوم لطیفیہ حضرت مکان۔ ویلور

صلی اللہ علی النبی الامی والہٖ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صلاۃً و سلاماً علیک یا رسول اللہ

[درودِ رضویہ]

فرمانِ الٰہی ہے:

وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى (پ۲۷:ع۱۷)

اور ایک جگہ ارشادِ گرامی ہے: رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ : (پ:۱۱ ع:۱)

اللہ تعالیٰ نے جنّت کا وعدہ فرمایا ہے:

اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی اور ان کے لیے تیار کر رکھے ہیں باغ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔

(امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی)

فرمانِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ (بخاری: مسلم: مشکوٰۃ ص۱۲)

تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوگا یہاں تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے باپ، اس کی اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

اللہ تعالیٰ نے کائنات کو پیدا کیا اور کائنات میں سب سے زیادہ اشرف بنایا اور ان انسانوں کو عقل و سمجھ دے کر، غور و فکر اور اختیار دے کر زمین کا خلیفہ بنا کر بھیجا۔ یہ انسان اپنی انھیں خوبیوں کو کام میں لاکر رہا۔ کبھی اپنے اختیار اور عقل و سوجھ بوجھ کو صحیح طور پہ کام میں لاکر نیکی اور ہدایت کی اعلیٰ منزلوں تک پہنچا اور کبھی اپنے اختیار اور عقل و غور

فکر اور سوچ کو غلط طریقہ پر کام میں لاکر بدی اور بدبختی میں گرفتار رہا۔ اللہ رب العالمین نے اپنے بندوں کی درستگی، سدھار اور صراطِ مستقیم پر چلنے کی ترغیب دلانے کے لیے ہر قوم ہر زمانہ میں اپنے خاص اور محبوب بندوں کو پیغمبر، نبی اور رسول بنا کر بھیجتا رہا۔ سب سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور سب سے آخری نبی حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے ساری دُنیا کی حالت بہت ہی ابتر تھی۔ ظلم و ستم، برائی اور بدی کا بول بالا تھا۔ عرب میں تو اس کی انتہائی خراب حالت ہوگئی تھی۔ اللہ نے اپنی رحمتِ کاملہ سے سرکار دوعالم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو پیدا فرمایا۔ اور چالیس (۴۰) برس کی عمر میں نبوت عطا فرما کر رحمۃٌ للعالمین بنایا۔

وہ عرب جو بات بات میں لڑ پڑتے تھے خرافات میں مبتلا ہزاروں بُتوں کی پرستش کرتے تھے۔ فسق و فجور کھلے عام کرتے تھے۔ جوا، شراب اُن کی گھٹی میں پڑی تھی۔ غرض کوئی برائی ایسی نہ تھی جو اُن عربوں میں نہ رہی ہو۔ ان کی زندگی پوری کی پوری وحشت، درندگی اور بدتہذیبی و منشر کا نہ رہی۔ کعبۃ اللہ میں تین سو ساٹھ (۳۶۰) بُتوں کی پرستش ہوتی تھی۔

حضور اکرم صلّے اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور اسلام کے اصولوں کی پابندی اور عمل پیرائی سے یہ تمام برائیاں ان سے چھوٹ گئیں۔ بے علمی دور ہوگئی، وحشت و درندگی اور بدتہذیبی کی جگہ شائستگی، رحم دلی اور تہذیب و تمدن نے لے لی۔ اور سرکارِ مدینہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی اور عملی زندگی کا اثر یہ ہوا کہ وہ آپؐ کے ایک اشارے پر اپنی جان و مال تک قربان کرنے میں ایک سے ایک آگے بڑھنے لگے۔

یہ وہ حضرات ہیں جن کو صحابہ کرامؓ کہا جاتا ہے۔ ان مُبارک ہستیوں نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو ہوش کی آنکھوں سے دیکھا۔ اُن کے ساتھ اٹھے، بیٹھے، اُنؐ کی ہر بات کو غور سے سنتے، اُن کے ہر ایک عمل کو بخوشی اپناتے رہے۔ ادب و پاس و لحاظ کا اتنا خیال کہ اپنی آوازوں کو بھی آپؐ کی آواز سے بلند نہیں کیا کرتے تھے۔ ان کے بارے میں خود اللہ ربّ العزّت نے اپنے کلام میں فرمایا:

رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ۔
(پ: ۳۰: ع: ۲۳)

اللہ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی۔
(کنزالایمان)

حدیثِ مبارکہ میں ہے:

اَصْحَابِی کَالنُّجُومِ فَبِاَیِّھِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ: (مشکوٰۃ: ص: ۵۵۴)

میرے اصحاب ستاروں کی طرح ہیں ان میں سے جس کی اقتداء تم کروگے ہدایت پاجاوگے۔

اور ایک حدیث شریف ہے:

لَا تَسُبُّوا اَصْحَابِیْ فَلَوْ اَنَّ اَحَدَکُمْ اَنْفَقَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ اَحَدِهِمْ وَلَا نَصِیْفَهٗ۔

(بخاری، مسلم، مشکوٰۃ ۵۵۳)

تم میرے صحابہ کو گالی نہ دو اور نہ برا بھلا کہو۔ اس لیے کہ تم میں سے اگر کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو وہ ان کے کلو اور آدھا کلو گیہوں کے جو خرچ کرنے کے برابر نہیں ہو سکتا۔

چند ایسے مسلمان جو حضور صلے اللہ تعالے علیہ وسلّم کی محبت کے دعوے دار ہیں وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالے عنہٗ سے بغض وعناد رکھتے ہیں اور کھلم کھلا اُن کی شان میں گستاخی و بے ادبی کرتے ہیں اور ان پر اعتراضات کرتے ہیں۔

حالاں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہٗ بھی حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کے صحابی ہیں نیز آپ کے دادھیالی رشتہ دار ہیں اور سب سے بڑی بات یہ کہ آپؓ کی حقیقی بہن حضرت ام المؤمنین اُمِّ حبیبہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے بھائی ہونے کے ناتے آپؓ سرکارِ مدینہ صلے اللہ علیہ وسلّم کے حقیقی سالے ہیں۔

آپ کا نسب نامہ

باپ کی طرف سے: معاویہؓ ابن ابی سفیان[۱] صخر ابن حرب[۲] ابن امیہ[۳] ابن عبد الشمس[۴] ابن عبد مناف[۵]

ماں کی طرف سے: معاویہؓ[۴] ابن ھند[۱] بنت عتبہ[۲] ابن ربیعہ[۳] ابن عبد الشمس[۴] ابن عبد مناف[۵]

سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب نامہ

محمدﷺ ابن عبد اللہ[۱] ابنِ عبد المطلب[۲] ابن ہاشم[۳] ابن عبد مناف[۴]

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہٗ باپ اور ماں کی طرف سے پانچویں پشت میں حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے نسب میں چوتھی پشت میں عبد مناف سے مل جاتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہٗ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ دار واہلِ قرابت میں سے ہیں۔

امّ المومنین حضرت امّ حبیبہ رضی اللہ تعالی عنہا کے حقیقی بھائی ہونے کی وجہ سے آپ تمام مومنوں کے ماموں ہوتے ہیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی کے اسلام لانے میں اختلاف ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ آپ صلح حدیبیہ ۶ھ کے دن ایمان لائے اور اپنے ایمان کو چھپا کر رکھا اور فتح مکہ کے دن ظاہر کیا۔ بعض نے یہ تحریر کیا ہے کہ فتح مکہ کے دن ہی ایمان لے آئے۔

راجح قول یہی ہے کہ آپؓ صلح حدیبیہ کے دن ہی ایمان لائے۔ خود آپؓ کا بیان ہے کہ

"میں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے احرام سے فارغ ہوتے وقت حضورؐ کے سر مبارک کے بال مروہ پہاڑی کے پاس کاٹے"۔

بخاری شریف میں طاؤس عبداللہ ابن عباس کی روایت ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ حجامت امیر معاویہؓ نے کی تھی۔ اس بات سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ حجۃ الوداع میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے قران کیا تھا اور قارن کی حجامت مروہ پہاڑی پر نہیں ہوا کرتی بلکہ منیٰ میں دسویں ذی الحجہ کو کراتے ہیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سرکارِ مدینہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں بال نہیں کٹوائے تھے بلکہ سر منڈوایا تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہٗ صلح حدیبیہ کے دن ایمان لائے تھے۔

آپ رضؓ کے فضائل

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے رشتہ داری کے علاوہ بہت سی خوبیاں رکھتے تھے۔ اوران کے فضائل کے سلسلہ میں چند احادیث پیش ہیں:

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلعم نے فرمایا:

اے اللہ! تو معاویہ کو کتاب (قرآن مجید) اور حساب کا علم عطا فرما اور انہیں عذاب سے بچا۔

(رواہ احمد)

حضرت عبدالرحمٰن ابن ابو عمیرہ صحابی مدنی رضی اللہ عنہٗ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر معاویہ رضؓ کے لیے اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ ھَادِیًا مَّھْدِیًّا وَّاھْدِ بِہِ النَّاسَ یہ دُعا فرمائی: (رواہ ترمذی شریف)

اے اللہ معاویہ کو ہادی اور مہدی بنادے یعنی ہدایت یافتہ بنا اور ان کے ذریعہ سے لوگوں کو ہدایت فرما۔

ابن ابی شیبہ طبرانی معجم کبیر میں عبدالملک بن عمیر فرماتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہٗ نے کہا: مجھ سے سرکار دوجہاں صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے معاویہ! جب تم بادشاہ ہوجاؤ تو لوگوں کے ساتھ اچھی طرح پیش آؤ۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ کاتبِ وحی بھی تھے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مکتوبات لکھا کرتے تھے۔ وحی کی کتابت کرنے والے یہ تیرہ (۱۳) حضرات کرام تھے۔

(۱) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ
۲۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ۔ ۳۔ حضرت عثمان غنی رضؓ
۴۔ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ۔ ۵۔ عامر بن فہیرہ رضؓ
۶۔ عبداللہ ابن ارقم رضؓ۔ ۷۔ ابی بن کعب رضؓ
۸۔ ثابت بن قیس بن شماس رضؓ۔ ۹۔ خالد بن سعید بن العاص رضؓ
۱۰۔ حنظلہ بن ربیع اسلمی۔ ۱۱۔ زید بن ثابت رضؓ
۱۲۔ شرجیل بن حسنہ۔ ۱۳ معاویہ بن سفیان رضی اللہ تعالےٰ عنہم۔

اوران لوگوں میں سب سے زیادہ خدمت انجام دینے کا موقعہ حضرت زید بن ثابت اور حضرت

امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم کو حاصل تھا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں جب ملکِ شام فتح ہوا تو آپؓ نے امیر معاویہؓ کے بھائی حضرت یزید بن سفیانؓ کو دمشق کا حاکم بنا کر بھیجا۔ انہوں نے اتفاق سے اپنے بھائی امیر معاویہ کو بھی ملک شام اپنے ساتھ لے گئے۔ جو انھیں کے پاس رہ گئے تھے۔ جب حضرت یزید بن سفیان رضی اللہ عنہ کے انتقال کا وقت قریب آیا تو انھوں نے اپنی جگہ حضرت معاویہؓ کو حاکم مقرر کر دیا۔ یہ تقرر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں بھی برقرار رہا اور پورے عہدِ فاروقی میں دمشق کے حاکم رہے۔ یہاں تک کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں پورے ملک شام کا حاکم بنا دیا۔ آپؓ عہدِ فاروقی و عثمانی میں بحیثیت حاکم بیس (۲۰) سال حکومت کی۔

پھر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے چھ (۶) ماہ امور خلافت انجام دینے کے بعد خلافت آپ کے سپرد کر دی اور آپ پورے عالم اسلامی کے خلیفہ اور امیر تسلیم کر لیے گئے۔ یہ اس پیش گوئی کی تعبیر ہے جو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے امام حسن کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا:

اِبْنِیْ هٰذَا سَيِّدٌ وَلَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ يُّصْلِحَ بِهٖ بَيْنَ فِئَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ

میرا یہ سردار بیٹا ہے امید ہے کہ اللہ تعالےٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کرا دے گا۔ (بخاری شریف)

ابنِ عساکر کی روایت ہے کہ جنگِ صفین کے زمانہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کے بھائی حضرت عقیلؓ نے آپؓ سے کچھ روپیہ طلب کیا۔ حضرت علیؓ نے نہیں دیا۔ انھوں نے کہا: آپ اجازت دیجیے کہ میں امیر معاویہؓ کے پاس چلا جاؤں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جاؤ۔ جب حضرت عقیلؓ حضرت امیر معاویہؓ کے پاس گئے تو انھوں نے آپ کی بڑی عزّت کی اور ایک لاکھ درہم نذرانہ پیش کیا۔

ایک بار حضرت امام حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے تو آپؓ سے انھوں نے کہا:

لَاُجِيْزَنَّكَ بِجَائِزَةٍ لَمْ اُجِزْ بِهَا اَحَدًا قَبْلَكَ وَلَا اُجِيْزُ بِهَا اَحَدًا بَعْدَكَ

یعنی میں آپ کی خدمت میں اتنی نذر پیش کروں گا کہ اس سے پہلے کسی کو اتنی نذر نہیں دی ہے اور نہ آیندہ کسی دوسرے کو دوں گا۔ پھر انھوں نے چار لاکھ درہم حضرت امام حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خدمت میں پیش کیا۔ جسے آپؓ نے قبول فرمایا۔

حضرت امیر معاویہ کی آخری وصیّت

علّامہ ابواسحٰق اپنی کتاب "نور العین فی مشہد الحسین" میں تحریر فرماتے ہیں کہ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو یزید نے پوچھا:

کہ: ابا جان! آپ کے بعد خلیفہ کون ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا: خلیفہ تو تو ہی ہوگا۔ مگر میں جو کچھ کہتا ہوں اسے غور سے سن:

"کوئی کام حضرت امام حسینؓ کے مشورہ کے بغیر مت کرنا۔ انھیں کھلائے بغیر نہ کھانا۔ انھیں پلائے بغیر نہ پینا۔ سب سے پہلے ان پر خرچ کرنا پھر کسی اور پر۔ پہلے انھیں پہنانا پھر خود پہننا میں تجھے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے اُن کے گھر والوں اور ان کے کنبے بلکہ سارے بنی ہاشم کے لیے اچھے سلوک کی وصیت کرتا ہوں۔"

آپؓ کی وفات:

علامہ خطیب تبریزی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات ماہِ رجب سنہ ۶۰ھ میں لقوہ کی بیماری سے دمشق میں ہوئی۔ جب کہ آپ کی عمر ۷۸ سال تھی۔ اور ضحاک ابن قیس نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

جل جلالہٗ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہٖ واصحابہٖ اجمعین وبارک وسلّم۔

نعت شریف برنگِ غزل

ڈاکٹر حکیم سید فریاد شاہ افسر صبغۃ اللّٰہی قاسمی

یہ حُسن و عشق کی باتیں ہم عاشقوں سے پوچھیں گے
حضورِ شمع کیا بیتی؟ پروانوں سے پوچھیں گے

پتہ اہلِ خرد سے پوچھنا ہے تیری نادانی
جنونِ شوق کی منزل کو دیوانوں سے پوچھیں گے

متاعِ زندگی کی جستجو اب تم سے کیا ہوگی؟
تلاشِ گم شدہ کو ہم تو ویرانوں سے پوچھیں گے

تڑپتے دِل کو یوسفؑ نے جہاں تسکین بخشی ہے
دلِ یعقوبؑ کیا دیکھا؟ یہ ارمانوں سے پوچھیں گے

وہ آقا کے اشاروں پر تو اپنی جان دیتے تھے
یہ ہم اہلِ اُحد، خیبر کے جاں بازوں سے پوچھیں گے

جہادِ زندگانی کا نہیں ہے راستہ آساں
یہ ہم صحرا نوردوں سے حُدی خوانوں سے پوچھیں گے

اخوت کس کو کہتے ہیں؟ محبت نام ہے کس کا؟
چلو اب ہم مدینہ کے وہ انصاروں سے پوچھیں گے

ہمارے بعد کیا گزری؟ دلِ ساقی پہ اے افسرؔ
سبو سے، جام سے، مینا سے، پیمانوں سے پوچھیں گے

اھل السنۃ والجماعت

کے۔سی۔ شاہ جہان (متعلم دار العلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور) و ڑکدو

قال اللہ تعالیٰ فی قرآن المجید : ایاك نعبد وایاك نستعین ٥ اھدنا الصراط المستقیم : الخ امرنا اللہ تعالیٰ فی ھذہ الآیۃ سؤال الھدایۃ وھو طریق الانبیاء والصدیقین والشھداء والصالحین فثبت بھذہ الآیۃ یجب علی الانسان ان یقتدی ویھتدی بھدالصالحین ۔ قال اللہ : اولئك الذین ھدی اللہ فبھداھم اقتدہ ۔ فطریقہ اھل السنۃ والجماعۃ طریقۃ النبی صلعم والصحابۃ ای سنۃ رسول اللہ صلعم

ھذہ التسمیۃ بھذا الاسم لاھل الحق ثابت من النبی صلعم عن رسول اللہ صلعم ۔ انہ قال افترقت بنو اسرائیل علی ثنتین وسبعین فرقۃ واحدی وسبعون فی النار وواحدۃ فی الجنۃ قالوا یارسول اللہ ما ھذ الواحدۃ قال رسول اللہ ھو اھل السنۃ والجماعۃ وروی ھذہ الحدیث الشیخ النصر بن محمد ابراھیم السمرقندی فی کتابہ "تنبیہ الغافلین فی احادیث سید الانبیاء والمرسلین وقد فسّر کثیر من المفسرین قولہ تعالیٰ یوم تبیض وجوہ و تسود وجوہ یوم تبیض وجوہ یعنی اھل السنۃ والجماعۃ وتسود وجوہ یعنی اھل البدع والضلالۃ ۔

(تنبیہ الغافلین)

وان قال واحد ان ھذہ الحدیث ضعیف نقول لہ اوّلا لیس بضعیف ان سلّم انہ ضعیف لکن لا نسلّم انہ ضعیف من حیث المعنی لانہ صلعم قال فی حدیث آخر اتفق علی صحتہ ۔ ما انا علیہ واصحابی وھذا الاسم ای اھل السنۃ والجماعۃ مشھور فی ضد المعتزلۃ وسائر اھل البدعۃ ۔ انّ فی الارض لخلقا صورھم صور الآدمیین واسماءھم المسلمین الآن الایمان لم یدخل فی قلوبھم

کفرقۃ الضالۃ یحقرون الانبیاء و یسبون الاولیآء یقولون ما لا یفعلون ویفعلون ما لا یومرون یزعمون ان حبیبنا صلعم لبشر مثلنا وھذہ الدعوۃ باطلۃ ان اعتقاد اھل السنۃ والجماعۃ انہ صلعم لیس بمثلنا بل انہ صلعم حیی فی قبرہ حیوۃ حقیقۃ بجسدہ وروحہ علی ھیئتہ التی کان علیھا فی الدنیا وقد صرح العلماء انہ لافرق بین موتہ وحیوتہ صلعم

وانکروا کرامات الاولیاء واعتقادنا ان للاولیاء کرامات وبکرامات الاولیآء ینصروننا بعد موتھم وھذا ھو الحق

وتنازعوا فی زیارۃ قبر النبی صلعم وزیارۃ قبور الانبیاء والصالحین والشھداء سنۃ عند اھل السنۃ ومن تنازع فیہ ضال ومضل قالہ ابن حجر الھیتمی رح فی التحفہ وقال عبد الحمید الشروانی رح فی شرح التحفۃ ھو الھیتمی ومن تبعہ المسمی فی زماننا ھذا بالوھابیۃ۔

وعقیدۃ ھذہ الفرقۃ لیس بصحیحۃ لا فائدۃ بالصلوۃ ولا بذکر ولا بالصدقۃ الا لمن لہ الاعتقاد الصحیحۃ۔

وکذبوا ھذہ الفرقۃ بالمذاھب الاربعۃ والائمۃ الاربعۃ ائمۃ المسلمین ویجب علی المسلمین الاتباع لھم لان تعالی امرنا باتباع العلماء۔ قال اللہ تعالٰی یاایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ والرسول واولی الامر منکم وفی ھذہ الآیۃ اشارۃ لائمۃ الاربعۃ اطیعوا اللہ اشارۃ لکتاب۔ اطیعوا الرسول اشارۃ للسنۃ۔ واولی الامر منکم اشارۃ للاجماع یدخل فیہ الخلفاء الراشدون والائمۃ المجتھد ثم قال اللہ وان تنازعتم فی شیئ فردوہ الی اللہ والرسول فامر اللہ بردّ المتنازع فیہ الی کتاب اللہ وسنۃ النبیہ صلعم ولیس لغیر العلماء معرفۃ کیفیۃ الرد الی الکتاب والسنۃ ویدل ھذا علی صحۃ کون سؤال العلماء واجبا وامتثال فتواھم لازما

وجاء فی الحدیث الشریفۃ قال رسول اللہ الحلال بین والحرام بین وبینھما متشابھات لا یدری کثیر من الناس الخ الحلال بین واضح لا مخفی حلہ کالخبز والفواکہ والعسل والسمن ولبن مأکول اللحم وبیضۃ وغیر ذلک من

المطعومات وكذالك الكلام والنظر والمشى وغيرذلك من التصرّفات فيها حلال بين واضح لاشك فى حلّة واما الحرام البيّن فكالخمر والخنزير والميتة والبول والدّم المفسوح وكذلك الزنا والكذب والغيبة والنّميمة والنظر الى الاجنبيّة واشباه ذلك واما المشتبهات فمعناه انها ليست بواضحة الحلّ والالحرمة فلهذا لايعرفها كثيرمن الناس ولايعلمون حكمها واما العلماء فيعرفون حكمها بنصّ اوقياس اواستصحاب اوغيرذلك واذاتردّد الشيئ بين الحل والحرمة و لم يكن فيه نص ولا اجماع اجتهد فيه المجتهد

فتبيّن ان للعلماء صدارت فى الدّين و يجب علينا ان نتّبع لهم اى الائمة الاربعة بل لايجور نقلبه ماعدا لمذاهب الاربعة ولو وافق قول الصحابة والحديث والآية فالخارج عن المذاهب الاربعة ضالّ ومضل و ربّما اداه ذلك للكفر لانّه اخذ بظواهر الكتاب والسنة من اصول الكفر۔ هكذا قال العلمآء وقال تعالى فى القرآن المجيد ومن يشاقق الرسول من بعد ما تبين الهدى ويتبع غير سبيل المؤمنين نولّه ما تولى ونصله جهنّم وساءت مصيرا ودلت هذه الآية انّ من اتّبع غير سبيل المؤمنين ومأواه جهنم معاذالله

جهدنا لاقامة الدّين فى جميع انحاالهند تحت اشراق جمعية العلماء اهل السنّة والجماعة معموم الهند باجماع الناس تحت هذاللواء وانشاء المدارس والكليات والجامعات مثل جامعة دار العلوم لطيفيه وجامعة مركز الثقافة السنيّة۔

بقية "الشبة الدّهريّة"

هلاشققت قلبه قال تعالى عن هذه الواقعة ولا تقولوا لِمَنْ القىٰ اليكم السلام لست مومنًا فقتل المؤمن حرام بل يستحق القصاص على القتل اعاذنا الله من اخلاق سيئة ووفقنا الخدمة اينه ورزقنا معيشة الابرار۔

امين

سلام بہ رسولِ انامؐ

نثارؔ بھارتی

سلام اس پہ کہ جو آئینۂ انوارِ یزداں ہے
سلام اس پہ کہ جو جانِ صفاتِ ذات پنہاں ہے
سلام اس پہ کہ جو شرحِ اَنَا ہے صورتِ اَنْتَ
سلام اس پہ کہ جس کا حسن آپ اپنے پہ حیراں ہے
سلام اس پہ کہ جس کی راہ لا ہے اور منزل ھُوَ
نفس ہر ایک جس کا فرش سے تا عرش جولاں ہے
سلام اس پہ جو حسنِ خود نگر کا دل ہے دھڑکن ہے
تمام ارواح کے ماتھے پہ سجدہ جس کا پنہاں ہے
سلام اس پہ کہ جس کی ذات اول بھی ہے آخر بھی
ازل کی صبح کا پیغام شامِ محشرستاں ہے
سلام اس پہ کہ جو اک محملِ حسنِ دو عالم ہے
حریمِ ناز کا پردہ نقابِ روئے جاناں ہے
سلام اس پہ جسے اک کائناتی گلستاں کہیے
نمایاں جس کے ہر ذرّہ سے خود جانِ گلستاں ہے
سلام اس پہ جو ہے وجدان کی آنکھوں کی بینائی
مکان و لامکاں کا عقدہ ہر اک جس پہ آساں ہے

سلام اس پہ کہ جس گرمِ بازارِ دو عالم ہے
مقام وقت کی تعبیر ہی جس کی رگِ جاں ہے
سلام اس پہ جبینِ انبیاءؑ میں جو رہا پنہاں
بشکلِ عالمِ ایجاد محشر تک نمایاں ہے
سلام اس پہ کہ جس میں تکملہ ہے آدمیّت کا
نبوت کا چراغِ ضو فشاں ہے فخرِ انساں ہے
سلام اس پہ براہیمیؑ دعا کا جو اثر ٹھہرا
سراپا رحمۃٌ للعالمینؐ ہے نازِ دوراں ہے
سلام اس پہ کہ وہ جو جنّتیوں کی ایک جنّت ہے
چراغِ خوابگاہِ حسنِ معنیٰ شمعِ فاراں ہے
سلام اس پہ کہ یکتا جس کی صورت بھی سیرت بھی
لبِ معجز نما کی ایک اک جنبش بھی قرآں ہے
سلام اس پہ مری ہستی پہ جس کی چشمِ رحمت ہے
نثارؔ اک اک ادا پہ جس کی گنجِ جان و ایماں ہے

الشبة الدهرية

او۔ کے۔ محمّد علی۔ ارنغاڈری کیرلہ متعلم دار العلوم لطیفیہ حضرت مکان۔ ویلور

ایها الرجل المنتبه ینبغی ان نتأمل مبدء حیوتنا ومعاودها وماذا حقوق الانسان لخالقه ولماذا خلق الخالق انسانا وجعله عاقلا وناطقا واشرفه من بین سائر الحیوانات الساهقات ولو تأملنا فی هذه الامور کلها انتهینا الی حقیقة الاحوال ویتفرع لنا من بین هذه الامور عجائب وغرائب التی لم ننتظرها قط وهذا التأمل مدار الفوز والفلاح فی الدارین وان لم نتفکر احوال حیوتنا وعوارضها لنندم فی یوم الحشر وتُعضُّ الاصابع حین تلقی یوم الحساب.

وقد نعلم الشبات الدهری ما ذا عیشته وماذا یکسبه وماذا اعماله فی الاسلام وان کانت عیشتنا خارجة عن احکام الشرعیة نصلی جهنم (نعوذ بالله) وان نار جهنم اشد حرة بسبعین ضعفا من نار الدنیا کما قال النبی (صلعم) ان نارکم هذه التی توقد ابن آدم جزء من سبعین جزءً من حرّ جهنم۔ قال الله ان کانت لکافیة یا رسول الله قال فانها فضّلت علیها بتسعة وتسعین جزءً کلها۔ مثل حرّها۔ (رواه المسلم)

وقال الله تعالی عن عذاب جهنم ان لدینا انکالا وجحیما وطعاما ذا غصّة وعذابا الیما ٥ ولا قدرة لنا ان نتحمل شدة العذاب حیث لم نقتدر علی تحمل شدة نار الدنیا۔

ولذا یلزم لنا التخلص من عذاب جهنم ووجه التخلص ظاهر لنا من القرآن الکریم والاحادیث النبویة وکتب الفقهاء۔ قال النبی ﷺ لا تزول قدما ابن آدم حتی یسأل عن خمس عن عمره فیما افناه وعن شبابه فیما ابلاه وعن امواله من این اکتسبه وفیما انفقه وعما عمل بما علم (مسلم) وقد نبه النبی ﷺ فی الحدیث

علی ان الشباب مرتبۃ نفیسۃ فی حیوۃ الانسان و نعلم فی هذه الزمان الحاضران دراءکل
وفساد و صلاح یوجدا لشبان ولذادعی النبی ؐ: لما کثر ضرر المشرکین حین شاع شعاع الاسلام فی
بلاد المشرکین اللّٰھم ایّد الاسلام باحدی العمرین" فایدالله الاسلام بایمان عمر الذی ارتج به
المشرق والمغرب لکونه شابا شجاعًا فشاع الاسلام بعمر (د) خارج المکة المکرمة۔

وقال (صلعم) فی حدیث اخری اغتنم خمسا قبل خمس عد فی الخمس و شبابك
قبل هرمك۔ ولذا ینبغی لنا ان نستعمل الشباب فی طاعته خالقه حتی قال الله تعالٰی هو
الذی خلق الموت والحیواة لیبلوکم ایکم احسن عملًا ونبه فی هذه الایة (ابذکر الموت
قبل الحیوٰة والحق ان یقول الحیوٰة ثم الموت عادة وعکس هنا) علی ان الحیوٰة الدنیویة
فانیة والموت مهم من الحیوٰت والموتُ فتح باب الی حقیقة الحیوة وقول الشاعر
یحثنا علی فکر هذه الحقیقة + والموت باب وکل الناس داخله
یالیت شعری بعد الموت ما الدار الدار دار نعیم ان عملت بما کثیر یرضی الاله وان خالفت
فی النار۔ وقد نبه الله تعالٰی علی مزیة الشبابا فی آیة
انهم فتیة آمنوا بربهم وزدناهم هدی (الکهف) وعد رسول الله (صلعم) فی من یظلهم
الله یوم لاظل الاظله شابا نشأ فی عبادة الله لانه یکون فیه قوة وعافیة لیستا فی الصبیان
والشیوخ علی کل یخطر بباله ویکون فی قلبه الفٌ من الامال وان کان امله صالحًا یرشده
الی طریق فلاحه ونجاته وان لم یکن کذالك بان کان فاسدًا یضمّه الی شقاوته فی
الدارین فاجهد یاایها الشبان ان تکون فی من فاز طریقة وسلح عیشیة من کل ما یفسده
واذا کنا شُیوخًا نندم علی اضاعتنا الشبان ونفکروا فی قول الشاعر الآیات الشباب
یعود یومًا فاخبره بما فعل المشیب ۔ واکثار ذکر الموت یرشدنا ویهدینا الی ما یحصل
به ما نرجوا من صلاحیة امورنا۔

والشبان معتمد الامة فی کل ما یحتاج الناس وبه یستقیم کل ما کاد ینهدم
کما ان العصی معتمد الشیوخ یتوکأ علیها عند المشیئ والشبان یفنی ویبلی لکن لا نتفکر
فاجریان العمر ویه لاندری مزیة الشبان فی خضارة الدنیا وبهجتها وقد قال تعالٰی
لایغرّنکم الحیوٰة الدّنیا ۔ والدنیا منزلنا فی السفر والحیوٰة سفرنا الی الآخرة والآخرة
مجمعنا للحساب ومقصدنا ۔ وقال النبی ؐ الدنیا مزرعة الآخرة ۔ فاذا زرعنا فی هذا المزرع

یقدرلنا الحصار فی یوم الحصادوان لم نزرع لنتأسق تاسفا شدیدًا لاضاعتنا الحالة التی قدرّ
لنا الزراعة فیها عند رأیة حصارمن زرع فی الدنیا وان لم نجهد فی شبابنا للاعمال الصالحة
فلا یحصل لنا قوة علی ما نقصرمن ما من الاعمال الصالحة فی حالة الهوم ولواستقصینا
المتذکر لما نضیع اوقاتنا النفسة ولکن نعیش معیشة البهائم ۔ کما قال اللہ تعالیٰ عند ا
المعرضین عن الذکر لهم قلوب لا تفقصون بها ولهم آذان لا یسمعون بها ولهم اعین
لا یبصرون بها اولئک کالانعام بل هم اضل ۔ وینبغی لنا علی ما یظهر
لنا من الآیات والاحادیث الصحیحة ۔ تزکیة نفوسنا من کل قادورات تردعلیها من
باطینة و ظاهریة کالحسد والعجب والریاء والکبر وکترک الصلوٰة وشرب الخمر وانهماک
الاوقات فی ما لا انفع فیها

وتزکیةُ الانفس ولها طرائق شتی کلها مشتملة علی القرآن والسنة ولا
بدّ للانسان ان یترک امورا و یأ تی الامورا ومن الامور المتروکات الحسد والکبر والعجب وشتم
المسلم وحقوق الوالدین وافشاء الفساد وقول الزّور وافتراء الکذب والغیبة والنمیمة
والقتل المسلم، والتفریق بین الاخوة وغیر ذالک

ومن امورا لفعلیة تحسین الخُلق ورخاوة القلب وحب المسلم وامداده علی الخیر و
برّ الوالدین وتحمل الضّررعلی انماء الصلاح والکلام بالخیر۔ والصدق وتسلیم الید و
اللسان وسائر الجوارح من اضرار المسلمین وقد قال تعالیٰ عن الغیبة : یَاایُّهَا الَّذِیْنَ
آمَنُوْا اجتنبوُا کثیرًا مِنَ الظَنِ وَاِن بَعْضَ الظَن اِثم فلا تجسسُوا ولا یغتب
بغضکم بغضاً ۔ ایحب احدکم ان یاکل لَحمَ اَخِیه مَیْتاً فکرهتموه • الآیة (۱۲:۴۹)
فالغیبة یساوی اکل لحم الاخ وقال النبی (صلعم) الغیبة اشد من الزّناء ، وقال
عن النمیمة لا یدخل الجنّة نمّام وعن الکبر لا یدخل الجنّة من فی قلبه مثقال
ذرّة من کبر وقتل المؤمن اشد جرمًا وابغض عند اللہ والرّسول ۔ کما قال النبی صلعم
من قتل مؤمنا فکا نّما قتل النّاس جمعیًا وفی صحیح البخاری ان اسامة بن
زید سافر مع رهط من المومنین للقتال فلما رجعوا من سفرهم لقی رجلا فی غنمه
فلما دنی منه اسامةؓ ومن معهم قال الرجل السلام علیکم فلم یردوا السلام بل
قتله اسامةؓ فلما لحقوا رسول اللہ (صلعم) اخبر والخبر فقال النبی (صلعم)

بقیہ ص۱۹۶ پر
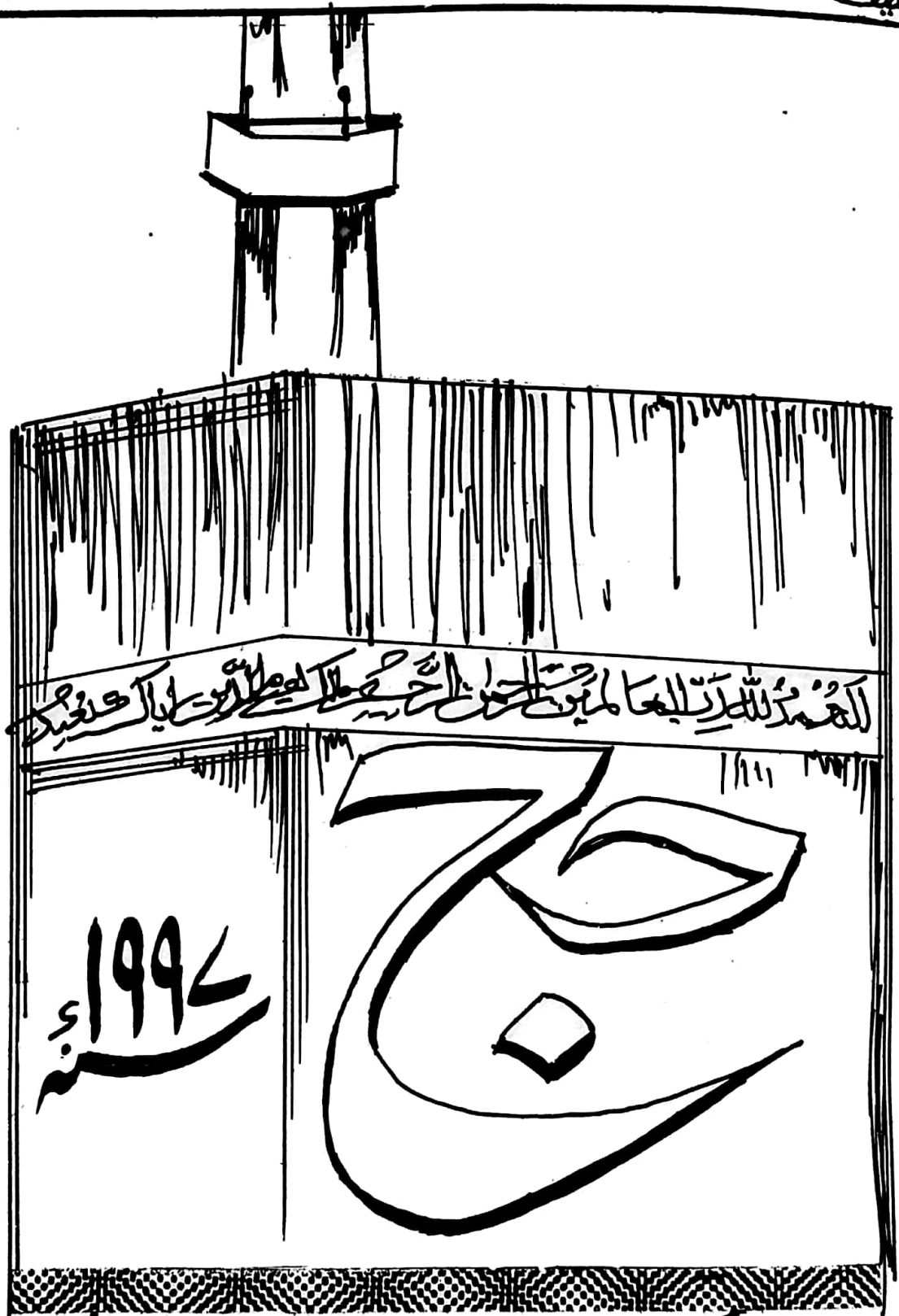
201
الحمد للہ رب العالمین الرحمن الرحیم مالک یوم الدین ایاک نعبد
حج
سنہ ۱۹۹۷ء
ڈاکٹر حکیم سید افسر پاشاہ قاسمی صبغۃ اللّٰہی
A.S.N.

حج سنہ ۱۹۹۷ء

میدانِ منیٰ یا میدانِ حشر

مولانا مولوی قاری ڈاکٹر حکیم سید افسر باشاہ قاسمی صبغۃ اللّٰہی: شفاء ڈسپنسری۔ گڑیاتم

بات کہنے کو پانچ ماہ پرانی ہوگئی مگر ہے اب بھی وہی بات۔ "جسے اللہ رکھے کون چکھے" کا محاورہ بالکل صادق آرہا تھا۔ آنکھوں دیکھا حال ہے ہزار دو ہزار کی بات نہیں لاکھوں کا مجمع۔ ٹھیک ایک دن پہلے اِس پہاڑی سے اُس پہاڑی تک اِس وادی سے اُس وادی تک۔ چٹیل لق و دق میدان اور حدِّ نگاہ تک ہُو کا بیابان اور ایسا ریگستان جس میں نہ کوئی انسان ہے نہ حیوان۔ بس چاروں طرف پہاڑیاں ہی پہاڑیاں ہیں اور درمیان میں ایک غیر آباد وسیع و عریض دُور دُور تک ویران چٹیل میدان ہے۔

پھر دوسرے ہی دن قدرت کا کرشمہ دیکھیے اور ورطۂ حیرت و استعجاب میں پڑ جائیے کہ کل تک جو ایک ویران اور چٹیل میدان تھا وہ آج ایک بڑا اچھا خاصا ایسا آباد شہرستان ہے۔ جہاں اب پچاس ساٹھ لاکھ کی آبادی نے بڑی آسانی سے اس کی ویرانی کا نقشہ کو بدل دیا۔ ہر طرف چہل پہل، انسانوں کا ایک سمندر ہے جو ٹھاٹھیں مار رہا ہے اور رواں دواں چل رہا ہے۔ قدم قدم پر دکانیں اور ڈیروں کی شکل میں مکانیں، جگہ جگہ سہولتیں، پانی کی، برقی کی، فون کی، خوراک کی، کپڑوں کی اور دیگر تمام روزمرہ کی ضروری چیزیں مہیا ہورہی ہیں۔

غرض جہاں تک نظر دوڑائیں بس ایک ایسا شاد و آباد شہر ہے نہ صرف شہر بلکہ ایک بڑی سٹی CITY جہاں لاکھ دو لاکھ نہیں پچاس ساٹھ لاکھ کی آبادی ہے۔ فرق اگر ہے تو اتنا کہ سٹیوں میں پختہ عمارتیں ہوتی ہیں اور یہاں کچی عمارتیں دبیز کپڑوں اور پردوں کی گویا "کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل" کی ایک جیتی جاگتی تصویر ہے جس طرح کہ ایک مسافر کہیں آجا رہا ہو۔ اور کچھ دیر کے لیے سستانے کی خاطر کسی درخت یا عمارت کے نیچے

اقامت پذیر ہوتا ہے۔ ہمیشگی اور دائمی اقامت کی نہ اس کی خواہش رہتی ہے اور نہ ضرورت ہی ہوتی ہے۔

بس تصویر کا یہی نقشہ وہاں سامنے رہتا ہے اس کے دوسرے ہی دن دیکھو تو پھر وہی ویرانگی اور سراسیمگی نہ کوئی عمارت ہے نہ دکان، نہ کسی انسان کی آمد و رفت۔ اور جہاں پہل ہی ہے۔ وہی ویران چٹیل میدان جو آج سے دو دن پہلے تھا اب بھی ہے۔

غرض ہم بذریعہ (A/C) ایرکنڈیشن بس صبح کے کوئی نو ساڑھے نو کے قریب میدانِ منیٰ میں پہنچے اور اپنے اپنے ڈیروں میں داخل ہو گئے جو پہلے سے ہمارے لیے الاٹ و مختص ہو چکے تھے۔ کوئی ذکر و تلاوت میں مشغول، کوئی آس پاس کے ماحول کے دیکھنے میں حیران و مبہوت کہ حدِ نگاہ تک پورا میدان ایک ہی یونی فارم میں سفید جھنڈیوں کی طرح سفید ڈیروں میں نشیب و فراز کے ساتھ یکساں سجا ہوا ہے۔ اور چاروں طرف کی پہاڑیوں کا بھی یہی حال ہے کہ وہ ان سفید ڈیروں سے ایسا محسوس ہو رہی ہیں کہ گویا ان پر درختوں کی جگہ روئی کے سفید گالوں کے انبار لگے ہوئے ہیں یا سفید اُدن کی چھوٹی چھوٹی چٹائیں ہیں یا پھر دُور سے برفیلے ٹیلے محسوس ہو رہے ہیں۔

اتنے میں کسی نے آہستہ سے سرگوشی کی کہ دیکھو میدان کا مشرقی حصہ آگ کی لپیٹ میں آگیا ہے۔ پھر کیا تھا؟ لوگ اپنے اپنے ڈیروں سے نکلنا شروع ہوئے اور آگ کے اس حادثہ کو جو دُور بہت دُور تھا دیکھنا شروع کیا۔ جتنے منہ اتنی باتیں اور قیاس آرائیاں بھی ہونے لگیں اور اکثریت کی رائے تو یہی رہی کہ "بظاہر دیکھنے میں آگ نزدیک محسوس ہوتی ہے مگر ہے بہت دُور۔ ویسے یہ حادثہ کوئی نیا نہیں جو گھبرانے کا باعث بنے ہر سال تو ایسا ہوتا ہی ہے۔ بس چند منٹوں میں حکومت اس پر قابو پالے گی۔ آپ لوگ بے فکر رہیں۔ اور اپنے ڈیروں کے اندر چلے جائیں"۔

مگر آگ کو قریب سے دیکھ لینے کے بعد بھی سکون کیسے نصیب ہو! چین اور سکھ کیسے ملے! ہر ایک بدحواسی، سراسیمگی، پریشانی، اضطرابی اور بے قراری کے عالم میں حیران و پریشان اور سرگرداں پھر رہا ہے۔ اور آگ ہے کہ اپنی پوری توانائی کے ساتھ تیزی سے آگے بڑھ رہی ہے۔ ہر ایک سکنڈ کے اندر بیسیوں آوازیں اور وہ بھی اتنی زوردار ہوتی ہیں گویا ایک بڑا طاقت ور بم پھٹا جا رہا ہے، یا توپ داغی جا رہی ہے اور یہ دراصل گیاس سلینڈروں کے پھٹنے کی آوازیں تھیں۔ جو وہاں بڑی کثرت و بہتات کے ساتھ موجود تھیں۔

اسی سراسیمگی اور حواس وارفتگی کے عالم میں خود معلم کے خادموں نے یہ عام اعلان کرادیا کہ اب اپنی جان کی خیر منائیں اور سب چھوڑ چھاڑ کر فوری یہاں سے بھاگ جائیں ـــــ سچ پوچھیے تو اب قیامت کا منظر ہے، یہ میدان میدانِ منیٰ نہیں

میدان حشر ہے، نفسی نفسی کا عالم ہے۔ اپنے پرائے رو رہے ہیں اور یکساں آہ و زاری اور فریادی ہیں نوحہ کناں ہیں: کہ ؎

آ عندلیب مل کے کریں آہ و زاریاں
تو ہائے گل پکار میں چلاؤں ہائے دل

اور یوم یفر المرء من اخیہ وامہ وابیہ و صاحبتہ و بنیہ لکل امری منھم یومئذ شأن یغنیہ اور یقول الانسان یومئذ این المفر۔ کلا لا وزر الی ربک یومئذ المستقر: (جس دن کہ بھاگے مرد اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے، اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنے بیٹوں سے۔ ان میں سے ہر مرد کو اس دن بس ایک ہی فکر لگی ہوئی ہے جو اس کے لیے کافی ہے یعنی اس وقت ہر ایک کو اپنی ہی فکر لگی ہوئی ہے جو اس کے لیے کافی ہے۔ یعنے اس وقت ہر ایک کو اپنی فکر پڑی ہوگی احباب و اقارب ایک دوسرے کو نہ پوچھیں گے اور اس دن آدمی کہے گا بھاگ کر کہاں چلا جاؤں؟ اب کوئی نہیں ہے اور بچاؤ کی صورت بھی کہیں نہیں ہے سوائے آپ کے رب کے اس دن رب کے پاس بس دن ان ہی کے حضور کھڑے ہونا ہے۔) یہی پوری تفسیر آنکھوں کے سامنے موجود ہے۔

ہر شخص اپنی جان کی خیر منائے بھاگا چلا جا رہا ہے۔ بس اپنی ایک جان کی حفاظت ہی مطلوب و مقصود ہے۔ آس پاس قرب و جوار دور و نزدیک۔ اور رشتہ دار سب نگاہوں سے اوجھل ہیں۔ بھائی بھائی سے، بیوی شوہر سے، ماں بچوں سے، شاگرد استاد سے، خادم آقا سے آقا خادم سے بچھڑ گیا ہے۔

ایک طرف اس افراتفری اور بھاگم بھاگی کے عالم میں لوگوں کا شور و غل اور چیخنے چلانے کی آوازیں ہیں تو دوسری طرف گیاس سلینڈروں کے پھٹنے کی فلک شگاف آوازوں کے ساتھ ہی جہاں آگ کے شعلے بڑی تیزی سے ابھرتے ہیں۔ وہیں گھٹاٹوپ دھواں گہرے سیاہ بادلوں کی طرح امڈ امڈ کر آ رہا ہے۔

پھر کیا ہوا؟ قیامت کا منظر ہے ایک خوف ناک، خطرناک۔ انسانی جانوں کو تڑپ کر جانے والا میدان ہے۔ جہاں نفسی نفسی کے عالم میں لوگ بھاگ رہے ہیں اور زبان پر بے اختیار خدائے ذوالجلال کی یاد بھی ہے۔ آنکھوں سے زار و قطار آنسو بھی ہیں، دعائیں بھی ہیں، منتیں بھی ہیں، نذر و نیاز کے وعدے اور قول و قرار بھی۔ اور اپنی پناہ گاہ کی تلاش بھی۔ نہ اپنوں کا خیال نہ پرائیوں کا لحاظ بچے اور بڑے بوڑھے اور جوان، ضعیف و نحیف کمزور اور بیمار سب کا مطمح نظر اور زاویۂ نگاہ ایک اور صرف ایک ہے کہ اپنی جان بچالی جائے۔ اسی خیال و فکر نے انھیں اس قدر پریشان کر دیا کہ رہی سہی ہمت بھی جاتی رہی اور ہوش بھی اڑا دیے۔

پیچھے سے آگ تعاقب میں آ رہی ہے اور سامنے انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہے اور راہ کشادہ ہونے کے باوجود تنگ اور بہت تنگ ہو گئی ہے اور "وضاقت علینا الارض بما رحبت"۔ "اور زمین ہم پر

وسیع اور کشادہ ہونے پر بھی تنگ ہو گئی ہے۔)
اس کا کھلا مشاہدہ ہو رہا ہے اور لوگ ایک پر ایک گرے چلے جا رہے ہیں۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس والا معاملہ ہے۔ جو طاقت ور ہے وہ بچ نکلتا ہے اور جو کم زور، ضعیف اور بوڑھا ہے وہ ہار جاتا ہے۔

ہم نے دیکھا کہ اس انسانی سمندر کے تھپیڑوں میں بہتوں نے جانیں دے دیں، جس کا دل کم زور تھا وہ بھی اس کی زد میں آ گیا اور جانبر نہ ہو سکا۔ کوئی کہتی ہے کہ میرا شوہر نظر نہیں آتا۔ کوئی کہتا ہے میری بیوی نظر نہیں آ رہی ہے، کوئی کہتا ہے میری ماں نظر نہیں آ رہی ہے، بھائی نظر نہیں آ رہا ہے، کوئی کہتی ہے ہائے میری جواں سال لڑکی کہاں گئی؟ میرا سہاگ کہاں گیا؟؟

غرض ہر طرف سے رونے چلّانے کی آوازیں مسلسل گونج رہی ہیں تو ان آوازوں میں ہر دو ایک منٹ میں کئی کئی متواتر اور مسلسل ایمبولنس کے، جو زخمیوں اور مردوں کو لے دوڑنے کی آوازیں بھی سونے پر سہاگہ یا ہر زخم پر نمک پاشی کا کام دے جاتی تھیں۔ آگ سے جھلسنے سے زیادہ اس مدبھیڑ میں گھر کر مرنے کی تعداد تھی۔

ہم نے دیکھا کہ اس بے پناہ ہجوم کی مدبھیڑ میں بدحواسی سے جو گرا تو اس کو سنبھلنے سے پہلے روند ڈالا گیا۔ وہ پانی پانی کو ترس رہا ہے اب اس کی کون سنتا ہے؟ اس نفسا نفسی کے عالم میں اسے روند کر ہمیشہ کے لیے خاموش بھی کر دیا جاتا ہے۔

اوپر سے ہیلی کاپٹروں کے ذریعہ نیچے سے فائر انجنوں کی مدد سے ہر ممکن کوشش ہو رہی ہے کہ آگ پر کسی طرح قابو پا لیں۔ مگر خدا کی مرضی کو کون کیا کر سکے؟

ہم نے پناہ لینے کی خاطر مسجدِ خیف کی طرف رخ کیا جو منیٰ کی بہت بڑی ایرکنڈیشن مسجد ہے۔ جہاں بیک وقت تین لاکھ آدمی نماز پڑھ سکتے ہیں غرض اس مسجد کے قریب تو پہنچ گئے مگر داخلہ ناممکن تھا۔ کیوں؟

اس لیے کہ پناہ لینے والوں نے پہلے ہی سے پناہ لے لی ہے۔ اب اس کے اندر کوئی سات آٹھ لاکھ کا مجمع ہو گا اور باہر بھی تین چار لاکھ آدمی جمع ہو گئے ہیں اور انھیں اندر داخل ہونے سے پولیس روک رہی ہے۔ کسی ایک کو بھی مسجد کے اندر جانا محال ہے۔ تو ہم بھی ان حضرات کے ساتھ باہر ہی کھڑے جلچلاتی دھوپ میں بے سر و سامانی کے عالم میں خدائے ذوالجلال، قہار و جبّار، رحمٰن و رحیم کی بے پناہ قدرت کا مشاہدہ کر رہے تھے۔

اکثر حضرات نے حرم کعبہ کا رُخ کیا اور وہیں پناہ لی۔ آگ صبح کے کوئی دس ساڑھے دس بجے لگی تھی اور قابو میں آئی تو شام کے ساڑھے تین چار بجے کے قریب۔ اس طرح یہ چھے گھنٹوں کی سخت کٹھن امتحان گاہ تھی۔

غرض میدانِ منیٰ میں دنیائے اسلام کے تمام ممالک سے آئے ہوئے حضرات کی لاکھوں

کے لیے ملکی طور پر نشانات اور علامات تھیں جن
کی رو سے قیام اور رہائش کی پہچان آسان تھی۔
ہم ہندوستانیوں کے لیے ہمارا نیشنل ترنگا جھنڈا
نصب کیا گیا تھا۔ جو دور ہی سے نظر آجاتا تھا۔ اس
ترنگے جھنڈے کے احاطہ میں نمبر ۵۰ سے ۶۰ تک
کے ڈیویژن یا بلاک ہیں اور ہر بلاک میں چھ[6] چھ[6] ہزار
ڈیرے ہوتے ہیں۔ اور ہر ڈیرے میں دس پندرہ
آدمی رہ سکتے ہیں۔ اسی طرح ہر ملک کا نشان
اور اس کے تحت بلاک اور نمبرات ہوتے ہیں۔
پھر ان کے بھی وہی چھ[6] چھ[6] ہزار کے ڈیرے ہیں۔
آگ کے اس حادثہ میں نہ صرف ہندوستان
بلکہ پاکستان، بنگلہ دیش، ایران، بھوٹان،
عراق، ملیشیا، نیجیریا وغیرہ دیگر ممالک کے ڈیرے
بھی برابر کے شریک وسہیم تھے۔ ہندوستان کے
بلاک نمبر پچاس سے ساٹھ تک کے تقریباً سب ہی
ڈیرے آگ کی لپیٹ میں آگئے اور پوری طرح جل
کر خاک ہوگئے۔ مگر قدرت کے اس کرشمے کو بھی
دیکھیے کہ اس کا صرف چھپن[56] نمبر والا بلاک بالکل ہی مامون
ومحفوظ رہا۔ جب کہ اس سے متصل اور لگے ہوئے
سامنے، پیچھے، دائیں، بائیں والے تمام ڈیرے اپنے
وجود کو نیست ونابود میں تبدیل کر چکے تھے۔ یہ نمبر
چھپن والے بلاک کے محفوظ رہنے کی معقول وجہ
یہ تھی کہ اس کے باشندوں نے اس بدحواسی
کے عالم میں بھی پوری دور اندیشی سے کام لیتے
ہوئے بڑی پھرتی سے ڈیروں کی طنابیں کاٹ دیں
کاٹ دیں اور پورے ڈیرے زمین دوز سر
بسجود ہو کر رہ گئے۔ آگ اوپر سے گزر گئی اور نیچے
پڑے ہوئے سارے سازوسامان الحمدللہ پوری طرح
محفوظ ومامون رہ گئے۔

سچ ہے "جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے"
کا محاورہ بالکل صادق آرہا ہے۔ کہ بلاک نمبر چھپن[56]
کے چھ[6] ہزار ڈیروں کے مکینوں نے کس قدر جلدی
اور پھرتی سے ان ڈیروں کی طنابیں کاٹ دیں،
اتنی کثرت سے چاقو اور قلم تراش بروقت انھیں
کیسے نصیب ہوگئے؟ یہ جس قدر حیرت انگیز
ہے اسی قدر کرشمۂ قدرت کی معنی خیز بھی۔

بہرحال آگے کے حالات کی تفصیل بھی
بہت ہے مگر اس تفصیل میں جانے سے گریز
کرتے ہوئے تصویر کے دوسرے رخ پر آپ
حضرات کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں' جو بھی
اصل میں عرض کرنی ہے۔

۵ مولانا رومؒ فرماتے ہیں: کہ

حج زیارت کردنِ خانہ بود
حج رب البیت مردانہ بود

بے شک ہمارا حج یہی خانہ کعبہ کی زیارت
ہی ہے اور اکثر حجاج کرام بھی اسی مقصد کے تحت
سفر کرتے ہیں اور بس۔ ان کا یہ حج مردانہ نہیں
بلکہ زنانہ ہوتا ہے۔ مگر خال خال ہی بعض ایسے
مخلص حضرات اہلِ دل بھی ہوتے ہیں جو رب
البیت کی زیارت سے بھی مشرف ہوتے ہیں۔ اور

اصل میں یہی مردانہ حج ہوتا ہے۔ بڑے ہی خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں یہ سعادت حاصل ہوتی ہے اور بقول شاعر: ؎

خوشا نصیب کہ آں بندۂ کہ کرد نزول

گہے بہ بیتِ خدا و گہے بہ بیتِ رسولؐ

کی نعمتوں اور نوازشوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں

بہر حال حج کی معنی ہیں "العج والثج"

یعنی آواز بلند کرنا اور خون بہانا۔ گویا دو لفظوں یا دو جملوں میں بات پوری کر دی اور یہ دونوں باتیں یہیں منٰی کے میدان میں حاصل تھیں۔ ایک طرف لوگوں کی چیخیں یا اللّٰہ یا اللہ کی فلک شگاف آوازیں تھیں تو دوسری طرف لوگوں کی جانیں تلف ہو رہی تھیں جو خون بہا اور جان کی بازی یا قربانی کے مترادف تھیں۔

حج دوسرے معنی ہیں "التعب والمصعب"

بھی ہے۔ یعنی تکلیف و مشقت کا جھیلنا اور برداشت کرنا ہے۔ بھلا یہ بھی کوئی حج ہے کہ آرام کے ساتھ جائیں، راحت و آرام سے رہیں، خوب کھائیں پئیں اور پھر آرام سے لوٹیں۔ آج کل تو ہمارا حج ایسا ہی ہے جس میں کسی طرح تکلیف و پریشانی اٹھانی نہیں پڑتی۔ گھر سے واپسی تک آرام ہی آرام ہے جہاں ایر کنڈیشن (A/C) سے جانا ہوتا ہے، وہیں ایر کنڈیشن سے آنا بھی ہوتا ہے۔ پھر رہن سہن بھی ایر کنڈیشن کمروں میں ہے۔ ہر جگہ سہولت، راحت اور آسانیاں ہی آسانیاں ہیں، دشواریاں اور پریشانیاں نظر نہیں آتیں۔ تو خود ہی بتاؤ یہاں کلفت و مشقت نام کی کوئی چیز بھی ہے۔؟

ہمارے اسلاف و بزرگانِ دین کی تاریخ کے باب کا ورق الٹ کر دیکھو کہ انھوں نے کس قدر مشقت جھیلی انھیں کتنی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا؟ راہ میں رکاوٹیں آئیں، مصیبتیں آئیں، یہ سب کچھ برداشت کیا اور خوشی خوشی قبول کیا۔ ان کے سینے میں ایک تڑپ، ایک لگن، ایک سوز، ایک عشق تھا۔ جو برابر منزلِ مقصود پر لے چلتا تھا۔ ایک فکر تھی جو دن رات انسان کو بے اختیار اندھا دھند چلنے پر مجبور کرتی تھی۔ اور وہ اسی نشان پر چلا جاتا تھا۔ ؎

دشت تو دشت ہیں صحرا بھی نہ چھوڑے ہم نے

بحرِ ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے

کی طرح راہ کی صعوبتیں اور آفتیں اور ناقابلِ برداشت اذیتیں ان کی نگاہوں کے سامنے ہیچ تھیں اور وہ ؎

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

کی ایک ناقابلِ انکار حقیقت بن کی جیتی جاگتی تصویر ہوتے تھے۔

حضرت رابعہ بصریؒ نے بھی حج کیا۔ مگر یہ کس نوعیت کا تھا؟ کس انداز کا تھا؟ ذرا یہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ بصرہ سے مکہ تک کی راہ کتنے دور کا فاصلہ ہے؟ وہ بھی پیدل طے ہو رہا ہے۔ اور وہ بھی ہر ایک قدم پر دو دو رکعت نفل نماز پڑھی جا رہی ہے۔ ایک قدم رکھا دو رکعت پڑھی، پھر ایک قدم رکھا دو رکعت پڑھی۔ ظاہر ہے کتنے برس لگ گئے ہوں گے؟

اس طرح مکے تک پہنچتے ہیں ؟

ہاں یہ اور بات ہے کہ ان برگزیدہ خاصانِ خدا کے حق میں طئے ارض کا مسئلہ بھی ایک مستقل مسئلہ ہے اور اس کی بھی بڑی تفصیل ہے۔ مگر پھر بھی یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ بڑی ریاضت، بڑی مشقت اور بڑے ہی مجاہدات اور جگر گردے کی بات ہے۔

کتابوں میں لکھا ہے کہ اکثر حضرات انبیاء علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کا سفرِ حج پیدل ہی رہا ہے۔ اسی طرح کبارِ صوفیاء و اتقیاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی متابعت میں پیدل ہی کو افضل قرار دیا ہے اور وہ بھی پیدل ہی چلے ہیں۔

اب یہ سوچنے اور غور کرنے کا مقام ہے کہ جن بزرگوں اور صلحائے امت نے اس سفرِ حج کو برسوں مہینوں میں طے کیا تھا اور راہ کی صعوبتوں اذیتوں، سردیوں اور گرمیوں کو برداشت کرکے انھیں نظر انداز کر دیا تھا اب ہم اس کو سائنسی ترقیات کے ذریعہ دنوں گھنٹوں میں طے کر رہے ہیں اور وہ بھی بڑی راحت اور آرام کے ساتھ۔ تو ظاہر بات ہے کہ اس کے اندر وہ لطف اور مزہ کہاں نصیب ہوگا ؟ جو تکلیف و مصیبت کے بعد حاصل ہوتا ہے۔

دھوپ کی تمازت و گرمی سے بچ کر جب کسی سایہ کے نیچے آجائیں، یا فلیٹ کے قریب پہنچ جائیں تو اب صحیح لطف ملتا ہے، سکون ملتا ہے، راحت ہوتی ہے اور آرام ملتا ہے۔ اجی! یہ زبان سے کہنے تحریر میں لانے کی بات نہیں ہے۔ یہ ذوقی چیز ہے۔ جیسے اہلِ ذوق اور عشاق سے پوچھنا چاہیے کہ اس کے اندر انھیں کیا مزہ ملتا ہے ؟

فصل کے بعد وصل، ہجر کے بعد حضر،
مہجوری کے بعد حضوری، دُوری کے بعد نزدیکی یہی ان کی زندگی کا خلاصہ اور روحانی غذا ہے۔ سچ ہے

ع　ذوقِ ایں مے نہ شناسی بخدا تا نہ چشی

غالباً خلیفۃ المسلمین امیر المومنین ہارون رشید کا دور ہے۔ وہ پورے تزک واحتشام سے فوج و سپاہ کے ساتھ جہاں خانۂ کعبہ میں داخل ہوا اور طواف کرنے لگا وہیں ایک نوجوان سادہ بود و باش ’’پا پیادہ‘‘ والہانہ، عاشقانہ، سالکانہ اور مجذوبانہ انداز میں داخل ہوا، جس کے چہرے بشرے سے :

بسر کردند دُرویشانِ عالی ؛ بانداز فقیری یا دشاہی

کی جھلک ٹپک رہی تھی۔ خلیفہ کے محافظ و نگران مطاف کے ہجوم میں لوگوں کے درمیان خلیفہ کو لے کر گزر رہے ہیں اور ’’ہٹو ہٹو‘‘ کے نعرے لگا رہے ہیں۔ مگر ہجوم ہے کہ ٹس سے مس نہیں ہو سکتا ہے اور بے اختیار خلیفہ پر آگرا جا رہا ہے۔

ہارون رشید مطاف کے ہجوم میں باوجود سپاہیوں کے درمیان ہونے کے دھکے کھا رہا ہے اور یہ نوجوان بادشاہ کے سامنے سے گزر رہا ہے تو اس کے لیے نہ کوئی فوج ہے نہ سپاہ، نہ دربان ہے نہ نگران مگر اس کے آنے پر مارے خوف کے لوگ آپ خود سے ہٹے چلے جا رہے ہیں اور راستہ آسانی سے

مل جاتا ہے۔

یہ منظر دیکھ کر خود بادشاہ حیران و مبہوت کھڑا رہ جاتا ہے کہ یہ کون ہے؟... میرے وزیر و سپاہ کے ہٹانے، روکنے اور کہنے پر بھی لوگ مجھے دھکے دیے جا رہے ہیں اور اس نوجوان کے لیے مطاف کی راہ بالکل ہموار اور کشادہ ہے۔ جیسے کوئی شیر ہے یا آگ کا دہکتا شعلہ ہے، جسے دیکھ کر لوگ مارے خوف کے کھسک رہے ہیں یا بے تحاشہ بھاگ رہے ہیں۔

اتنے میں فرزدق جو بادشاہ کا شاہی شاعر تھا اور بلا کا ادیب تھا، وہاں کھڑے ہو کر بادشاہ سے ان الفاظ میں مخاطب ہوتا ہے اور اس نوجوان کا تعارف کراتے ہوئے برجستہ کہتا ہے: ۵

ماقال لاقط الافی تشھدہٖ
لولا التشھد کانت لاؤہ نعم

یعنی اے شہنشاہ جہاں پناہ! یہ کوئی معمولی قسم کا لڑکا نہیں ہے جیسا تو خیال کر رہا ہے۔ بلکہ یہ وہ نوجوان ہے جس کے دربار سے کبھی کوئی مایوس نہیں لوٹا۔ اور قسم بخدا اس نے اپنی زبان پر نفی و انکار کا جملہ کبھی ادا نہیں کیا۔ ہاں اگر وہ انکار کیا ہے اور اپنی زبان پہ لایا ہے تو صرف تشہد میں "لا" کا جملہ ادا کرتا ہے۔ اور بس۔ اور یاد رکھ کہ اگر تشہد نہ ہوتا تو پھر وہاں بھی اس کی زبان پہ نفی و انکار کی جگہ "ہاں" اور اثبات ہی ہوتا۔

آگے کہتا ہے کہ اے بادشاہ دیکھ! دل کی آنکھ سے دیکھ، بصیرت کی نگاہ سے دیکھ کر تو اپنے سے اس کا موازنہ کیوں کرنے لگا؟ کہاں وہ اور کہاں تو؟ "چہ نسبت خاک را با عالم پاک"؟؟ ایک ادنیٰ خاک کو عالم پاک سے کیا نسبت؟ اور کیا تعلق؟؟۔

لوگ تو خانۂ کعبہ کی زیارت کو آتے ہیں۔ مگر خانۂ کعبہ اس کی زیارت کے لیے بے تاب ہے، بے قرار ہے۔ لوگ حجرِ اسود کو سلامی دیتے ہیں اور حجرِ اسود اس کو سلامی دے رہا ہے اور جھک جھک کر سلام کر رہا ہے۔ کعبہ کے در و دیوار اس کی دید کے مشتاق اور بے تاب ہیں۔ یہ جب بھی رکنِ حطیم پر آتا ہے تو حطیم ہے کہ فرطِ ادب سے جھک کر سلام بجا لاتا ہے۔

غرض فرزدق کے یہ الفاظ بادشاہ کے دل و دماغ پر تیر بن کر پیوست ہو گئے۔ اور خاص کر یہ مصرعہ ع

"رکن الحطیم ماجاء یستلم"

نے بادشاہ کو گھائل کر دیا۔ اور وہ حواس باختہ بیتابی کے عالم میں اس نوجوان کا نام پوچھتا ہے کہ آخر یہ نوجوان ہے کون؟

اب فرزدق نے بتایا کہ یہ پاپیادہ کعبہ کو چل کر آنے والا نوجوان، جس کے پاس نہ سواری ہے نہ ساز و سامان۔ یہ آلِ رسول ﷺ جگر گوشۂ بتول رضی اللہ عنہا حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ ہیں۔

حضرت بشر حافی رحمہ اللہ کا واقعہ بھی بڑا

مشہور واقعہ ہے کہ انھوں نے جب اپنا سفرِ حج کیا اور مدینۂ طیبہ میں حاضری تو کس انداز سے دی ؟ اور کس شان و نیاز سے دربارِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم میں پہنچے ذرا یہ بھی سنتے جائیں۔

چناں چہ حرم پاک مدینہ کے قریب ہی جہاں سرحد (بارڈر) کا نشان ہوتا ہے کھڑے ہوگئے۔ ایک عاشقِ بے قرار، دل سوز و دل گداز، مجذوبِ سینہ فگار کی طرح اپنی ٹوپی اور جوتے نکال پھینک دیے اور اسی وارفتگی کے عالم میں پورے حرم مدینہ کی گلی کوچوں میں ننگے سر ننگے پاؤں ایک دیوانگی اور لاابالی شان سے پھر رہے ہیں کہ پتہ نہیں، میرے آقا، میرے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر لبسر یہاں کہاں کہاں ہوا ہے؟ غلامانِ رسول اللہ اور عاشقانِ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے قدوم میمنت لزوم کس کس جگہ پہ پڑے ہیں ؟ اور میں اپنے ان جوتوں سے ان نقوشِ جاوداں کو روند دوں ؟ اور ان آثارِ صنا دید کو مٹا کر رکھ دوں ؟ اس طرح صریح غلطی اور بے ادبی کا ارتکاب کروں ؟؟

خدا بچائے اور پناہ میں رکھے ایسا میں کیسے کر سکتا ہوں ؟ میری کیا مجال ؟؟ بشر! تیری کیا حقیقت ؟ ـــــ تو کون ؟ اس پاک اور برگزیدہ زمین پر قدم رکھنے کی ایسی ہمت ؟ اور اتنی جرأت ؟؟ اور اس قدر جسارت ؟؟ ایاز قدرِ خود بشناس!

بس اتنا دل میں آنا تھا، انھوں نے اپنے جوتے وونے نکال پھینک دیے اور جب تک بشر حافی کا قیام مدینۂ منورہ میں رہا اس وقت تک پورے حرمِ مدینہ کی سرزمین، ان ظاہری غلاظتوں سے بھی پاک و صاف ہوگئی۔ اللہ کو ان کی یہ ادا بھا گئی اور قدرت نے تمام چرند پرند کو یہ حکم دے دیا کہ خبردار! یہاں آج سے کوئی بیٹ نہ کرے۔ میرا ایک برگزیدہ بندہ یہاں آیا ہوا ہے اور وہ ننگے پیر پھر رہا ہے۔ اس کے ادب و احترام اور اکرام میں ہم بھی تمہیں حکم دے رہے ہیں کہ تم اس سرزمین کو جس میں میرے محبوب کا محبوب آیا ہوا ہے پاک رکھو۔ غلاظت سے صاف رکھو۔

تاریخ میں آتا ہے کہ حضرت بشر حافی کا قیام مدینۂ منورہ میں تقریباً چھ ماہ یا ایک سال کا رہا ہے۔ اور اس پورے عرصے میں وہاں کے پرند چرند نے پیشاب پاخانہ نہیں کیا۔ سرزمینِ حجازِ مقدس جس طرح روحانی اعتبار سے پاک ہے۔ اسی طرح جسمانی اور ظاہری لحاظ سے بھی پاک رہی۔ کسی چرند پرند نے بیٹ نہیں کی۔

پھر ایک دن جب حضرت امام مالک رضی اللہ علیہ کی نگاہ وہاں کسی بکری کی مینگنیوں پہ پڑی تو انہوں نے فوراً فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت بشر حافیؒ کا انتقال ہوگیا ہے۔ جاؤ حقیقتِ حال کا پتہ لگاؤ۔ لوگوں نے تفتیش کی تو معلوم ہوا کہ واقعی حضرت بشر حافیؒ رحمۃ اللہ علیہ کا وصال اسی دن ہوا ہے۔

یہ تھے ہمارے اسلاف کے کارنامے کہ

ان کے پیروں میں جلجلاتی دھوپ کا اثر ہے نہ
احساس۔ انھوں نے تیز تیز کنکریوں اور سنگریزوں
کی ٹیس و چبھن کی پرواتک نہ کی۔ سچ ہے یہاں کے
کانٹوں کو پھولوں سے تشبیہ دینے والے حضرات
عشّاق کا یہی حال ہوتا ہے۔ وہ اس کو شاعری نہیں
حقیقت سمجھتے ہیں اور اس حقیقت کے اندر
ہزار خوشیاں موج زن ہوتی ہیں اور اس میں انھیں
جو مزہ ملتا ہے وہ یقیناً ضرب الحبیب زبیبٌ
سے کہیں زیادہ ہوتا ہے۔ ؎

مزا یہ مرنے کا ہے عاشق بیاں کبھو کرتے؟
مسیحؑ و خضرؑ بھی مرنے کی آرزو کرتے

سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ
حج و زیارت کے لیے پابہ رکاب ہیں اور آپ کے ہم راہ
جہاں شاگردوں کی ایک بڑی جماعت ہے وہیں
معتقدین اور مخلصین کا ایک جم غفیر بھی ہے اور
جب مدینہ طیبہ میں حاضری دی اور قیام فرمایا تو مدینۃ
الرسول صلے اللہ علیہ وسلم کے اکثر کبار محدثین اور
علمائے محققین بھی حلقہ بگوشِ امام ہو گئے۔ روزینہ
جہاں درس و تدریس، تحقیق و تدقیق، افتا و
تصحیح کی مجلسیں ہو رہی تھیں وہیں دربار نبوی
صلے اللہ علیہ وسلم میں حاضری بھی ہو رہی تھی۔

اور جب آپ کو یہاں قیام کئے ہوئے
انیس ۱۹ دن بیت گئے تو اب بے تحاشا رونا شروع
کر دیا کہ مجھے یہاں سے لے چلو اب میں یہاں نہیں
رہ سکتا۔ مجلس کے حاضر باش شاگردوں کی ایک جماعت
ورطۂ حیرت میں پڑ گئی اور شاگردوں میں

حضرات امام محمدؒ، امام ابو یوسفؒ، امام زفرؒ، سفیان
ثوریؒ، اور سفیان ابن عینیہؒ جیسے اساطین
حدیث موجود تھے، وہیں شاہ فضیل ابن عیاض
جیسے سید الطائفہ بھی موجود تھے سب نے بہ یک
زبان عرض کی:

اُتبکی انت یا سیدنا بقیام المدینۃ؟
اے ہمارے سردار، اے ہمارے استاد! کس بات نے
آپ کو رلایا؟ کیا قیام مدینہ آپ پر شاق گزر رہا ہے؟
جب کہ آپ نے ہی یہ تعلیم بھی دی تھی کہ مدینۃ
الرسول صلے اللہ علیہ وسلم میں جتنے دن بھی قیام
کرو سعادت سمجھو، غنیمت جانو۔ پھر یہ کیا معاملہ
ہے آپ کا؟

فرمایا کہ "حاشا و کلّا میں یہاں کے قیام سے
اکتا نہیں گیا ہوں، بلکہ یہ ایک راز تھا جسے میں اور
میرا مالک ہی جانتا تھا۔ اب تم نے پوچھ ہی لیا ہے
تو سنو! یہ وہ عظیم و بابرکت سرزمینِ مقدس ہے
جہاں گناہ تو بڑی بات ہے۔ محض اس کا خیال و تصوّر
بھی یقیناً گناہِ عظیم ہے۔" ؎

خیالِ گناہ ہو خطا توبہ توبہ کہ حضور شفیع الامم جا رہے ہیں

"سنو! یہ سرزمینِ مقدّس قدسی صفات
نفوس کی مکین گاہ ہے۔ یہاں حضور اکرم، نورِ مجسّم،
فخرِ آدم صلے اللہ علیہ وسلم کے وجود باوجود نے اسے
بلاشبہ لوح و قلم، عرش و کرسی سے افضل و اعلیٰ
برتر و اولیٰ قرار دیا ہے اور رشکِ ملائک بنا دیا
ہے۔ اس کامل انیس ۱۹ دن کے عرصہ میں، میں نے

الحمدللہ ایک قطرہ پیشاب یا پاخانہ تک نہیں کیا ہے اور ریح بھی خارج نہیں کی ہے اور الحمدللہ پورے انیس[19] دن باوضو رہا ہوں۔ اور ایک لمحہ کے لیے سویا تک نہیں، پورے چوبیس گھنٹوں میں ایک یا دو کھجور کھائی ہے اور تھوڑا سا آبِ زمزم پیا ہے۔ بس یہی میری غذا اور خوراک رہی ہے۔ زیادہ مقدار میں پانی پینا اور غذا کھانا جسم کے فضلات کو خارج کرنے کی دعوت دینے کے مترادف ہے اس لیے اس سے شدید اجتناب و پرہیز ضروری جانا۔ اور اب طبعی تقاضا ہو رہا ہے، پیٹ میں تکلیف ہونے لگی ہے اس لیے اس بشری تقاضے اور ناتے کے تحت مجبور ہوا جا رہا ہوں کہ اب پیشاب یا ریح خارج ہونے کو ہے اس لیے مجھ کو حرمِ مدینہ سے باہر لے چلو اور جلدی کرو چلتے ہیں"۔

اللہ اکبر! کس قدر شدید ضبط و تحمل تھا اور کیسی ریاضتِ شاقہ اور مجاہدۂ وافرہ تھا غرض شاگردوں کو اب احساس ہو رہا ہے اور اپنے استادِ محترم کے تقویٰ و طہارت کی کمالِ شان کا اندازہ ہو رہا ہے۔

ہم سن انیس سو ستانوے (1997ء) کے واقعہ منیٰ کو صرف اس ایک واقعہ پہ منطبق و کمپائر کریں اور موازنہ کریں تو یقیناً کہہ سکتے ہیں کہ اس واقعہ کے سامنے وہ منیٰ والا حادثہ ہیچ ہے اب اس کی کوئی حقیقت کوئی وقعت نہیں نہیں، واقعی یہ منیٰ والا حادثہ اس کا ایک فیصد کیا؟ ہزار میں ایک حصّہ بھی نہیں ہے۔

بے شک ہمارے اکابرین اور سلفِ صالحین کے حالات و مجاہدات، ریاضات و مشاہدات اسی نوعیت کے ہوتے تھے۔ ان کا حج اتنا آسان نہیں تھا جتنا ہمارا بن گیا ہے۔ ہمیں حج کیا ہے؟ اس کی حقیقت و روح کیا ہوتی ہے؟ نہیں معلوم، اس جانب ہم نے توجّہ ہی نہیں دی، ضرورت نہیں سمجھی اس لیے یہ حقیقت ہماری نظروں سے اوجھل رہی رہی۔ مگر سن ستانوے کے واقعۂ منیٰ میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کی ایک ہلکی سی جھلک بتلائی اور صحیح معنی میں اپنے عشاق کے کوچہ کی کسی حد تک سیر کرائی کہ بندے کو خالق سے، غلام کو آقا سے تعلق و نسبت اس طرح ہوتی ہے اور بجا طور پہ جہاں دورانِ باخبر اور نزدیکانِ بے خبر کی حقیقت کا راز فاش کیا ہے۔ وہیں حج ربا البیت کی پہچان بھی آسان کر دی۔

تاریخ شاہد ہے کہ سلطان محمود غزنوی رح اپنے غلام ایاز پہ بے انتہا مہربان فریفتہ اور شیفتہ تھا۔ اس کی دل لبھا ادائیں، عقل مندی، دوراندیشی اور طور طریقے اُسے بھا گئے تھے۔ ایک دن سلطان ککڑی کی قاشیں تراش تراش کر اپنے ہاتھوں سے ایاز کو کھلا رہا تھا اور ایاز ہے کہ بڑے مزے سے لے کر کھا رہا ہے اور چٹخارے مار رہا ہے۔ اسے دیکھ کر سلطان کو بھی خواہش ہوی اور ایک قاش اس نے جیسے ہی منہ میں رکھی تھوک دیا۔ قاش بڑی کڑوی کسیلی تھی۔

سلطان :۔ ارے ایاز! یہ کیا کیا تونے؟ کیا یہ کنکڑی کڑوی نہیں تھی؟

ایاز : ہاں حضور! کڑوی ہی تھی۔

سلطان : پھر تونے انھیں بڑے مزے لے کر کیسے کھا لیے؟ کیوں نہیں کہا؟؟ تھوکا کیوں نہیں؟ تعجب ہے چہرے پر اس کا احساس تک ہونے نہیں دیا۔ اور ناپسندیدگی کے آثار بھی ظاہر ہونے نہیں دیے۔

ایاز : حضور عالی! یہ تو بڑی نادانی اور ناشکری ہوگی کہ اگر میں اس کا اظہار کرتا۔

سلطان : وہ کیسے؟

ایاز : جن ہاتھوں سے عمر بھر لذیذ لذیذ نعمتیں اور عمدہ عمدہ غذائیں کھائی ہیں۔ کیا کبھی کسی وقت میں ان ہی ہاتھوں سے کوئی کڑوی کسیلی چیز بھی کھالی تو کیا بُرا ہوا؟ کون سی قباحت ہے؟ کبھی کبھار ایک ناگوار چیز کے کھالینے سے ایک لخت عمر بھر کی نعمتوں کو بھول کر ناک بھوں چڑھاؤں؟ یہ جس قدر میری ناشکری اور ناسپاسی ہوگی اسی قدر نادانی اور بے وقوفی بھی۔

اس جواب سے سلطان محمود بے حد محظوظ ہوا۔ اور اپنے اس غلام سے اور زیادہ شفقت و محبت کرنے لگا۔ اور اس کی قدر و منزلت اور زیادہ ہونے لگی۔

غرض اس واقعہ پہ ذرا غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ٹھیک یہی معاملہ انیس سو ستانوے ۱۹۹۷ء کے مئی کے حادثہ کا ہے۔

خدائے ذوالجلال کی جہاں بے شمار نعمتوں لازوال نوازشوں کے درمیان اگر کوئی ناگوار واقعہ پیش آجائے تو یہ ناگوار نہیں، خوش گوار ہے!

یہ مقام حسرت و یاس نہیں، مقام فرحت و سپاس ہے۔ یہ تعزیت کی نہیں تہنیت کی جگہ ہے۔

نعتِ شریف

ڈاکٹر حکیم سید افسر پاشاہ افسرؔ۔ شفا ڈسپنسری۔ گڑیاتم

تصوّر میں اُن کے حرم چوم لوں گا
جو دیکھا ہے منظر بہم چوم لوں گا

وہی ذاتِ اقدس جو محسن ہے سب پر
اُسی کے ہیں نقشِ قدم چوم لوں گا

تصدّق خدا پر جو نعمت عطا کی
خس و خاکِ بابِ حرم چوم لوں گا

جن ہاتھوں نے پکڑا ہے دامن تمہارا
ان ہاتھوں کو میں دم بدم چوم لوں گا

وہ جس نے بھی لکھا ہے نام محمدؐ
پکڑ کر میں اس کا قلم چوم لوں گا

گُلوں کی ہے کیا بات؟ وہ بھی ہیں اعلیٰ
میں ہونٹوں سے خارِ حرم چوم لوں گا

جن آنکھوں نے دیکھا مدینے کا منظر
وہ آنکھیں خدا کی قسم چوم لوں گا

مقدّس مقاموں کی کیا پوچھتے ہو؟
ہر اک ذرّہ خاکِ حرم چوم لوں گا

اُحد کی پہاڑی ہو بطحیٰ کی وادی
ہر اک ذرّہ باغِ اِرم چوم لوں گا

وہ غارِ حرا ہو کہ یا غارِ ثور
جہاں پاؤں نقشِ قدم چوم لوں گا

کبھی بابِ جبریلؑ و بوبکرؓ و حیدرؓ
کبھی بابِ عثمانؓ بہم چوم لوں گا

جدھر بھی نظر کی صحابہؓ کو پایا
خیال آیا اُن کے قدم چوم لوں گا

عجب کیف آور ہے منظر وہاں کا
میں افسرؔ حطیمِ حرم چوم لوں گا